"لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ پیغمبرؐ کی بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں، میرا حال یہ تھا کہ پیغمبرؐ سے ہر وقت چپکا رہتا صرف شکم سیری کے لیے یہاں تک کہ میں نہ خمیر کھاتا نہ حریر (ریشم) پہنتا نہ غلام و کنیز میری خدمت کرتے، میں بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا، میں لوگوں سے آیت کی قرأت کا سوال کرتا غرض یہ رہتی کہ وہ اپنے ساتھ مجھے لے جائیں اور کھانا کھلائیں، اور مساکین و فقرا کے لیے سب سے بہتر و نیک دل انسان جعفر بن ابی طالب تھے وہ ہمیں اپنے گھر لے کر آتے جو کچھ گھر میں ہوتا وہ ہمیں کھلاتے[1]۔

بغوی نے بطریق مقبری روایت کی ہے (جیسا کہ اصابہ میں بسلسلہ حالات جعفر مذکور ہے) کہ جعفر ابن ابی طالب فقراء و مساکین کو بے حد محبوب رکھتے وہ ان کی خدمت کرتے اور فقرا جعفر کی خدمت بجالاتے دونوں ایک دوسرے سے گھُل مل کر بات چیت کرتے اسی وجہ سے پیغمبر خداؐ نے جناب جعفر کی کنیت رکھ دی تھی ابوالمساکین[2]۔

ترمذی و نسائی نے بسند صحیح ابوہریرہ سے روایت کی ہے ابوہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے بعد کسی بھی شخص نے نہ تو نعلین پہنی نہ ناقہ پر سوار ہوا، نہ زمین پر چلا جو جعفر سے افضل ہو[3] یعنی پیغمبر کے بعد جعفر طیار سے بہتر و افضل کوئی نہ ہوا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۱۹۰ باب مناقب جعفر و حلیۃ الاولیاء ج ۱ صہ ۱۱۷ حالات جعفر

[2] علامہ ابن عبد ربہ قرطبی نے عقد الفرید جلد ۱ میں ابوہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ "میں ایک مرتبہ جناب جعفر کے ساتھ چلا اور میں بہت بھوکا تھا جب وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو مُڑے اور مجھ پر اُن کی نظر پڑی مجھ سے کہا آؤ، میں گھر میں داخل ہوا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴ پر)

غرضکہ صفہ مسجد کا سائبان برابر ابوہریرہ کا گھر بنا رہا، رات دن اسی میں رہا کرتے اس کے سوا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے اس دار فانی سے کوچ کیا اور پیغمبرؐ کے جیتے جی تک ابوہریرہ نے پیٹ بھرنے کی کوئی راہ ہی نہ نکالی سوا اس کے کہ راستہ میں بیٹھ جاتے اور لوگوں کو اپنی گرسنگی کی طرف متوجہ کرتے نہ تو کسی اہم معاملہ میں ان کا نام ملتا ہے نہ کسی جنگ یا صلح میں اُن کا ذکر آتا ہے، البتہ مورخین نے اتنا ضرور ذکر کیا ہے کہ جنگ موتہ میں بھاگ نکلے تھے[1]

ابوہریرہ نے البتہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے جب علیؑ کو سورہ برأت لے کر مکہ بھیجا تھا تو یہ بھی علی کے ساتھ تھے اور انھوں نے بروز حج ندا دی تھی یہاں تک کہ اُن کی آواز بیٹھ گئی تھی، تبلیغ سورہ برأت کے متعلق ابوہریرہ کی دو متناقض حدیثیں ہیں دونوں کی دونوں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں جیسا کہ آپ آگے چل کر ملاحظہ فرمائیں گے۔ ابوہریرہ نے اس کا بھی ایک طولانی حدیث[2] میں دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے انھیں زکوۃ رمضان محفوظ رکھنے پر مامور کیا تھا جسے ہم عنقریب اباطیل وجہلات کے سلسلہ میں ذکر کریں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) جناب جعفر نے کچھ دیر سوچا مگر انھیں گھر میں کوئی چیز نظر نہ آئی سوا گھی کی ایک کپّی کے انھوں نے اُسے اُتارا اور ہمارے سامنے اسے چاک کر دیا ہم لوگ گھی چاٹنے لگے اور جعفر یہ شعر پڑھنے لگے ؎

ما کلف اللہ نفسا فوق طاقتھا　　ولا تجود ید الا بما تجد

(خداوند عالم نے کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی اور کوئی ہاتھ وہی چیز بخش سکتا ہے جو وہ پائے[3]) ابونعیم نے بھی حلیۃ الاولیا جلد ۱ صفحہ ۱۱۷ بسلسلہ حالات جعفر اس حدیث کی روایت کی ہے۔

[1] مستدرک ج ۳ ص ۴۲ [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۹ کتاب الوکالت

۴
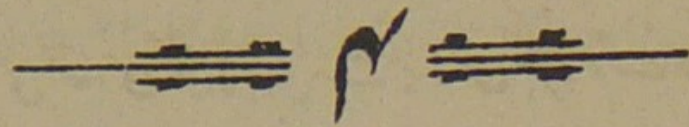
ابوہریرہ، زمانہ ابوبکر و عمر میں

ہم نے حضرت ابوبکر و عمر دونوں کے حالات تاریخ میں دیکھے اور کافی تلاش و جستجو کی مگر اُن کے زمانے میں بھی ابوہریرہ کی کوئی خاص بات لائق ذکر نہیں ملی۔ سوا اس کے کہ حضرت عمر نے ابوہریرہ کو سنہ ۲۱ھ میں بحرین کا حاکم بنا کر[1] بھیجا اور سنہ ۲۳ھ میں معزول کر کے اُن کی جگہ عثمان[2] بن ابی العاص ثقفی کو حاکم بنایا اور صرف معزول ہی نہیں کیا بلکہ اُن سے دس ہزار درہم یا دینار بھی چھین لیے اور بیت المال میں داخل کر دیے جس کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ ابوہریرہ نے اس کو مال خدا سے چرایا ہے۔ یہ مشہور واقعہ ہے اور ہر تاریخ و سیرۃ میں اس کا تذکرہ ہے عقد الفرید جلد اول کی عبارت یہاں ذکر کر دینی کافی ہو گی، علامہ ابن عبدربہ حالات عمر میں لکھتے ہیں "پھر انھوں نے ابوہریرہ کو بلایا اور اُن سے کہا تم جانتے ہو کہ میں نے تمھیں بحرین کا حاکم بنایا جبکہ تمھارے پیروں میں جوتیاں بھی نہیں تھیں اور اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ایک ہزار دینار اور ۶۰۰ دینار کے گھوڑے خریدے ہیں۔ ابوہریرہ نے کہا ہمارے پاس چند گھوڑے تھے جن کی نسل بڑھی

---

[1] پیغمبر نے علاء ابن حضرمی کو بحرین کا حاکم بنا کر بھیجا تھا پیغمبر کے انتقال کے بعد ابوبکر و عمر نے بھی انھیں برقرار رکھا سنہ ۲۱ھ میں اُن کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ پر حضرت عمر نے ابوہریرہ کو مقرر کیا [2] تاریخ کامل وغیرہ واقعات سنہ ۲۳ھ

کچھ عطیے وصول ہوے حضرت عمر نے فرمایا میں نے تمھارا حساب کرلیا ہے اتنے دن
تم نے کام کیا اتنی تمھاری تنخواہ ہوئی ہے یہ دس ہزار تم نے فاضل لے لیے ہیں
اس کو فوراً ادا کرو، ابوہریرہ نے کہا یہ ہمارا ذاتی مال ہے آپ نہیں لے سکتے۔
عمر نے کہا خدا کی قسم میں لے کے رہوں گا اور تمھاری پیٹھ بھی دکھاؤں گا پھر وہ
دُرّہ لے کر کھڑے ہو گئے اور اتنا مارا کہ لہولہان کردیا پھر کہا ابھی لاؤ۔ ابوہریرہ
نے کہا اسے سمجھ لیجیے کہ خدا کے پاس ہے۔ عمر نے کہا یہ تو میں جب سمجھتا جب
تم حلال ذریعہ سے حاصل کرتے اور خوشی خوشی حاضر کر دیتے، کیا تم بحرین کے
آخری سرے سے اسی لیے آئے ہو کہ لوگوں سے خراج وصول کرکے اپنا گھر بھرلو
نہ اللہ کو دو نہ مسلمانوں کو؟ تمھاری ماں امیمہ نے گدھے چرانے ہی کے لیے جنا ہے۔[1]

ابن عبدربہ لکھتے ہیں کہ ابوہریرہ کی حدیث میں ہے جب مجھے عمر نے بحرین
کی حکومت سے معزول کیا تو انھوں نے مجھ سے کہا "اے خدا اور کتاب خدا کے دشمن
تم نے خدا کا مال چرایا ہے"۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں نہ خدا کا دشمن ہوں
نہ کتاب خدا کا میں تو آپ کے دشمنوں کا دشمن ہوں میں نے خدا کا مال نہیں چرایا۔
حضرت عمر نے پوچھا پھر تمھارے پاس دس ہزار کہاں سے جمع ہو گئے؟ میں نے کہا کچھ
گھوڑے میرے تھے جن کی نسل بڑھی، کچھ عطیے وصول ہوے، کچھ ترکہ ملا۔ ابوہریرہ
کہتے ہیں کہ عمر نے میرا کوئی عذر نہیں سنا اور دسوں ہزار مجھ سے چھین لیے، دوسرے دن

---

[1] حضرت عمر کی اصلی لفظیں یہ ہیں ما رجعت بك اميمة الا لرعية الحمر۔ رجع اور
رجیع گوبر اور فضلہ کو کہتے ہیں۔ حضرت عمر کا یہ فقرہ بدترین گالی ہے مطلب یہ ہے کہ تمھاری ماں نے
پاخانہ کے مقام سے تمھیں جنا ہے۔

نماز صبح سے فراغت کے بعد میں نے حضرت عمر کی خدمت میں جا کر اپنے خطاؤں پر معافی مانگی۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ پر بھی جہاں حضرت عمر کے کچھ حالات ذکر کیے ہیں اور ابن سعد نے طبقات جلد ۴ قسم ۲ صفحہ ۹۰ پر بسلسلہ حالات ابی ہریرہ بطریق محمد ابن سیرین ابو ہریرہ سے روایت کی ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے کہا اے دشمن خدا و کتاب خدا کیا تم نے خدا کے مال میں چوری کی ہے؟ ابن حجر عسقلانی نے بھی اصابہ میں اس واقعہ کو حالات ابی ہریرہ میں ذکر کیا ہے مگر ابو ہریرہ کی جنبہ داری میں بقضیں گول مول لکھی ہیں اور جس بات پر تمام اہل علم متفق ہیں، اس کی مخالفت کی ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ ابو ہریرہ کی حمایت سے خلافت مآب عمر بن خطاب مورد الزام ٹھہرتے ہیں کہ انھوں نے کوڑوں سے لہولہان کر دیا، سارا مال چھین لیا اور معزول بھی کر دیا۔ اگر ابو ہریرہ نے غبن نہیں کیا تھا تو خلافت مآب نے ناحق ہی اُن پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے۔

۵
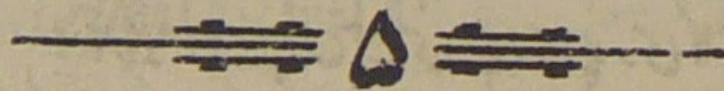
ابو ہریرہ عہد عثمان میں

عہد عثمان میں ابو ہریرہ نے اولاد ابی العاص بلکہ تمام بنی امیہ کی دل سے ہوا خواہی کی، مروان کی ہمنشینی اختیار کی، آل ابو معیط کے مقرب خاص بنے، اب اُن کی شان و شوکت کا کیا ٹھکانا تھا، خصوصاً عثمان کے محاصرہ کے بعد تو ان کی مقبولیت اور بڑھ گئی، جب حضرت عثمان اپنے گھر میں محصور ہوئے تو یہ بھی اُن کے ساتھ تھے اس وجہ سے اُن کے دن ہی پلٹ گئے ذلت سے نکل کر بام عزت پر پہنچ گئے۔ جب مسلمانوں نے حضرت عثمان کا گھر گھیر لیا تو انہوں نے دیکھا کہ موقع غنیمت ہے یہ بھی اُن سے چپکے رہے

آل ابوالعاص، اور دیگر بنی امیہ کی نگاہوں میں ابوہریرہ کا عثمان کے ساتھ ساتھ محصور ہونا پڑا، غیر معمولی ایثار نظر آیا اور اس کے نتائج بڑے دور رس نکلے، اس کے صلہ میں بنی امیہ نے انھیں بڑی عزت بخشی خوب پروپیگنڈے کیے، کل تک جو قعر گمنامی میں پڑا ہوا تھا اب ہر اموی کی زبان پر اس کی مدح وثنا کے قصیدے تھے۔

اور قصہ یہ تھا کہ حضرت عثمان نے اپنے طرفداروں کو جنگ سے شدید ممانعت کر دی تھی ہر ایک کو تاکید تھی کہ ضبط سے کام لے، صرف اس لیے کہ اسی میں اُن کا تحفظ تھا وہ جانتے تھے کہ اگر جنگ ہوگی تو ہلاکت کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا، انھوں نے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان بچانے کے لیے جنگ سے ممانعت کر رکھی تھی، اور ابوہریرہ جانتے تھے کہ طالبان انتقام صرف عثمان اور مروان کے خواہاں ہیں اوروں سے انھیں سروکار نہیں لہذا اس طرف عثمان کی ممانعت کہ تلوار نہ کھنچے ادھر طالبان انتقام کو صرف عثمان اور مروان سے غرض، اس سے بہتر موقع کیا تھا، رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی، موقع بہترین تھا اس سے فائدہ نہ اٹھانا کفران نعمت تھا، ابوہریرہ کی یہ چال چل گئی: پوری پوری کامیابی نصیب ہوئی، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی امیہ اور اُن کے ہوا خواہ، ابوہریرہ ہی کے ہو رہے، ابوہریرہ ان کے پیر اور وہ ابوہریرہ کے مرید۔

مریدوں نے پیر کی حدیثیں پھیلانے، ہر موقع پر اُن کی بیان کردہ حدیثیں پیش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور پیر بھی ایسے نکلے کہ جیسی مریدوں کی خواہش ہوتی ویسی ہی حدیث رسول اللہؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کر دی۔

منجملہ ان احادیث کے جو انھوں نے اپنے ہوا خواہ بنی امیہ کی خواہش کے مطابق پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے روایت کیں چند حدیثیں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:-

ان لكل نبي خليلا من امته[1]
وان خليلي عثمان -

ہر نبی کے لیے اس کی امت میں سے ایک
خلیل (دوست) ہوا کیا اور میرے خلیل
عثمان ہیں -

سمعت رسول الله يقول عثمان
حيي تستحيي[2] منه الملائكة .

میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ عثمان
وہ حیادار ہیں جن سے ملائکہ بھی شرماتے ہیں -

لكل نبي رفيق في[3] الجنة
ورفيقي فيها عثمان -

ہر نبی کے لیے جنت میں ایک رفیق ہوگا
اور میرے رفیق جنت میں عثمان ہیں -

اتاني جبريل فقال لي
ان الله يامرك ان تزوج عثمان
ام كلثوم[4] على مثل صداق رقية -

جبریل نے آکر کہا کہ خداوند عالم نے آپ کو
حکم دیا ہے کہ ام کلثوم کا عقد عثمان سے اتنے ہی
مہر پر کردیں جتنا مہر رقیہ کا تھا -

دخلت على رقية بنت
رسول الله امرأة عثمان وبيدها
مشط فقالت خرج رسول الله
من عندي آنفا رجلت شعره

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں رقیہ دختر پیغمبر کی
خدمت میں حاضر ہوا اُن کے ہاتھ میں کنگھی تھی
رقیہ نے کہا ابھی ابھی پیغمبر میرے پاس سے
تشریف لے گئے ہیں میں نے آپ کے بالوں میں

---

[1] تمام اہل علم اس حدیث کے غلط و مہمل ہونے پر متفق ہیں لیکن ابوہریرہ کے طرفداروں نے
اس کی ساری ذمہ داری اسحاق بن نجیح ملطی کے سر ڈال دی ہے جس نے ابوہریرہ سے اس
حدیث کی روایت کی ہے - علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسلسلہ حالات اسحاق اس
حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس کے باطل ہونے کی بھی صراحت کی ہے [2] ابن کثیر کی
بدایہ و نہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۰۳ [3] یہ حدیث بھی بالاتفاق باطل ہے، دیکھو میزان الاعتدال
علامہ ذہبی [4] ابن مندہ نے نیز علامہ ابن حجر نے اصابہ میں اس حدیث کو غرائب
میں شمار کیا ہے -

فقال لی کیف تجدین اباعبداللہ (عثمان) قلت بخیر قال اکرمیہ فانہ من اشبہ اصحابی بی خلقا۔[1]

کنگھی کی ہے پیغمبرؐ نے مجھ سے دریافت کیا تم اپنے شوہر عثمان کو کیسا پاتی ہو بیوی نے جواب دیا اچھا ہی پاتی ہوں آپ نے فرمایا دیکھو عثمان کی عزت میں کمی نہ کرنا کہ یہ تمام اصحاب میں میرے عادات و خصائل میں مجھ سے مشابہ تر ہیں۔

---

[1] اسی وجہ سے امام حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۹۹ پر بسلسلہ فضائل عثمان ابوہریرہ سے روایت کرنے اس حدیث کو لکھا ہے، واجب تو یہ تھا کہ اسے فضائل علی میں ذکر کیا جاتا کیونکہ صرف علی ہی کے متعلق اس مضمون کی بے شمار حدیثیں پیغمبرؐ کی ملتی ہیں اور کسی کے متعلق نہیں پیغمبرؐ کی حدیث ہے تکون بین الناس فرقۃ و اختلاف فیکون ھذا و اصحابہ علی الحق لوگوں میں اختلاف و افتراق واقع ہوگا اس وقت یہ اور ان کے اصحاب حق پر ہوا کریں گے، یہ کہہ کر آپ نے علی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس حدیث کو طبرانی نے کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے، کنز العمال جلد ۶ میں بھی موجود ہے، نیز ارشاد پیغمبرؐ ہے ستکون بعدی فتنۃ فالزموا فیھا علی ابن ابی طالب فانہ اول من اٰمن بی و اول من یصافحنی یوم القیامۃ وھو الصدیق الاکبر وھو فاروق ھذہ الامۃ، عنقریب میرے بعد فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا اس فتنہ میں علی کا دامن پکڑے رہنا کیونکہ وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے اور بروز قیامت سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے، یہی صدیق اکبر ہیں اور یہی اس امت کے فاروق ہیں۔ اس حدیث کو ابو احمد اور ابن مندہ وغیرہ نے ابولیلی غفاری سے روایت کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور ابن حجر نے اصابہ میں بسلسلہ حالات ابولیلی اس حدیث کو بھی درج کیا ہے نیز پیغمبرؐ کی یہ حدیث ہے یا عمار ان رایت علیا قد سلک وادیا و سلک الناس وادیا غیرہ فاسلک مع علی ودع الناس انہ لن یدلک علی ردی ولن یخرجک من الھدی، اے عمار اگر تم علی کو دیکھنا کہ وہ راستہ پر جا رہے ہیں اور لوگ دوسرے راستہ پر، تو تم علی کے ساتھ چلنا اور لوگوں کو چھوڑ دینا کہ علی تمھیں ہرگز ہلاکت کی راہ پر نہ لے چلیں گے اور

(ازالۃ الغین صفحہ ۲۱۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰)

ہرگز ہدایت سے باہر کریں گے، اس حدیث کو دیلمی نے عمار و ابو ایوب ہر دو صحابی پیغمبر سے روایت کی ہے۔ کنز العمال جلد ۶ میں بھی موجود ہے۔ نیز پیغمبرؐ کا ارشاد ہے یا ابا رافع سیکون بعدی قوم یقاتلون علیا حق علی اللہ جہادھم اے ابو رافع میرے بعد عنقریب ایک جماعت ظہور میں آئے گی جو علی سے جنگ کرے گی خدا پر فرض ہے کہ اُن لوگوں سے لڑے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اس کی روایت کی ہے کنز العمال جلد ۶ میں بھی موجود ہے۔ اسی جیسی بیشمار احادیث پیغمبرؐ ہیں سب کو ذکر کرنے کی گنجائش نہیں۔ ایک حدیث بس اور ذکر کر دینا کافی ہوگا۔ ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ فاستشرف لھا القوم وفیھم ابوبکر و عمر فقال ابوبکر انا ھو قال لا قال عمر انا ھو قال لا ولکنہ خاصف النعل۔ تم میں ایک شخص ہے جو تاویل قرآن پر اسی طرح جنگ کرے گا جس طرح میں نے تنزیل قرآن کی بابت جنگ کی، اس پر لوگوں نے گردنیں اونچی کر کر کے دیکھنا شروع کیا انھیں میں ابوبکر بھی تھے عمر بھی، ابوبکر نے کہا وہ میں ہوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ عمر نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ جوتیاں ٹانکنے والا ہے۔ حضرتؐ نے اپنی جوتیاں ٹانکنے کے لیے علیؑ کو دی تھیں اور وہ ٹانک رہے تھے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک ج ۳ صـ ۱۲۲ پر درج کیا ہے اور مسلم و بخاری کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے باقی رکھا ہے۔ امام احمد نے مسند جلد ۳ صـ ۳۳ و صـ ۸۲ پر درج کیا ہے۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا جلد ۱ صـ ۶۷ پر نقل کیا ہے۔ ابو یعلی نے اپنی سنن میں سعید بن منصور نے اپنے سنن میں روایت کی ہے۔ کنز العمال جلد ۶ میں بھی موجود ہے، ناکثین و مارقین و قاسطین سے جنگ کرنے کے متعلق پیغمبرؐ کی بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں نیز پیغمبرؐ کا ارشاد کہ میرے بعد فتنے اُٹھ کھڑے ہوں گے "حد تواتر تک پہنچا ہوا ہے اور معجزات و علامات نبوت میں سے ہے۔ یہ سب حدیثیں صریحاً علی کی پیروی واجب بتاتی ہیں لہذا ابو ہریرہ کی حدیث جسے امام حاکم نے روایت کیا ہے وہ بھی منجملہ انھیں احادیث کے ہے اور درحقیقت امیر المومنینؑ ہی کے متعلق ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کے علاوہ کسی کو بھی امیر کہا ہی نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ پر)

ابو ہریرہ اکثر پیغمبرؐ کی حدیثوں میں ادل بدل بھی کر دیا کرتے کہیں کی کہیں چپکا دیتے چنانچہ پیغمبرؐ کی مسلم الثبوت صحیح ترین ایک حدیث ہے ستکون بعدی فتنۃ واختلاف میرے بعد بڑا فتنہ اور بکھیڑا ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا تو ایسے موقع پر ہمیں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا علیکم بالامیر واصحابہ تم یہ امیر المومنین اور ان کے اصحاب کے ساتھ رہنا۔

لیکن ابو ہریرہ نے آل ابی العاص، آل ابی معیط و آل ابی سفیان کی خوشنودی و تقرب کی خاطر بنی امیہ کی چاپلوسی میں اس حدیث کو ان سے یوں بیان کیا کہ "پیغمبرؐ نے اس موقع پر عثمان کی طرف اشارہ فرمایا کہ عثمان اور ان کے اصحاب کا دامن پکڑے رہنا"۔

ابو ہریرہ کے اس احسان کو بنی امیہ نے برابر یاد رکھا جیسا کہ آپ آٹھویں فصل میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱)

اور علی کا نام ہوگیا تھا لفظ امیر، اس باب میں پیغمبر کی صرف یہ حدیث کافی ہوگی پیغمبرؐ نے انس سے کہا تھا اول من یدخل علیک من ھذا الباب امیر المومنین و سید الوصیین اس دروازے سے پہلا جو شخص آئے گا وہ امیر المومنین اور سید الوصیین ہوگا۔ ابو نعیم اصبہانی نے اس حدیث کو حلیۃ الاولیا جلد اول میں بذیل ذکر امیر المومنین درج کیا ہے۔ پیغمبر خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ علی کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں جیسا کہ بطریق ائمہ طاہرینؑ ثابت ہے زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ۱۲

ابو ہریرہ عہدِ امیر المومنینؑ میں

عہد امیر المومنینؑ میں ابو ہریرہ گوشۂ گمنامی و پردۂ خفا میں رہے، قریب تھا کہ اپنے پہلے حال پر پلٹ جائیں، مفلس و قلاش، ناقابل اعتنا، اہل دولت کے زلہ خوار و خدمت گذار جیسا کہ اسلام لانے سے پیشتر تھے، امیر المومنینؑ کی نصرت سے کنارہ کشی کی اور آپ کے علم کے سایہ میں نہیں آئے بلکہ ان کا دلی میلان اور ساری ہمدردی و بہی خواہی دشمنان امیر المومنینؑ کے لیے مخصوص تھی، معاویہ علیؑ سے برسرِ پیکار تھے اور کوئی جائز وجہ علیؑ سے جنگ کرنے کی تھی نہیں، یہ کھُد بد ہر مسلمان کے دماغ میں تھی کہ آخر معاویہ علیؑ سے برسرِ جنگ کیوں ہیں، لہٰذا انھوں نے خون عثمان کے انتقام کا ڈھونگ رچایا کہ میں تو صرف عثمان کے خون کا بدلہ چاہتا ہوں، علیؑ قاتلان عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ میں انھیں عثمان کے بدلے میں قتل کر ڈالوں۔ اسی سلسلہ سے معاویہ نے ابو ہریرہ اور نعمان بن بشیر کو کہ یہ دونوں معاویہ کے پاس شام میں تھے امیر المومنینؑ کے پاس بھیجا کہ جا کر مطالبہ کریں کہ حضرت علیؑ قاتلین عثمان کو معاویہ کے حوالے کر دیں، چال یہ تھی کہ علی ایسا کریں گے نہیں، یہ دونوں جائیں گے علی انکار کریں گے، یہ علی کو بُرا کہتے ہوئے اور مجھے علی سے برسرِ پیکار ہونے میں حق پر قرار دیتے ہوئے واپس آئیں گے اور شام والوں کے سامنے علی کے خلاف دو مستند گواہ ہوں گے، شام والے جب پیغمبرؐ کے دو بوڑھے صحابیوں کو علیؑ کا مخالف پائیں گے تو میری جنگ کو جائز سمجھیں گے۔ معاویہ نے ابو ہریرہ اور نعمان بن بشیر سے کہا کہ تم دونوں علی کے پاس جا کر انھیں خدا کی قسم دے کر کہو کہ وہ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں کہ

وہی انھیں پناہ دیے ہوئے ہیں پھر ہم میں اُن میں کوئی جنگ نہ ہوگی، اگر علی انکار کریں تو تم دونوں گواہ رہنا اور لوگوں کے سامنے اس کی گواہی دینا۔ یہ دونوں آپ کے پاس پہنچے، ابو ہریرہ نے کہا "اے ابو الحسن خداوند عالم نے آپ کو اسلام میں مخصوص فضل و شرف عنایت فرمایا ہے، آپ حضرت محمد مصطفےٰ کے بھائی ہیں، معاویہ نے ہمیں آپ کے پاس ایک ایسے معاملہ کے لیے بھیجا ہے کہ اگر وہ طے ہو جائے تو یہ جنگ رک جائے گی اور آپس میں صلح ہو جائے گی وہ معاملہ یہ ہے کہ آپ عثمان کے قاتلوں کو معاویہ کے حوالے کر دیں تاکہ وہ عثمان کے عوض انھیں قتل کر ڈالیں اور خداوند عالم آپ کو اور انھیں ایک کر دے اور صلح ہو جائے یہ امت فتنہ و پراگندگی سے محفوظ رہے" ابو ہریرہ کے بعد نعمان نے بھی اسی قسم کی گفتگو کی، امیرالمومنینؑ نے فرمایا اس مسئلے میں گفتگو رہنے دو! تم بتاؤ اے نعمان، کیا تم اپنی قوم یعنی انصار میں سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ نعمان نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا تو تمھاری پوری قوم نے میری اطاعت کی ہے شاذ و نادر تین چار شخصوں نے گریز کیا ہوگا۔ کیا تم بھی انھیں تین چار آدمیوں میں سے ہو؟ نعمان نے کہا "خدا حضور کا بھلا کرے میں تو اس لیے آیا ہوں کہ آپ ہی کی خدمت میں رہوں اور آپ سے جدا نہ ہوں، معاویہ نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ اُن کا یہ پیغام آپ کے پاس پہنچا دوں اور میری تمنا تھی کہ آپ کی خدمت میں باریابی کا موقع ملے اور یہ لالچ بھی کہ آپ میں اور معاویہ میں صلح ہو جائے لیکن اگر آپ کی رائے اس کے خلاف ہے تو میں آپ کا تابعدار ہوں اور آپ ہی کی خدمت میں رہوں گا۔"

مورخین لکھتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ نے ابو ہریرہ سے ایک لفظ تک نہ کہا آپ اُن سے مخاطب ہی نہیں ہوئے وہ شام کو واپس گئے اور معاویہ کو جا کر سارا حال سنایا اور معاویہ نے انھیں حکم دیا کہ لوگوں کو یہ واقعہ بتائیں، ابو ہریرہ نے

کرنے کے سارے جتن کیے، نعمان کچھ دنوں تک تو حضرتؑ کے پاس رہا پھر بھاگ کر
شام معاویہ کے پاس چلا گیا۔[1]

جب امیر المومنینؑ اور معاویہ کے درمیان جنگ نے شدت پکڑی تو ابو ہریرہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ دل ہاتھوں سے جاتا رہا پیر سنبھلتے نہ تھے ابتداء جنگ میں انھیں یقین کامل تھا کہ فتح علی ہی کی ہوگی تو یہ گوشہ نشین ہو گئے اور پوشیدہ طریقے سے لوگوں کو حدیثیں سُنا سُنا کر امیر المومنینؑ کی نصرت سے روکتے۔ منجملہ ان حدیثوں کے ایک دن انھوں نے یہ حدیث بیان کی سمعت رسول اللہ یقول ستکون فتن القاعد فیہا خیر من القائم والقائم خیر من الماشی والماشی خیر من الساعی ومن وجد ملجأ او معاذا فلیعذ بہ[2]۔ میں نے پیغمبر خدا کو

---

[1] ابراہیم بن ہلال ثقفی نے اپنی کتاب غارات میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ اور اس سے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۲۱۳ میں نقل کیا امیر المومنینؑ ابو ہریرہ کو جو خاطر میں نہ لائے نہ اُن کی کسی بات کا جواب دیا وہ اسی وجہ سے کہ آپ نے انھیں مُنہ لگانے کے قابل نہیں سمجھا، آپ بخوبی جانتے تھے کہ ابو ہریرہ و معاویہ کے ہاتھوں بک چکے ہیں اُن سے کچھ کہنا سُننا بیکار ہے، معاویہ نے نعمان و ابو ہریرہ کو قاتلین عثمان کا مطالبہ کرنے کے لیے حضرت کے پاس جو بھیجا تو اس میں جو چال معاویہ نے چلی تھی وہ حضرت سے مخفی نہ رہ سکی، اسی لیے آپ نے ہاں یا نہیں کوئی جواب نہیں دیا بلکہ بات ہی دوسری چھیڑ دی، آپ کے اس طریقہ کار سے جو تدبر و سیاسی دور بینی نمایاں ہوتی ہے وہ کسی بافہم پر پوشیدہ نہیں۔

[2] امام احمد نے مسند جلد ۲ ص۲۸۲ پر ابو ہریرہ کے احادیث کے سلسلہ میں یہ حدیث درج کی ہے، اس حدیث کا لغو و باطل ہونا اظہر من الشمس ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ہے فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ باغی جماعت سے اس وقت تک جنگ کرو جب تک کہ وہ اپنی بغاوت سے باز نہ آجائے۔

ارشاد فرماتے سنا کہ عنقریب فتنے برپا ہوں گے جس میں بیٹھا شخص کھڑے سے بہتر ہوگا اور کھڑا چلتے ہوئے سے اور چلتا ہوا دوڑتے ہوئے شخص سے بہتر ہوگا پس اگر کسی شخص کو پناہ مل سکے تو وہ پناہ گیر ہو جائے۔

یہی روش ابوہریرہ کی مدتوں رہی یہاں تک کہ خوارج نے امیرالمومنینؑ کے خلاف بغاوت کر دی اور خود عراق کے اندر جہاں امیرالمومنینؑ کی حکومت تھی مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر معاویہ کی طاقت بڑھتی جا رہی تھی شام پر تسلط تھا ہی محمد ابن ابی بکر جو امیرالمومنینؑ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے معاویہ نے کید و مکر سے انھیں زہر دے کر مار ڈالا اور اس طرح مصر پر بھی تسلط حاصل کر لیا۔ امیرالمومنینؑ کے حدودِ مملکت میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تین ہزار فوج کے ساتھ بُسر بن ارطاۃ کو یمن و حجاز کی تاراجی کے لیے بھیجا جس نے ایک قیامت برپا کر دی، بندگانِ خدا کے خون کی ندیاں بہا دیں، گاؤں کے گاؤں پھونک ڈالے، عورتوں کی آبرو لوٹ لی، مسلمانوں کے لڑکے لڑکیوں کو غلام و کنیز بنا ڈالا ظلم و ستم کے وہ پہاڑ ڈھائے کہ چنگیز و ہلاکو بھی شرم سے سر جھکالیں، اور اس طرح حجاز و یمن کو تہس نہس کرنے کے بعد بُسر نے حجاز و یمن کے تمام مسلمانوں سے معاویہ کی بیعت لی [1]

اس وقت ابوہریرہ نے اپنے نخلِ تمنا کو بارور ہوتے دیکھا، آپے میں نہ رہ سکے، دل کا چور ظاہر ہو گیا، مدتوں سے سینہ میں جس راز (بغضِ علی) کو چھپائے ہوئے تھے اُسے بُسر بن ارطاۃ پر ظاہر کیا۔ بُسر نے ابوہریرہ کو بڑے کام کا آدمی پایا، محبت معاویہ سے

---

[1] بسر کے مظالم کی خونچکاں داستان مفصل دیکھنی ہو تو ملاحظہ فرمائیے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱ ص۱۱۶ تا ص۱۲۱ نیز تاریخ طبری و تاریخ کامل وغیرہ، معاویہ کی یہ بد اعمالیاں اسی طرح واضح ہیں جس طرح کربلا کا المیہ اور واقعہ حرہ یزید کی بد اعمالیوں کے واضح ثبوت ہیں۔

بسر پر ابو ہریرہ کے ذریعہ معاویہ کے لیے زمین ہموار کرنے، لوگوں سے بیعت لینے میں
بڑی مدد ملی اور اس کے صلہ میں بسر واپسی کے وقت ابو ہریرہ کو مدینہ کا حاکم مقرر
کر گیا[1] اور لوگوں کو تاکید کی کہ ان کی اطاعت میں کمی نہ کریں۔

کئی مہینہ ابو ہریرہ نے حکومت کے مزے لوٹے اور مدینہ میں امامت کرتے اور
شان افسری دکھاتے رہے یہاں تک کہ امیر المومنینؑ کی طرف سے دو ہزار سوار لے کر
جاریہ بن قدامہ سعدی مدینہ پہنچے۔ ابو ہریرہ بھاگ نکلے، جاریہ افسوس کرتے تھے
کہ ابو ہریرہ ملے نہیں ورنہ ان کی کبھی جان بخشی نہیں کرتا[2]

جاریہ ابھی حجاز ہی میں تھے کہ کوفہ میں امیر المومنینؑ کی شہادت کی خبر ملی،
انھوں نے تمام اہل مدینہ سے امام حسنؑ کی بیعت لی اور کوفہ پلٹ آئے، جاریہ کے
واپس جانے پر ابو ہریرہ روپوشی سے باہر نکلے۔ چھ مہینے کے بعد جب معاویہ کی حکومت
ہو گئی تو پھر ابو ہریرہ کے دن ہی پھر گئے۔

ابو ہریرہ عہد معاویہ میں

معاویہ کا زمانہ ابو ہریرہ کے لیے بہار کا زمانہ تھا، ساری تمنائیں بر آئیں اور
شان و شوکت کے سارے خواب پورے ہوئے اسی وجہ سے بے شمار حدیثوں میں
معاویہ کی خواہشیں مدنظر رہیں اور انھوں نے معاویہ کے فضائل میں عجیب و غریب
حدیثیں لوگوں سے بیان کیں، معاویہ کے زمانے میں جیسی جیسی ضرورت و مصلحت

---

[1] کتاب الغارات اور شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۲

مقتضی ہوتی گئی اور سیاسی چالبازیاں بنی ہاشم کو ستانے میں سوجھتی گئیں اسی حساب سے کثرت سے حدیثیں گڑھی جانے لگیں اور پیغمبرؐ پر خوب تہمتیں باندھی گئیں جیسا کہ پیغمبرؐ پہلے ہی پیشین گوئی فرما گئے تھے۔ نت نئی عجیب و غریب باتیں تراشی گئیں اور ابو ہریرہ اس معاملہ میں سب سے پیش پیش اور سب کے پیشوا تھے۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں سے فضائل میں بکثرت غلط و مہمل حدیثیں بیان کیں چند حدیثیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں:-

ابن عساکر، ابن عدی، محمد بن عائذ، محمد بن عبد سمرقندی، محمد بن مبارک صوری، خطیب بغدادی وغیرہ تمام محدثین نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:-

(۱) قال سمعت رسول اللہ یقول ان اللہ ائتمن علی وحیہ ثلاثا انا وجبریل ومعاویہ۔	ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سنا کہ خداوند عالم نے اپنی وحی پر تین فردوں کو امین بنایا ایک میں دوسرے جبریل تیسرے معاویہ۔

خطیب نے بسلسلہ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کی ہے

(۲) قال ناول النبی معاویۃ سہما فقال خذ ہذا السہم حتی تاتانی بہ فی الجنۃ۔	پیغمبرؐ نے معاویہ کو ایک تیر دیا اور کہا کہ اس تیر کو بہ احتیاط رکھنا یہاں تک کہ اس کے ساتھ تم مجھ سے جنت میں ملو۔

ابو العباس ولید بن احمد زوزنی نے اپنی کتاب شجرۃ العقل میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔

(۳) قال سمعت رسول اللہ یقول ان لابی بکر قبۃ من درۃ بیضاء [illegible] ابواب تخترقہا [illegible]	میں نے پیغمبرؐ کو کہتے سنا کہ ابو بکر کے لیے سپید موتیوں کا ایک گنبد ہوگا جس میں چار دروازے ہوں گے رحمت کے جھونکے اس میں چل رہے ہوں گے

ریاح الرحمة ظاهرها عفوالله وباطنها رضوان الله کلما اشتاق الی الله انفتح له مصراع ینظر منه الی الله عزوجل

جس کا ظاہر خدا کا عفو اور جس کا باطن خدا کی خوشنودی ہوگی ابو بکر جب خدا کے دید کے مشتاق ہوں گے ایک پٹ کھل جائے گا اور وہ اس پٹ سے خدا کا دیدار کریں گے۔

ابن حبان بسلسلہ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۴) قال لما قدم رسول الله من الغار یرید المدینة اخذ ابو بکر بغرزته فقال الا ابشرک یا ابا بکر؟ ان الله یتجلی للخلائق یوم القیامة عامة ویتجلی لک خاصة۔

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ غار سے برآمد ہوئے اور مدینہ کو روانہ ہوئے ابو بکر نے آپ کی نعلین کا تسمہ درست کیا اس پر آں حضرتؐ نے فرمایا ابو بکر میں تمھیں خوشخبری سناؤں خداوند عالم بروز قیامت خلائق کیلئے عمومی حیثیت سے ظاہر ہوگا اور تمھیں مخصوص طریقہ پر اپنا جلوہ دکھائے گا۔

انھیں ابن حبان نے بسلسلہ اسناد ابو ہریرہ سے یہ بھی روایت کی ہے۔

(۵) قال بینا جبرائیل مع النبی اذ مر بهما ابو بکر فقال جبرائیل هذا ابو بکر الصدیق قال رسول الله اتعرفه یا جبرئیل قال نعم انه فی السماء لاشهر منه فی الارض وان الملائکه لتسمیه حلیم قریش وانه

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جبرئیل پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ادھر سے ابو بکر گذرے، جبرئیل نے انھیں دیکھ کر کہا یہ ابو بکر صدیق ہیں، آں حضرتؐ نے پوچھا تم انھیں پہچانتے ہو جبریل نے کہا ہاں خوب پہچانتا ہوں، یہ زمین سے زیادہ آسمان پر مشہور ہیں اور ملائکہ انھیں حلیم قریش کے نام سے پکارتے ہیں

وزیرك فی حیاتك وخلیفتك بعد مماتك

اور آپ کے مرنے کے بعد آپ کے جانشین ہوں گے ۔

خطیب بسلسلۂ اسناد ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں ۔

(٦) قال قال رسول الله تباشرت الملائكة يوم ولد ابوبكر الصديق واطلع الله الى جنة عدن فقال وعزتي وجلالي لا ادخلها الا من احب هذا المولود ۔

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا جس دن ابوبکر پیدا ہوئے اس دن ملائکہ نے خوشیاں منائیں اور خداوند عالم نے جنت عدن کی طرف نظر کی اور ارشاد فرمایا قسم ہے اپنے عزت و جلال کی میں جنت میں بس اسی کو جانے دوں گا جو اس مولود (ابوبکر) کو دوست رکھے گا ۔

ابن عدی بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں :

(٧) قال سمعت رسول الله يقول عرج بي الى السماء فما مررت بسماء الا وجدت مكتوبا فيها محمد رسول الله وابوبكر الصديق [1]

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ شب معراج میں آسمان کی طرف لے جایا گیا میں کسی آسمان سے نہیں گذرا مگر ہر ایک میں نے یہ لکھا ہوا دیکھا محمد رسول اللہ ہیں اور ابوبکر صدیق ۔

ابوالفرج ابن جوزی بہ سلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں ۔

(٨) قال حدثني رسول الله بان الجنة والنار تفاخرتا فقالت النار للجنة انا اعظم

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ مجھ سے پیغمبر نے یہ حدیث ارشاد فرمائی کہ جنت و جہنم نے آپس میں فخر و مباہات کی جہنم نے جنت سے کہا

---

[1] تاریخ بغداد خطیب بغدادی جلد ٥ ص ٤٢٥

ابوہریرہ

منك قد ارالان في الف اعنة والجبابرة والملوك وابناءهم فاوحى الله الى الجنة ان قولى بل لي الفضل اذ زينني الله لابي بكر۔

میں تجھ سے بلند مرتبہ ہوں کیونکہ مجھ میں بڑے بڑے فرعون، جابر و سرکش انسان شاہان دنیا اور اُن کی اولاد ہیں اس پر خداوند عالم نے جنت پر وحی فرمائی کہ تو جواب دے کہ فضیلت مجھی کو حاصل ہے خداوند عالم نے مجھے ابوبکر کے لیے سنوارا ہے۔

خطیب بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے ناقل ہیں۔

(۹) قال خرج النبي متكئا على علي ابن ابي طالب فاستقبله ابوبكر وعمر فقال يا علي اتحب هذين الشيخين قال نعم قال احببهما تدخل الجنة۔

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ پیغمبر ایک مرتبہ علی ابن ابی طالب کا سہارا لیے برآمد ہوئے سامنے سے ابوبکر و عمر آگئے آپ نے فرمایا اے علی کیا تم ان دونوں بوڑھوں کو دوست رکھتے ہو؟ علی نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں انھیں ضرور دوست رکھنا تاکہ داخل جنت ہو۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور ابن شاہین نے اپنے سنن میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

(۱۰) قال سمعت رسول الله يقول ان في السماء الدنيا ثمانين الف ملك يستغفرون لمن احب ابابكر وعمر وفي السماء

میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے سنا کہ نچلے آسمان پر ۸۰ ہزار فرشتے ہیں جو دوستداران ابوبکر و عمر کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اس سے اوپر والے آسمان میں ۸۰ ہزار

يلعنون من ابغض ابابكر وعمر | جو ابوبکر و عمر سے بغض رکھتے ہیں ۔

یہ ساری حدیثیں باتفاق لغو و مہمل ہیں اور جملہ علماء و محدثین بیک زبان انھیں باطل قرار دیتے ہیں اور جن جن لوگوں نے ان حدیثوں کو ذکر کیا ہے انھوں نے ان کے باطل ہونے کی بھی صراحت کی ہے ۔ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب لئالی مصنوعہ میں ان تمام احادیث کو بسلسلہ اسناد و متون احادیث سمیت ذکر کیا ہے ، البتہ ان لوگوں نے ابوہریرہ کی یہ طرفداری کی ہے کہ ابوہریرہ کے سر سے الزام ہٹا کر ان راویوں کے سر ڈال دیا ہے جنھوں نے ان احادیث کو ابوہریرہ سے سنا اور ابوہریرہ سے روایت کی ، ابوہریرہ کو قصوروار قرار دیتے بھی کیونکر اس لیے کہ ان لوگوں کا تو عقیدہ ہے کہ جس نے بھی پیغمبر کی زیارت کر لی وہ عادل ہے اس سے قولاً و فعلاً کوئی غلطی سرزد ہو ہی نہیں سکتی لہذا ابوہریرہ تو غلط بیان کر نہیں سکتے غلط ان لوگوں نے بیان کیا جنھوں نے ابوہریرہ سے روایت کی ۔

اسی طرح جتنی حدیثیں ابوہریرہ سے اس قسم کی مہمل و لغو وارد ہوئی ہیں جن کے معنی و مطلب میں علمائے اہلسنت عاجز ہوئے اور کوئی بات بنائے اُن سے نہ بن سکی ان سب میں اسی قسم کی توجیہیں کی گئی ہیں ۔

مثلاً ابوہریرہ کی یہ حدیث :-

سمعت رسول الله يقول هذا جبرئيل يخبرني عن الله ما احب ابابكر وعمر الا مومن تقي ولا ابغضهما الا منافق شقي ۔[1]	میں نے پیغمبر خدا کو ارشاد فرماتے سُنا کہ یہ جبرئیل ہیں جو خداوند عالم کی جانب سے مجھے خبر دیتے ہیں کہ ابوبکر و عمر کو نیکوکار مومن ہی دوست رکھیں گے اور منافق و بدبخت ہی دشمن رکھیں گے ۔

کی حالت ہے جو باتفاق اہل علم غلط و باطل ہیں ۔

من نورہ وخلق ابا بکر من نوری ۔ وخلق عمر من نور ابی بکر و خلق امتی من نور عمر و عمر سراج اهل الجنة[1] ۔

اپنے نور سے خلق کیا اور ابوبکر کو میرے نور سے اور ابوبکر کے نور سے عمر کو پیدا کیا اور عمر کے نور سے میری ساری امت کو پیدا کیا اور عمر جنت والوں کے چراغ ہیں ۔

نیز سمعت رسول اللہ یقول ابو بکر و عمر خیر الاولین والاخرین[2] ۔

میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ عمر و ابوبکر اولین و آخرین سب میں بہتر ہیں ۔

نیز ان النبی کان یقول اصحابی کالنجوم من اقتدی بشئی منها اهتدی[3]

ارشاد فرمایا پیغمبر نے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس نے کسی بات میں بھی اُن کی پیروی کی اس نے ہدایت پائی ۔

نیز قال رسول اللہ انزل فی الانجیل نعتی ونعت اصحابی

پیغمبر نے فرمایا انجیل میں ہماری اور ہمارے اصحاب ابوبکر و عمر و عثمان و علی کی مدح میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسلسلہ حالات ابراہیم بن مالک انصاری اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کے غلط و باطل ہونے کی صراحت کی ہے ۔

[1] یہ حدیث بھی بالاتفاق باطل ہے علامہ ذہبی نے بسلسلہ حالات احمد سمرقندی اس حدیث کو درج کرکے اس کے باطل ہونے کی وضاحت کی ہے [2] یہ حدیث بھی بالاتفاق باطل ہے علامہ ذہبی نے جبرون بن واقد افریقی کے حالات میں اس حدیث کو نقل کرکے اس کے بطلان کی صراحت کی ہے [3] علامہ ذہبی نے جعفر بن عبدالواحد قاضی کے حالات میں میزان الاعتدال کے اندر اس حدیث کو نقل کرکے اس کو لغو و مہمل بتایا ہے ۔

ابی بکر و عمر و عثمان و علی کہا گیا ہے کزرع اخرج
کزرع اخرج شطاہ الایہ

اسی طرح کی بہت سی من گڑھت حدیثیں ابوہریرہ کی ہیں بے شمار ان گنت صحیح بخاری و مسلم تک میں اسی طرز و نوعیت کی بکثرت حدیثیں ہیں جسے آپ گیارھویں فصل میں ملاحظہ فرمائیں گے

۸

ابوہریرہ پر بنی امیہ کے احسانات

ابوہریرہ پر بنی امیہ کے احسانات کا اندازہ اس وقت بخوبی ہو سکتا ہے کہ جب ابوہریرہ کے ماضی و مستقبل دونوں کا ساتھ ساتھ جائزہ لیا جائے۔ بنی امیہ کی حکومت سے قبل اُن کی کیا حالت تھی اور حکومت کے زمانے میں کیا شان تھی۔ پہلے ذلیل و خوار، بدن پر چیتھڑے لگائے، کمبل میں جوئیں[۲] بھری ہوئیں۔ اور دور اموی میں عالم یہ کہ بلندیٔ منزلت انتہائی نقطۂ عروج پر، امویین نے اُنھیں زمین سے آسمان پر پہنچا دیا، گوشۂ گمنامی سے نکال کر بام شہرت پر لا بٹھایا۔ حریر و ریشم[۳] کی ردائیں،

---

[۱] علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسلسلۂ حالات محمد بن موسیٰ بن عطار دمیاطی اس حدیث کو درج کر کے لغو و مہمل قرار دیا ہے مگر جمہور اہلسنت نے ابوہریرہ کو بچاتے ہوئے راویوں کے سر الزام رکھ دیا ہے [۲] خود ابوہریرہ کی لفظیں ہیں فنزعت غرۃ علی ظہری فبسطتھا بینی و بینہ حتی کانی انظر الی القمل یدب علیھا، میں نے اپنی پیٹھ سے کمبل اُتارا اور اپنے اور رسول کے درمیان بچھا دیا جس پر جوئیں چل رہی تھیں (حلیۃ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۳۸۱)

[۳] علامہ ابن سعد نے ابوہریرہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ ریشم کا لباس پہنتے تھے۔

حریر و دیباج کے لباس پہنائے، رہنے کو محل دیے، اپنے انعام و اکرام سے مالا مال کیا نعمتوں کے ہار گردن میں پہنائے، خوب برد یاگنڈے کیے اور فضل و شرف کے ڈھنڈورے پیٹے اور مدینۂ نبوی[۵۳] کا حاکم مقرر کر دیا۔

سرہ بنت غزوان جو عتبہ[۵۴] ابن غزوان ایک امیر کبیر کی بہن تھیں جس کی برابری کا تصور بھی ابوہریرہ کے دماغ میں آنا ممکن نہ تھا جس کا خواب بھی ابوہریرہ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، پیٹ بھر کھانے کے عوض جس کی نوکری کرتے تھے اور ننگے پیر خدمت میں حاضر رہتے تھے بنی امیہ نے ان کی گورنری مدینہ کے زمانہ میں اسی سرہ سے ابوہریرہ کی تزویج کر دی۔

مضارب بن جزء[۵۵] بیان کرتا ہے کہ میں رات میں ایک مرتبہ گھوم رہا تھا کہ دفعتہً ایک شخص کے تکبیر بلند کرنے کی آواز کان میں آئی۔ میں آواز پر چلا دیکھا کہ ابوہریرہ ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا؟ یہ بے وقت تکبیر کیسی؟ ابوہریرہ نے کہا میں خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ میں پہلے سرہ بنت غزوان کا نوکر تھا پیٹ بھر کھانے کے عوض

---

[۵۱] امام بخاری نے صحیح بخاری جلد ۴ ص ۱۴۵ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ابوہریرہ کے پاس تھے اُن کے جسم پر کتان کے دو کپڑے تھے [۵۲] آخر عمر تک اسی قصر میں رہے اور اسی میں مرے جیسا کہ اصابہ، معارف، طبقات ابن سعد میں بسلسلہ حالات ابوہریرہ مذکور ہے [۵۳] مسند امام احمد جلد ۲ ص ۴۳۰ معارف ابن قتیبہ، شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۳۵۹

[۵۴] انھیں عتبہ کو حضرت عمر نے محاذ جنگ کا افسر مقرر کیا تھا اور انھوں نے بصرہ آباد کیا اور اس کے حاکم رہے، بہت سی لڑائیاں فتح کیں، مشہور صحابی اور نامور بہادر ہیں، خلافت عمر میں انتقال کیا، ابوہریرہ نے ان کے مرنے کے بہت دنوں بعد ان کی بہن سے عقد کیا: ابن حجر نے ۱۹ میں سرہ کا اصابہ قسم اول میں ذکر کیا ہے اور ابوہریرہ کا قصہ بھی لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ سرہ نے بعہد پیغمبر ابوہریرہ کو مزدوری پر نوکر رکھا تھا عہد معاویہ میں جبکہ مروان نے اپنی جگہ مدینہ کا حاکم انھیں بنایا تو انھوں نے سرہ سے

دن رات خدمت کیا کرتا تھا، سرہ اور اس کے گھر والے جب سفر میں جاتے تو میں پیدل ناقہ کی مہار تھامے چلتا اور جب وہ کہیں ٹھہرتے تو میں اُن کی خدمت بجا لاتا، اور اب میں نے اسے بیوی بنا لیا ہے، آج میں سوار ہو کر چلتا ہوں، جب ٹھہرتا ہوں تو سرہ میری خدمت کرتی ہے"۔ ابوہریرہ نے یہ بھی کہا کہ سرہ جب کسی جگہ قیام کرتی تو مجھے حکم دیتی کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہ چلوں گی جب تک تم گھی میں گوندھ کر ستو میرے لیے تیار نہ کرو اور اب میں جب کہیں ٹھہرتا ہوں تو وہی کام اس سے لیتا ہوں۔[1]

ابوہریرہ جبکہ وہ مدینہ کے حاکم تھے اکثر کہا کرتے، میں یتیم پلا، فقر و فاقہ کے عالم میں ہجرت کی، پہلے میں پیٹ بھر کھانے کے عوض سرہ بنت غزوان کی نوکری کرتا تھا، وہ اور اس کے گھر والے جب کہیں رہتے تو میں خدمت بجا لاتا اور جب کہیں سفر میں جاتے تو شتربانی کرتا، اب خدا نے سرہ کو میری بیوی بنا دیا، خدا کا شکر جس نے دین اسلام کی وجہ سے سب کو ایک دوسرے کے برابر کر دیا اور ابوہریرہ کو امام بنایا۔[2]

ایک مرتبہ کہا۔ میں نے دختر غزوان کی پیٹ بھر کھانے کے عوض نوکری کی وہ مجھے مجبور کرتی تھی کہ میں کھڑا سوار ہوا کروں اور ننگے پیر رہا کروں، اب جبکہ خدا نے میرے حبالہ زوجیت میں سرہ کو لا ڈالا ہے تو میں بھی انھیں باتوں پر اسے مجبور کرتا ہوں۔[3]

ایک دن ابوہریرہ نے نماز پڑھائی جب سلام سے فارغ ہوئے تو بلند آواز سے کہا الحمد للہ الذی جعل الدین قواما و جعل ابوہریرۃ اماما بعد ان کان اجیرا لابنۃ غزوان علی شبع بطنہ وحمولۃ رجلہ خدا کا شکر کہ اس نے دین کے ذریعہ سب کو برابر کیا اور ابوہریرہ کو امام بنایا

---

[1] اصابہ [2] طبقات ابن سعد ج ۴ قسم ۲ ص ۵۳ حالات ابوہریرہ [3] طبقات صفحہ سابق

بعد اس کے کہ وہ دختر غزوان کا نوکر تھا پیٹ بھر کھانے کے عوض جس کے پیروں میں جوتیاں تک نہ تھیں[1]۔

ایک مرتبہ حکومت مدینہ کے دنوں میں منبر رسول پر کھڑے ہو کر کہا خدا کا شکر جس نے مجھے غذا کھلائی۔ ریشمی لباس پہنایا۔ دختر غزوان سے مجھے بیاہا بعد اس کے کہ میں پیٹ بھر کھانے کے عوض اس کی نوکری کرتا تھا اس نے مجھ سے خوب خدمتیں لیں، اب میں بدلہ چکا رہا ہوں[2]

۹

ان احسانات پر ابوہریرہ کی شکر گذاری

بنو امیہ نے اپنے احسانات سے ابوہریرہ کو بندۂ بے دام بنا لیا، ان کے ہوش و حواس، عقل و خرد خرید لیے، گوش و چشم کے مالک ہو گئے، لہذا جب اور جیسی ضرورت اُن کی مقتضی ہوئی اسی کے مطابق ابوہریرہ کے لبِ زبان نے جنبش کی، اگر ضرورت اس کی پیش آئی کہ بنو امیہ کے فضائل بیان کیے جائیں تو نت نئی حدیثیں پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیں جیسا کہ آپ فصل پنجم و ہفتم میں بطور نمونہ چند حدیثیں ملاحظہ فرما چکے ہیں، اور اگر ضرورت پیش آئی کہ حضرت ابوبکر و عمر کی شان میں حدیثیں پیش کی جائیں تو ویسی حدیثیں سنا دیں کیونکہ معاویہ اور بنی امیہ کی سیاسی بازیگری اور شاطرانہ چالیں تو اُسی وقت کامیاب ہو سکتی تھیں ان کے خیال کے مطابق جبکہ ابوبکر و عمر کو علی سے افضل ثابت کر دکھایا جائے، اور اس کے لیے ابوہریرہ بے حد کارآمد ذریعہ تھے، انھوں نے ابوبکر و عمر کے فضائل میں

---

[1] حلیۃ الاولیا جلد ۱ صفحہ ۳۷۹ [2] حلیۃ الاولیہ جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ ۱۲

نادر سے نادر حدیثیں اختراع کیں جیسا کہ ہم نے چند حدیثیں ساتویں فصل میں درج کی ہیں، اور جو حدیثیں ہم نے ابھی نہیں بیان کیں ان میں مثالاً ایک تو وہ حدیث دیکھنے کے قابل ہے جس میں ابو ہریرہ نے بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے سورہ برات کی تبلیغ کے موقع پر ابوبکر کو علیؑ کا حاکم مقرر کیا تھا سنہ ۹ ہجری میں" دوسرے حضرت عمر کے متعلق ان کی وہ حدیث جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر وہ محدث تھے جن سے ملائکہ گفتگو کیا کرتے تھے[۱]

بنی ہاشم کو ستانے اور زچ کرنے کے لیے بنی امیہ کی جو پالیسی تھی اس کا تقاضا تھا کہ ان دونوں حدیثوں کو اچھی طرح پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا جائے اور اشاعت و اعلان میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے، اپنی طاقت وصلاحیت بھر وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے، ان دونوں حدیثوں کا کافی ڈھنڈورا بھی پیٹا گیا یہاں تک کہ صحاح ستہ تک میں یہ دونوں حدیثیں درج ہو گئیں، عنقریب آپ گیارھویں فصل میں اس پر ہمارا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

اور اگر کبھی اموی سیاست ضرور تند ہوئی تو انھوں نے فضائل امیر المومنینؑ کے توڑ میں حدیثیں ایجاد کیں مثلاً

سمعت رسول اللّٰہ یقول لم تحبس الشمس او ترد لاحد الا لیوشع بن نون لیالی سار الی بیت المقدس۔	میں نے پیغمبر خدا کو ارشاد فرماتے سنا کہ آفتاب نہ کسی کے لیے ٹھہرا نہ کسی کے لیے پلٹا سوا یوشع بن نون وصی جناب موسیٰ کے کہ جب وہ بیت المقدس کو جا رہے تھے تو صرف ان کے لیے وہ پلٹا۔

اور جیسے واقعہ دعوت عشیرہ کے متعلق انھوں نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ پر جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا

۱۔ تاریخ خطیب بغدادی جلد ۷ صفحہ ۳۵ اور جلد ۹ صفحہ ۹۹

یا معشر قریش الخ اس موقع پر اور جو کچھ ہوا اور پیغمبرؐ نے امیرالمومنینؑ کی وصایت وخلافت کے متعلق جو کچھ اعلان کیا وہ سب صاف اُڑا گئے ۔

اور جیسے ان کی حدیث قال لا یقتسم ورثتی ما ترکت میں جو کچھ اپنے بعد چھوڑوں گا وہ میرے ورثہ آپس میں تقسیم نہ کریں گے ۔

اور جیسے ان کی حدیث جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے ارشاد فرمایا کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کہیے مگر انھوں نے قریش کی وجہ سے نہیں کہا اس پر آیت نازل ہوئی انك لا تھدی من احببت اے رسول آپ جسے چاہتے ہیں اس کی ہدایت نہیں کر سکتے خدا ہی جس کی چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے ۔

اسی قسم کی بکثرت من گڑھت حدیثیں ہیں جو ابوہریرہ نے محض امیرالمومنینؑ اور اہلبیت پیغمبرؐ کی ایذا رسانی ، ستانے اور چڑھانے کے لیے لوگوں میں پھیلائیں ۔

امام ابوجعفرؒ اسکافی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے صحابہ اور تابعین کی ایک اچھی خاصی تعداد کو ہموار کر لیا تھا کہ وہ امیرالمومنینؑ کے متعلق رکیک و قبیح حدیثیں روایت کریں جن سے حضرت امیرالمومنین کی ذات داغدار ہو جائے اور لوگوں کو حضرت سے بیزاری ہو اور اس پر بڑے بڑے صلے اور گرانقدر انعامات و عطایا مقرر کیے تاکہ ہر شخص اس کی طمع میں ایسا ہی کرے چنانچہ بکثرت لوگوں نے معاویہ کی خواہشوں کے مطابق ایسی حدیثیں گڑھیں ، جن میں ابوہریرہ ، عمرو بن عاص ، مغیرہ بن شعبہ اور تابعین سے عروہ بن زبیر وغیرہ سب سے پیش پیش تھے ۔ یہی علامہ اسکافی لکھتے ہیں کہ جب ابوہریرہ معاویہ کے ہمراہ عراق آئے تو مسجد کوفہ میں پہنچے جب ان کی نظر اس ہجوم پر پڑی جو ان کے استقبال میں اکٹھا ہوا تھا تو وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اپنی کھوپڑی پر کئی مرتبہ

۱؎ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ا صفحہ ۳۵۸

دو ہنٹر مارے اور کہا اے عراق والو، کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ میں (جھوٹی حدیثیں بیان کر کے) خدا و رسول پر تہمت لگاتا ہوں اور اپنے کو جہنم میں جلاؤں گا، خدا کی قسم میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ان لکل نبی حرما وان المدینۃ حرمی فمن احدث فیھا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ہر نبی کی ایک محترم جگہ ہوتی ہے اور میری جائے محترم مدینہ ہے، جو شخص اس میں کوئی خرابی واقع کرے گا اس پر خدا و ملائکہ اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت ہو، اس کے بعد ابو ہریرہ نے کہا اور میں خدا کو شاہد قرار دے کر کہتا ہوں کہ علی نے اس مدینہ میں خرابی واقع کی [2]

جب معاویہ کو ابو ہریرہ کے اس کارنامہ کی خبر پہنچی تو اپنی داد و دہش، صلہ و انعام کی بارشیں ان پر کر ڈالیں اور مدینہ کی حکومت پر فائز کر دیا۔

اور کبھی ایسی حدیثیں گڑھ کر پیش کرتے جن میں بنی امیہ کے اُن منافقین کی حمایت و مدافعت ہوتی جن پر بارہا پیغمبرؐ نام لے لے کے لعنت، اور اُن کی ذلت و رسوائی پر مہر فرما چکے تھے تاکہ دین ان کے نفاق سے محفوظ اور اُمتِ اسلام اُن کی مفسدہ پردازیوں سے بے خطر رہے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۳۵۹ [2] سفیان ثوری نے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ جب معاویہ کے ساتھ کوفہ آئے، تو وہ ہر شام باب کندہ پر بیٹھا کرتے تھے لوگ بھی ان کے پاس آ کر بیٹھتے ایک دن ایک نوجوان کوفہ کا غالباً اصبغ بن نباتہ اُن کے پاس آ کر بیٹھا اور اس نے کہا اے ابو ہریرہ میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے پیغمبرؐ کو علیؑ کے متعلق یہ ارشاد فرماتے سنا ہے اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ خداوندا تو دوست رکھ اسے جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسے جو علی کو دشمن رکھے، ابو ہریرہ نے کہا ہاں، ضرور پیغمبرؐ کا یہ ارشاد ہے۔ اس پر اصبغ نے کہا تو میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تم نے علی کے دشمن کو دوست رکھا اور اُن کے دوست کو دشمن رکھا، یہ کہا اور اُٹھ کر چلے آئے ۱۲

مگر ابو ہریرہ، مروان، معاویہ اور ہوا خواہانِ معاویہ کی چاپلوسی میں حد سے گذر گئے، چنانچہ انھوں نے حدیث بیان کی:۔

سمعت رسول اللہ یقول اللھم انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر فایما مومن اُذیتہ اوسببتہ اوجلدتہ فاجعل ذالك کفارۃ لہ وقربۃ تقربہ بھا الیك یوم القیامۃ۔

میں نے پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سُنا کہ بارالہا محمد انسان ہے، جس طرح انسان کو غصہ آتا ہے محمد کو بھی آتا ہے لہذا جس مومن کو میں نے غصہ میں اذیت پہنچائی ہو یا گالی دی ہو یا سزا کی ہو اس مومن کے لیے میرے اس فعل کو کفارہ اور اپنی خوشنودی و تقرب کا ذریعہ قرار دے جس کے ذریعہ بروز قیامت تو اسے اپنے سے قریب کرے۔

مروان اور اولاد مروان نے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی کہ زیادہ سے زیادہ طریقوں سے یہ حدیث شایع ہو، بکثرت سندوں سے اس کی روایت کی جائے، اور ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصحاب صحاح ستہ اور جملہ ارباب سنن و مسانید نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

ابو ہریرہ کی منزلت بڑھانے، سب سے بڑا حافظ حدیث قرار دینے، حفظ و ضبط، زہد و ورع میں سب پر فوقیت دینے میں مروان و بنی مروان نے بڑی بڑی تدبیریں کیں جن کا اثر آج تک ظاہر ہو رہا ہے، چنانچہ منجملہ انھیں تدبیروں کے یہ ہے کہ مروان لوگوں سے بیان کیا کرتا کہ میں نے اپنے کاتب کو ایک مرتبہ ایک مخفی جگہ بٹھایا جہاں کوئی اسے دیکھ نہ سکے پھر ابو ہریرہ کو بلایا اور اُن سے بہت سے سوالات کیے اور ابو ہریرہ ہر سوال کے جواب میں پیغمبرؐ کی حدیث بیان کرتے گئے اور میرا کاتب جس کا نام زعزعۃ تھا ہر حدیث کو لکھتا جاتا تھا کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلا اور اس نے تمام حدیثیں نوٹ کر لیں۔ پھر میں نے ایک پورے سال کا وقفہ

دے کر پھر ایسا ہی کیا، ابو ہریرہ کو بلایا اور وہی سوالات دوبارہ اُن سے کیے اور ابو ہریرہ نے بعینہٖ وہی جوابات دیے جو وہ ایک سال قبل بیان کر چکے تھے نہ ایک حرف زیادہ کیا نہ کم۔

ابو ہریرہ کی عظمت وجلالت کے لیے مروان نے یہ ہوا باندھی اور اس سپید جھوٹ کو اس نے اور اس کے کاتب نے شام کے جاہلوں میں خوب شہرت دی اور اس تدبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہرت ہو بھی گئی یہاں تک کہ امام حاکم بھی مستدرک ج ۳ صفحہ ۵۱۰ میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ اس واقعہ کو درج کر گئے[1]۔

ایک اور زبردست چال مروان نے ابو ہریرہ کی عظمت و جلالت کا سکّہ بٹھانے کے لیے یہ چلی کہ جب امام حسنؑ کا انتقال ہوا اور بنی ہاشم آپ کا جنازہ دفن کرنے کے لیے قبر رسولؐ کے پاس لائے اور مروان اپنی جمعیت لے کر مزاحم ہوا تو اس نے ابو ہریرہ کو سکھایا کہ دیکھو جب میں اپنی جمعیت لے کر مزاحمت کے ارادے سے آؤں تو تم میرے مقابل آنا اور علانیہ مجھے بُرا بھلا کہنا۔ عوام الناس کو اس فریب میں مبتلا کرنے کے لیے کہ ابو ہریرہ بھی ابوبکر وعمر جیسے ہیں جو خدا و رسول کے معاملہ میں کسی سے دبنے والے نہیں نہ کسی قوت وسطوت سے مرعوب ہونے والے ہیں چنانچہ جب ابو ہریرہ مروان کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو مروان نے دکھاوے کے طور پر بیحد طیش دکھلایا اور دونوں کے درمیان خوب خوب مصنوعی دھینگا مشتی ہوئی اور ابو ہریرہ نے بڑے کلّے جبڑے کے ساتھ مروان کو قائل کرنا شروع کیا کہ میں ایسا اور میں ویسا، مجھے پیغمبرؐ سے وہ منزلت حاصل ہے[1] جو خاص خاص اصحاب کو بھی حاصل نہیں اور میں پیغمبرؐ کی حدیثوں کا ایسا حافظ ہوں کہ سابقین اولین عمر و عثمان علی طلحہ و زبیر وغیرہ بھی میری برابری نہیں کر سکتے۔ اسی طرح

---

[1] ابن سعد نے اس واقعہ کو لکھا ہے اور اس سے ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا عنقریب ہم اس پر تفصیلی

ابوہریرہ نے وہ تمام فضائل اپنے لیے بیان کیے جن سے انتہائی عظمت و جلالت اور قربت پیغمبرؐ کا اظہار ہوتا تھا اور اس بناوٹی جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مروان نے ابوہریرہ کی ساری لن ترانیاں تسلیم کرلیں، احادیث پیغمبرؐ میں اُن کے علم و مرتبہ کا اقرار کرکے سر جھکا لیا۔ چال یہ تھی کہ مروان کے سر جھکانے اور عظمت و جلالت ابوہریرہ مان لینے سے عوام یہ سمجھیں کہ واقعاً ابوہریرہ ہیں بھی ایسے ہی صاحب فضیلت بزرگ، اور اس طرح ان کی فضیلت کا مظاہرہ کرکے اُن کی من گڑھت حدیثوں کے ذریعہ علی و اولادِ علی کو خوب ذلیل و خوار کیا جائے۔

یہ چال بنی امیہ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے بڑی کارگر ثابت ہوئی "وائے ہو ان لوگوں پر جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کی کتاب ہے، تاکہ اس سے تھوڑے سے پیسے حاصل کریں، وائے ہو اُن کے لکھنے پر اور وائے ہو اُن کی اس ذلیل کمائی پر"

۱۰
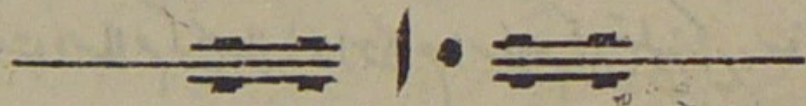
ابوہریرہ کی حدیثوں کی تعداد

جملہ محدثین کا اتفاق ہے (جیسا کہ بسلسلہ حالات ابی ہریرہ اصابہ وغیرہ[۱] میں مذکور ہے) کہ ابوہریرہ تمام صحابہ سے زیادہ حدیثوں والے ہیں، ماہرین علم حدیث نے اُن کی حدیثیں شمار کیں تو ان کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ تک جا پہنچی صرف صحیح بخاری میں اُن کی ۴۴۶ حدیثیں ہیں[۲]۔

خلفاء اربعہ سے جتنی حدیثیں مروی ہوئیں ہم نے اُن سب کو گِنا تو اُن

چاروں کی حدیثیں ابوہریرہ کی حدیثوں کی بہ نسبت ۲۷ فی صدی نکلیں۔ اس لیے کہ ابوبکر[۵۱] کی کل روایت کردہ حدیثیں ۱۴۲ عمر کی[۵۲] ۵۳۷ عثمان کی ۱۴۶[۵۳] اور حضرت علیؑ کی کل روایتیں[۵۴] ۵۸۶ ہیں سب کا مجموعہ ۱۴۱۱ حدیثیں ہوتا ہے اس ۱۴۱۱ حدیثوں کو ابوہریرہ کی ۵۳۷۴ کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو ۱۰۰ میں ۲۷ حدیثیں ان چاروں خلفاء کی ہوتی ہیں اور ۷۳ ابوہریرہ کی۔

اب ہر انصاف پسند اپنی عقل سے کام لے کر فیصلہ کرے کہ یہ ابوہریرہ سب سے آخر میں اسلام لانے والے اور اتنے بے نام و نشان، اُن کی اتنی حدیثیں ۵ ہزار سے بھی زیادہ اور خلفاء اربعہ جو سب سے پہلے اسلام لائے، پیغمبر سے جنھیں خصوصیت خاصہ حاصل تھی، شرعی احکام مرتب کرنے کے وقت جو پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر رہے اور ۲۵ برس تک خدمت دین کرتے رہے، ۱۲ برس خدمت پیغمبر میں رہ کر اور ۲۹ برس پیغمبرؐ کے بعد، جنھوں نے امت اسلام اور ساری امتوں کی سرداری کی، خدا نے جن کے لیے قیصر و کسریٰ کے ملک فتح کیے، شہروں کو آباد کیا، بستیاں بسائیں، دعوت اسلام کو پھیلایا، احکام اسلام کی تبلیغ کی، سنتوں کی اشاعت کی، جن سے فیوض و برکات کے چشمے جاری ہوئے، کیونکر ممکن ہے کہ ایک تن تنہا ابوہریرہ کی حدیثیں ان سب کی مجموعی حدیثوں سے کئی گنا زیادہ ہوں۔ خدا کے لیے ارباب عقل اس سوال کا جواب دیں۔

---

۵۱ تاریخ الخلفا علامہ سیوطی حالات ابوبکر۔ تہذیب علامہ نووی، ملل و نحل جلد ۴ ص ۱۳۷،
علامہ ذہبی نے تو صاف صاف یہ کہا ہے کہ حضرت ابوبکر کی ۲۰ حدیثیں بھی صحیح طور پر نہیں ملتیں
۵۲ تاریخ الخلفا علامہ سیوطی ابتدائے حالات حضرت عمر، ملل و نحل جلد ۴ ص ۱۳۸ اسی میں
یہ بھی ہے کہ حضرت عمر کی صرف ۵۰ حدیثیں درجہ صحت تک پہنچتی ہیں ۵۳ تاریخ الخلفا حالات عثمان
۵۴ تاریخ الخلفا حالات حضرت امیر المومنینؑ و ملل و نحل جلد ۴ ص ۱۳۷

ان خلفاء اربعہ سے ابوہریرہ کو تو کوئی نسبت تھی ہی نہیں ۔ کہاں وہ کہاں یا
جناب عائشہ جیسے بھی نہیں تھے (اگرچہ عائشہ سے بھی بے شمار حدیثیں مروی ہیں)
کیونکہ پیغمبرؐ نے ابوہریرہ کے اسلام لانے کے دس برس[1] قبل عائشہ سے شادی
کی تھی، وہ ۱۴ برس تک پیغمبرؐ کے گھر میں رہیں اور ابوہریرہ سے تھوڑے ہی
دن[2] پہلے انتقال کیا ۔ ظاہر ہے کہ ایک معمولی صحابی کی صحبت اور سمجھ دار بیوی کی
صحبت اور سمجھ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے ۔ صحبت کا فرق تو ظاہر ہے
بیوی بیوی ہے اور صحابی صحابی، رہ گیا سمجھ کا فرق تو عائشہ کا فہم (بقول
علمائے اہلسنت) اُن کی سماعت کا مقابلہ کرتا تھا، یعنی ادھر کان میں لفظیں
پہنچیں ادھر مطلب ذہن نشین ہوگیا ، اور اُن کا دل اُن کے کان پر سبقت لے جاتا
تھا، اُن کے دل سے بڑھ کر کسی کا دل لبریز نہ تھا، نہ جلد نتیجہ اخذ کرنے میں اُن پر
کوئی فوقیت رکھتا تھا، جب بھی کوئی بات ہوتی فوراً اس کے متعلق شعر
پڑھ دیتیں، عروہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فقہ ، طب ،
شعر میں عائشہ سے بڑھ کر عالم ہو، مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے
بوڑھے صحابیوں کو دیکھا کہ میراث کے مسائل عائشہ سے پوچھا کرتے ۔

---

[1] علامہ ابن عبدالبر استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں بسلسلہ حالات عائشہ لکھتے ہیں کہ
آں حضرتؐ نے عائشہ سے عقد بعثت کے دسویں سال اور ہجرت مدینہ سے تین برس پہلے
فرمایا تھا اور ہجرت کے ۱۸ مہینے کے بعد مدینہ میں زفاف واقع ہوا اس بنا پر جناب عائشہ کی
شادی ابوہریرہ کے اسلام لانے کے دس برس پہلے ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ تو طے شدہ ہے کہ
ابوہریرہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے [2] ابوہریرہ کے مرنے سے تھوڑے ہی دن پہلے ، ۱۷ رمضان ۵۷ھ
یا ۵۸ھ میں عائشہ کا انتقال ہوا ، ابوہریرہ ہی نے ولید بن عتبہ بن سفیان حاکم مدینہ کے

علاوہ بریں عائشہ ضرورتمند بھی تھیں کہ اپنی حدیثوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں کیونکہ اُن کے نمائندے شہر شہر میں پھیلے ہوئے تھے اور ایک بہت بڑی فوج کی کمانڈ کرتی ہوئی بصرہ تک بھی گئی تھیں مگران سب کے باوجود اگر ان کی روایت کردہ حدیثوں کو گنا جائے تو ابو ہریرہ کی حدیثوں کی آدھی بھی نہونگی[1] اور اگر جناب عائشہ کی حدیثوں کے ساتھ جناب ام سلمہ زوج پیغمبرؐ کی حدیثوں کو بھی جوڑ لیا جائے جو واقعۂ کربلا کے بعد تک زندہ رہیں جنھیں پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کرنے کا بہت زیادہ موقع ملا اور عائشہ وام سلمہ کے ساتھ دیگر تمام ازواج پیغمبرؐ کی حدیثوں کو بھی ملا لیا جائے، امام حسن و امام حسین کی حدیثوں کو بھی جوڑ لیا جائے اور خلفاء اربعہ کی حدیثوں کو بھی شامل کر لیا جائے تب بھی ان سب کی تمام حدیثیں ایک ابو ہریرہ کی حدیثوں سے کم تر ہی ہوں گی۔

اسی پر بس نہیں مزا یہ ہے کہ ابو ہریرہ اس کے بھی مدعی تھے کہ پیغمبرؐ نے ان سے ایسی بھی حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں جو وہ کسی سے بیان نہیں کر سکتے، کوئی شخص اس حدیثوں کو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ سینہ و دل میں محفوظ ہیں (ابو ہریرہ جیسے محفوظ سینے اور گہرے دل والے تھے وہ آپ جانتے ہی ہوں گے) اسی وجہ سے ابو ہریرہ کہا کرتے کہ

"حفظت عن رسول اللہ وعائین فاما احدھما	میں نے دو ظرفوں میں پیغمبر کی حدیثیں محفوظ کیں، ایک ظرف کی حدیثیں تو میں نے لوگوں پر

---

[1] فصل ابن حزم ظاہری جلد ۴ ص ۱۳۸ - جناب عائشہ کے متعلق یہ جو کسی کا شعر ہے ؎

حفظت اربعین الف حدیث ومن الذکر ایۃ تنساھا

حدیثیں تو آپ نے ۴۰ ہزار یاد کر لیں اور کلام مجید کی آیت یاد نہ رہی۔ تو اس شعر میں [illegible] ہزار حدیثیں مراد نہیں بلکہ یہ کنایہ ہے اس سے کہ انھیں حدیثیں بہت یاد تھیں۔

فبثثته و اما الآخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم[1] | ظاہر کیں مگر دوسرے کو چھوا نہیں اس کو ظاہر کردوں تو یہ میرا گلا کٹ جائے"

کبھی کہا " اگر میں تمام وہ باتیں بیان کردوں جو میں جانتا ہوں تو لوگ مجھے بڑی سمجھیں کہنے لگیں کہ ابوہریرہ دیوانہ ہے "

کبھی کہا " جو کچھ میرے سینے میں ہے وہ سب اگر میں تم سے بیان کردوں تو تم لوگ مجھ پر مینگنیاں پھینکنے لگو "۔

کبھی کہا " لوگ کہتے ہیں ابوہریرہ نے بہت حدیثیں روایت کیں خدا کی قسم میں اگر وہ تمام باتیں بیان کروں جو میں نے پیغمبرؐ سے سن رکھی ہیں تو تم لوگ مجھ پر گو اچھالنے لگو[2] "

کبھی کہا " میں نے پیغمبرؐ سے کچھ ایسی حدیثیں بھی سن کر یاد رکھی ہیں جو میں نے تم سے بیان نہیں کیں اگر ایک حدیث بھی اس میں کی تم سے بیان کروں تو تم لوگ مجھے پتھر مارنے[3] لگو

کبھی کہا " میں نے پیغمبرؐ سے پانچ ظرف حدیثیں محفوظ کر رکھی ہیں جن میں سے دو ظرف میں منظر عام پر لایا اگر تیسرا ظرف میں تمہارے سامنے لاؤں تو تم مجھے پتھر سے مارو[4] "

میں عرض کرتا ہوں کہ ابوہریرہ پیغمبرؐ کے ولی عہد نہ تھے آپ کے خلیفہ و جانشین نہ تھے کہ پیغمبر انھیں اپنے رموز و اسرار خصوصیت سے بتاتے اور وہ

---

[1] صحیح بخاری ج اول ص ۲۴ کتاب العلم [2] یہ تینوں حدیثیں جس میں بڑی سمجھنے، مینگنیاں پھینکنے، گو اچھالنے کا ذکر ہے طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم ۲ حالات ابوہریرہ میں موجود ہیں [3] مستدرک ج ۳ ص ۵۰۹ تلخیص مستدرک علامہ ذہبی [4] حلیۃ الاولیاء ص ۳۸۱ حالات ابوہریرہ

علوم تعلیم کرے جو آپ نے خاص سے خاص صحابی کو بھی آپ نے تعلیم نہیں فرمائے اور اگر آپ نے اُن سے مخفی طور پر اور لوگوں سے چھپا کر حدیثیں ارشاد فرمائی بھی تو فائدہ کیا ہوا جب کہ ابوہریرہ ایسے ذلیل و کمزور تھے کہ کوئی مخفی حدیث زبان پر لانے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اگر زبان پر لاتے تو پتھر سے سنگسار کیے جاتے، مینگنیاں ان پر پھینکی جاتیں، گو اُچھالے جاتے اور حلق کاٹ لیا جاتا۔

آں حضرتؐ نے وہ رموز و اسرار، وہ مخفی علوم اپنے اُن خلفاء کو کیوں نہیں تعلیم فرمائے جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوے، جو بڑے غازی و فاتح تھے جن کے لیے تمام قوموں کے سر خم ہوے اور اُن کی لبِ زبان کی جنبشوں کے آگے عرب و عجم کی گردنیں جُھک گئیں اور لوگوں کو جہاں چاہا ایک لاٹھی سے ہانک کر لے گئے۔

ابوہریرہ جس امر کے دعویدار ہیں اُن سے زیادہ تو وہ خلفاء لائق و سزاوار تھے کیونکہ پیغمبرؐ اگر ان خلفاء کو رموز و اسرار تعلیم فرمائے ہوتے تو آفتاب کی کرنوں کی طرح عالم میں وہ پھیلتے۔

رسولؐ کی ذات پاک و پاکیزہ ہے اس سے کہ آپ مہمل کام کریں اور رموز و اسرار ایسی جگہ ودیعت فرمائیں جہاں وہ بے کار و مہمل رہیں کوئی اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

اور ابوہریرہ آخر تھے کون ؟ کہ سابقین اوّلین کو نظر انداز کر کے انھیں اس عزت سے مخصوص طور پر سرفراز کیا جاتا۔

علاوہ اس کے اکثر ابوہریرہ یہ بھی کہا کرتے ان ابا هريرة لا يكتم ولا يكتب[1] ابوہریرہ نہ تو کوئی بات چھپاتا ہے نہ کوئی بات لکھتا ہے۔ جب ا

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ قسم ۲ صہ ۱۱۹

کوئی بات چھپائے نہ سکے تو پھر یہ اُن کا کہنا کیونکر صحیح ہے کہ میں نے پیغمبرؐ سے
دو ظرف حدیثیں حاصل کیں، ایک ظرف کی حدیثیں تو میں نے لوگوں میں شایع
کیں اور دوسرے کو چھوا تک نہیں اس کو ظاہر کرتا تو میرا حلق کٹ جاتا، ان دونوں
اقوال میں باہمی کوئی ربط ہے ؟

ہر سمجھ دار پوچھ سکتا ہے کہ آخر وہ کون سے رموز و اسرار تھے جو پیغمبرؐ نے
خصوصیت سے ابو ہریرہ کو تعلیم فرمائے جن کو وہ اپنی جان کے خوف سے پوشیدہ
رکھتے تھے یا اپنی عزت و آبرو کے ڈر سے چھپائے رہتے تھے۔

کیا وہ رموز و اسرار ویسے ہی رموز و اسرار تھے جو پیغمبرؐ نے اپنے ولی و
وصی امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو تعلیم فرمائے تھے، ایسی باتیں جو خلافت
کے بارے میں تھیں اور آپ کے بعد کے خلفا سے تعلق رکھتی تھیں یا کسی اور قسم
کی تھیں ؟ اگر وہ پہلے قسم کی تھیں تو ابو ہریرہ اُن سے روگردان کیوں تھے ان
رموز و اسرار کے مفہوم و مراد سے برگشتہ کیوں تھے کہ وہ علیؑ کے خلاف ان کے
مخالفین کے ہمنوا تھے ہر بات میں دشمنان علیؑ ہی کے طرفدار رہے، اور اگر وہ
رموز و اسرار دوسرے قسم کے تھے تو ان کے ظاہر کرنے میں انھیں کوئی خوف نہ ہونا
چاہیئے تھا، رکیک سے رکیک، اہمل سے اہمل بات بھی بیان کرتے تو اُن سے
کوئی پوچھنے والا نہ تھا، کسی کے اعتراض کا قطعی اندیشہ نہ تھا اس لیے کہ کیا
انھوں نے یہ حدیث نہیں بیان کی ؟ کہ پیغمبرؐ ایک دن صبح کی نماز کے وقت سوتے
رہے اور آپ نماز پڑھ رہے تھے تو شیطان آپ کے درپے تھا کہ کسی طرح آپ
نماز توڑ ڈالیں کیا انھوں نے یہ حدیث نہیں بیان کی کہ پیغمبرؐ نے نماز میں سہو فرمایا
اور چو رکعتی نماز دو رکعتی کر کے پڑھ ڈالی اس پر پیغمبرؐ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ بھول گئے یا نماز قصر

اذیت پہنچاتے، گالیاں دیتے، لعن فرماتے اور بے قصور کو سزا دیتے تھے؟

کیا انھوں نے انبیا پر ایسے افعال کی تہمت نہیں باندھی جو اُنکے لیے نہ شرعًا جائز تھے نہ عقلًا، یہانتک کہ انھوں نے پیغمبرؐ سے روایت کی کہ آں حضرتؐ نے فرمایا نحن احق بالشك من ابراهيم ہم ابراہیم سے زیادہ شک کرنے کے حقدار ہیں، اور جناب لوط کے متعلق ایسی باتیں روایت کیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خدا پر بہت کمزور اعتقاد رکھتے تھے۔ کیا انھوں نے جناب آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کی طرف ایسی باتیں نہیں منسوب کیں جن سے ان کا منزہ ہونا واجب تھا؟

کیا انھوں نے کلیم خدا نجی اللہ جناب موسیٰ کی طرف یہ بات نہیں منسوب کی کہ انھوں نے ملک الموت کو ایسا تھپڑ مارا کہ ان کی ایک آنکھ پھوٹ گئی اور آپ ایک مرتبہ پتھر کے پیچھے برہنہ دوڑے اور بنی اسرائیل نے آپ کی شرم گاہ دیکھ لی۔ کیا انھوں نے جناب سلیمان بن داؤد کے متعلق یہ نہیں بیان کیا کہ انھوں نے باپ کے حکم کو توڑا نیز انھوں نے اپنے معاملات کو مشیت الٰہی پر معلق رکھنے سے گریز کیا اس کے نتیجے میں ان کے معاملے درہم برہم ہو گئے۔

کیا انھوں نے خداوند عالم کے متعلق ایسی باتیں نہیں بیان کیں جو خدا کے لیے نہ تو شرعًا جائز ہیں نہ عقلًا جیسے اُن کا یہ قول لا تمتلی جهنم حتی یضع الله رجله فيها جہنم اس وقت تک نہیں بھرے گا جب تک خدا اس میں اپنا پیر نہ ڈال دے، یا محشر والوں کے متعلق ان کا یہ قول فيأتيهم الله في غير الصورة التي يعرفون فيقول انا ربكم فيقولون نعوذ بالله منك ثم يأتيهم في الصورة التي يعرفون فيقولون انت ربنا، خداوند عالم محشر والوں کے سامنے بھیس بدل کر آئے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ اس پر اہل محشر کہیں گے کہ ہم تم سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، پھر وہ اپنی پہلی صورت میں آئے گا جس میں محشر والے اسے پہچانتے ہوں گے تو

اب اہل محشر نہیں ہے کہ تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔

یا جیسے ابو ہریرہ کا یہ قول خلق اللہ آدم علی صورۃ الرحمان، خلق اللہ آدم علی صورتہ، طولہ ستون ذراعا فی سبعۃ اذرع عرضا خداوند عالم نے آدم کو رحمان کی صورت پر خلق فرمایا۔ خداوند عالم نے آدمی کو اپنی صورت پر ۶۰ ہاتھ لمبا اور سات ہاتھ چوڑا پیدا کیا۔

اسی قبیل کی ان کی بے شمار حدیثیں ہیں جن پر اُن کا حلق کٹ سکتا تھا، مگر اس قسم کی حدیثیں انھوں نے پوری دلجمعی اور انتہائی اطمینان سے لوگوں سے بیان کیں بلکہ امت اسلام پر احسان دھرتے ہوئے بیان کیں، انتہائی جہل و خرافات باتیں بصورت حدیث لوگوں سے روایت کیں مگر نہ پتھر مارے گئے نہ ینگنیاں ان پر پھینکی گئیں جیسا کہ ہر وہ شخص جانتا ہے جو ابو ہریرہ کے حالات سے واقفیت رکھتا ہے۔ تو پھر آخر کس وجہ سے انھوں نے وہ دوسرے ظرف والی حدیثیں، وہ مخصوص رموز و اسرار لوگوں سے نہیں بیان کیے۔

ایک اور امر جس کی طرف ہم ہر بافہم کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ابو ہریرہ کہا کرتے تھے[1] کہ اصحاب پیغمبرؐ میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ حدیثوں والا نہیں سوا عبداللہ بن عمرو عاص کے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

ابو ہریرہ کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ عبداللہ ان سے زیادہ احادیث پیغمبرؐ کے حامل تھے۔ اور ہم نے عبداللہ بن عمرو عاص کی حدیثوں کو گنا تو وہ صرف سات سو نکلیں[2]۔ تو کہاں سات سو اور کہاں پانچ ہزار سے زیادہ حدیثیں، ایک اور آٹھ کی دونوں میں نسبت ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص۲۲ باب کتابۃ العلم [2] ص۵ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری علامہ

ابوہریرہ کی اس لغزش پر علمائے اہلسنت کے بنائے کچھ نہ بن سکی، البتہ ابن حجر عسقلانی اور شیخ زکریا انصاری جب ابوہریرہ کی اس حدیث پر پہنچے تو انھوں نے اپنی شرحوں[1] میں ابوہریرہ کی طرف سے یہ بات بنائی کہ عبداللہ بن عمرو عاص مصر میں سکونت رکھتے تھے وہاں لوگ اُن کے پاس کم آتے جاتے تھے اس وجہ سے انھیں کم حدیثیں بیان کرنے کا موقع ملا، بخلاف ابوہریرہ کے کہ وہ مدینہ میں رہے اور وہاں اطراف و اکناف عالم کے مسلمان آیا جایا کرتے ہیں اس وجہ سے انھیں زیادہ حدیثیں بیان کرنے کا موقع ملا۔

مگر غور کیا جائے تو ابوہریرہ کے ظاہری الفاظ قطعی طور پر اس عذر و معذرت کو خود ہی غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اصحاب پیغمبر میں مجھ سے زیادہ حدیثوں والا کوئی نہ تھا سوا عبداللہ بن عمر کے" اس کا مطلب یہ ہوا (جیسا کہ ارشاد ساری اور تحفۃ الباری میں صراحت بھی ہے) کہ اصحاب میں سے کسی کی حدیثیں ابوہریرہ کی حدیثوں سے زیادہ نہ تھیں سوا عبداللہ بن عمرو عاص کے کہ اُن سے زیادہ حدیثیں حاصل ہوئیں، اور جب خود ابوہریرہ معترف ہیں کہ عبداللہ بن عمرو عاص سے جو حدیثیں حاصل ہوئیں وہ زیادہ تھیں اُن کی حدیثوں سے تو اب عذر و تاویل کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے۔

علاوہ اس کے عبداللہ بن عمرو عاص کے مصر میں رہنے کی وجہ سے اور زیادہ ضروری تھا کہ وہ کثرت سے لوگوں سے حدیثیں بیان کریں، کیونکہ وہاں اُن کی بڑی منزلت تھی، بڑی گراں قدر شخصیت اُن کی مصر میں تھی، اُن کے علاوہ اور کوئی صحابی پیغمبر وہاں تھا ہی نہیں جسے مصر والے بھی جانتے ہوں سوا دو ایک[2]

---

[1] ارشاد الساری قسطلانی اور تحفۃ الباری زکریا انصاری ایک ہی ساتھ ۱۲ جلدوں میں چھپی ہیں حاشیہ پر یہ دونوں ہیں اور متن میں صحیح مسلم اور اس کی شرح نووی کی ہے۔

فردوں سے یا کسی آئے جانے ہوئے صحابی سے ، اس وجہ سے عبداللہ کو وہاں مذہبی
حیثیت سے پوری پوری مرجعیت حاصل تھی ، قرآن وحدیث کے علوم میں انھیں
کی طرف رجوع کیا جاتا تھا ، ظاہر ہے کہ عبداللہ کی جو حیثیت مصر میں تھی اور
ابوہریرہ کی جو حیثیت ، مدینہ میں دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے ۔ وہاں
اندھوں میں کانا راجہ صرف ایک عبداللہ تھے جو سبھی کے پیر ومرشد ، اس کے
علاوہ فاتح وگورنر مصر عمرو عاص کے چشم وچراغ اور ابوہریرہ کے جیسے مدینہ میں
ہزاروں تھے ، مدینہ میں جو لوگ باہر سے آتے وہ اس زمانے کے مشاہیر صحابہ کی
خدمت میں آتے ۔ ابوہریرہ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا کیونکہ یہ مشاہیر صحابہ سے
تھے بھی نہیں ۔ علاوہ اس کے یہ متہم بھی تھے اکثر لوگ ان کے متعلق یہ یقین رکھتے
تھے کہ یہ من گڑھت حدیثیں بیان کیا کرتے ہیں ۔ لوگ اس افراط سے پیغمبرؐ کی طرف
نسبت دے کر حدیثیں بیان کرنے پر انھیں بُرا بھلا بھی کہتے تھے چنانچہ لوگ کہا کرتے
"ابوہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں" یہ بھی کہا کرتے کہ یہ مہاجرین وانصار
ابوہریرہ جیسی حدیثیں نہیں بیان کرتے ہیں[1]

تو مدینہ میں اُن کی جو حیثیت تھی وہ ظاہر ہے اور عام طور پر اُن کے متعلق
لوگوں کے جو رجحانات تھے وہ معلوم ، لہٰذا چاہیے تو یہ تھا کہ خود ابوہریرہ لوگوں سے
کم حدیثیں بیان کرتے مگر انتہائی حیرت وتعجب کی بات ہے کہ باوجود ابوہریرہ کے
اس اقرار کے اور باوجود اس کے کہ عبداللہ بن عمرو ابوہریرہ سے زیادہ دن جیے
ابوہریرہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مرے اور عبداللہ بن عمرو ۶۵ھ میں مرے

---

[1] ابوہریرہ ان لوگوں سے بہت دل تنگ ہوا کرتے اور خدا سے ان کی شکایت کیا کرتے
جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری ج ۲ میں اس کے متعلق حدیث درج کی ہے ۔

[illegible]

اصل قصہ یہ ہے کہ ابوہریرہ نے عبداللہ بن عمرو کے متعلق یہ اعتراف جو کیا تھا وہ شروع شروع زمانہ میں، پیغمبرؐ کے انتقال کے فوراً بعد اعتراف کیا تھا جبکہ ابوہریرہ نے اختراع و افتراء کی حرکتیں شروع نہ کی تھیں، ان کی من گڑھت حدیثوں کی کثرت تو اس وقت ہوئی جبکہ معاویہ شاہی تھی، ابوبکر بھی نہ تھے عمر نہ تھے عثمان نہ تھے نہ علیؑ نہ دیگر اکابر صحابہ جن سے ابوہریرہ کو کسی قسم کا خوف ہوتا، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں اور آگے بھی چل کر انشاءاللہ وضاحت کریں گے۔

۱۱
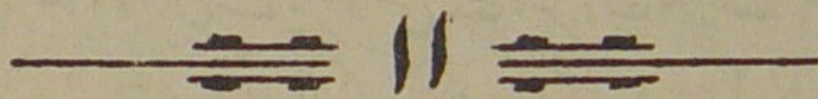
کیفیت حدیث ابوہریرہ

ابوہریرہ نے کچھ ایسے انوکھے انداز اور نرالے ڈھنگ کی حدیثیں بیان کی ہیں کہ فن حدیث کا صحیح ذوق رکھنے والے اُن کی بیشتر احادیث سُن کر کان پر ہاتھ دھرنے لگیں۔ بہتیری حدیثیں اُن کی آپ کو ایسی ملیں گی جنھیں نہ عقل صحیح تسلیم کر سکتی ہے نہ نقل سے تائید ممکن ہے ہم نمونۃً ۴۰ حدیثیں اُن کی یہاں

---

[1] اس لیے کہ ابوہریرہ کا انتقال ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں ہوا جیسا کہ اصابہ میں مذکور ہے۔ اور اسی اصابہ میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص ۶۵ھ میں مرے بعض کہتے ہیں ۶۸ھ یا ۶۹ھ میں مرے۔ علامہ قیسرانی کی کتاب رجال الصحیحین میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ۹۲ھ میں مرے۔

نقل کرتے ہیں پڑھیے اور سر دھنیے :-

(۱) خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا

بخاری و مسلم دونوں[1] نے بطریق عبدالرزاق معمر سے انھوں نے ہمام بن منبہ سے روایت کی ہے، ہمام بن منبہ ناقل ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جسے ہم سے ابوہریرہ نے بیان کیا۔

خلق اللہ آدم علی صورته طوله ستون ذراعا ارشاد فرمایا پیغمبرؐ نے کہ خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اُن کا طول ۶۰ ہاتھ تھا۔

امام احمد نے بطریق سعید بن مسیب ابوہریرہ سے مزید[2] یہ جملہ بھی نقل کیا ہے فی سبعة اذرع عرضا یعنی ۶۰ گز تو لمبے تھے اور سات گز چوڑے۔

قال: فلما خلقه قال، اذهب فسلم علی اولئك النفر من الملائكة جلوس فاستمع ما یحیونك فانها تحیتك و تحیة ذریتك قال، فذهب فقال السلام علیكم. فقالوا السلام علیك ورحمة الله قال فزادوه ورحمة الله	پس جب خداوند عالم آدم کو پیدا کر چکا تو اُن سے ارشاد فرمایا جاؤ اور جاکر ملائکہ کی اس جماعت کو سلام کرو جو بیٹھے ہوئے ہیں اور سنو کہ وہ تمھیں کیونکر سلام کرتے ہیں، وہی تمھارا سلام ہے اور تمھاری ذریت کا، چنانچہ آدم گئے اور ملائکہ سے کہا السلام علیکم اس پر ملائکہ نے جواب دیا السلام علیکم ورحمة اللہ، ملائکہ نے رحمة اللہ زیادہ کرکے کہا۔ پس جو شخص جنت میں

[1] صحیح بخاری ج ۴ کتاب الاستئذان کی پہلی حدیث، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۱ باب یدخل الجنة اقوام افئدتهم مثل افئدة الطیر کتاب الجنة وصفة نعیمها، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ [2] ارشاد الساری ج ۷ صفحہ ۹۰

فكل من يدخل الجنة على صورة آدم وطوله ستون ذراعا، فلم يزل الخلق ينقص بعده حتى الآن -

جائے گا وہ آدم کی صورت پر ہوگا اور ۶۰ ہاتھ لمبا۔ جناب آدم کے بعد آنے والی نسلیں قد میں کم ہوتی گئیں یہاں تک کہ آج کے دن تک کمی کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ ہے ابوہریرہ کی ایک حدیث اس میں جو کچھ مہملات ہیں وہ نہ تو پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰؐ کی زبان سے ادا ہونا ممکن ہیں نہ کسی اور نبی سے اور نہ کسی وصی پیغمبر ہی کی لب و زبان سے ایسی رکیک بات نکلنی تصور کی جا سکتی ہے، غالباً ابوہریرہ نے اس مضمون کو یہودیوں[1] سے اُڑایا ہے، اپنے دوست کعب الاحبار وغیرہ کے ذریعہ جو سابقاً یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے، کیونکہ اس حدیث کا مضمون بعینہ وہی ہے جو یہودیوں کی کتاب عہد قدیم کے ایک باب کے ستائیسویں فقرہ کا مضمون ہے ہم عہد قدیم کی اصل لفظیں ذکر کیے دیتے ہیں۔ خلق اللہ الانسان علی صورتہ علی صورۃ اللہ خلقہ ذکرا و انثی خلقھم الخ پس خداوند عالم نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا، انھیں مرد اور عورت پیدا کیا اور مرد و عورت دونوں کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔

خدا اور شکل و صورت !! معاذ اللہ! خداوند عزوجل ہر شکل و صورت کیفیت و شباہت سے پاک و پاکیزہ ہے۔

---

[1] ابوہریرہ بہتیری حدیثوں میں یہودیوں کے خوشہ چیں ہیں اُن کے یہاں کی باتوں کو انھوں نے پیغمبر کی حدیث بنا کر ذکر کیا ہے چنانچہ ان کی ایک حدیث یہ بھی ہے ان سیحان وجیحان والفرات ونیل مصر کلھا من الجنۃ سیحون و جیحون فرات و رود نیل سب کی سب جنت کی ہیں۔ اس حدیث کو خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۲۳۵ پر درج کیا ہے یہ حدیث بھی ابوہریرہ نے یہودیوں کی کتاب "عہد قدیم" سے اخذ کرکے بنائی ہے۔

وہ یہ کہ صورتہ کی ضمیر خداوند عالم کی طرف نہیں بلکہ آدم کی طرف راجع ہے
یعنی خداوند عالم نے آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جناب آدم
جس شکل و صورت میں زمین پر اتارے گئے اسی صورت پر وہ جنت میں پیدا بھی ہوئے
خداوند عالم نے جب آدم کو خلق فرمایا تو مکمل قد و قامت اور ساٹھ ہاتھ لمبا سات ہاتھ
چوڑا پیدا کیا۔ یہ نہیں کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی نسل سے جو پیدا ہوا وہ
پہلے نطفہ کی شکل میں رہا پھر علقہ بنا پھر مضغہ ہوا پھر گوشت و پوست والا پھر جنین
پھر شیر خوار پھر نوجوان پھر جوان اور رفتہ رفتہ ۶۰ ہاتھ کا لمبا اور سات ہاتھ کا چوڑا
ہوا۔ اسی طرح انھیں منازل سے جناب آدم بھی گذرے ہوں۔ بلکہ خداوند عالم
نے جیسا پیدا کیا ویسا ہی زمین پر اُتارا۔ زمین پر جب آپ اُترے تو ۶۰ ہاتھ
لمبے اور سات ہاتھ چوڑے تھے لہذا جب پیدا کیے گئے تھے تو اس وقت بھی
۶۰ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس حدیث کی تاویل میں یہی کہا جا سکتا تھا اور ابوہریرہ
کی طرف سے ہواخواہان ابوہریرہ اتنی ہی بات بنا سکتے تھے مگر قیامت یہ ہے
کہ خود ابوہریرہ نے ایک دوسری حدیث سے اس تاویل کی راہ پہلے ہی سے
مسدود کر دی ہے اور ہواخواہوں نے بات بھی بنائی تو بن نہ سکی چنانچہ ابوہریرہ
کی ایک اور حدیث ہے خلق اللہ آدم علی صورۃ الرحمان[1] خداوند عالم نے
آدم کو رحمان (خدائے عز و جل) کی صورت میں پیدا کیا۔ نیز ایک دوسری حدیث ہے۔

---

[1] یہ حدیث بعینہ انھیں لفظوں میں ابوہریرہ کی بہت مشہور حدیث ہے۔ علامہ قسطلانی نے
ابوہریرہ کی اس حدیث کو قرینہ و ثبوت قرار دیا ہے اس بات کا کہ صورتہ والی حدیث میں ضمیر
اللہ ہی طرف راجع ہے نہ کہ آدم کی طرف۔ ملاحظہ فرمائیے ارشاد الساری جلد ۱۰ صفحہ ۴۹

ان موسی علیہ السلام ضرب الحجر لبنی اسرائیل فتفجر وقال! اشربوا یا حمیر فاوحی اللہ تعالی الیہ عمدت الی خلق خلقتھم الی صورتی فشبھتھم بالحمیر[1]

جناب موسیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے پتھر کو مارا اس سے چشمہ پھوٹ نکلا۔ جناب موسیٰ نے کہا گدھو! پانی پیو۔ اس پر خداوند عالم نے ان پر وحی فرمائی کہ میں نے تو انھیں اپنی صورت پر پیدا کیا اور تم انھیں گدھوں سے تشبیہ دے رہے ہو۔

پہلی حدیث بھی جمہور اہلسنت کی روایت کردہ ہے اور یہ دو حدیثیں بھی جمہور اہلسنت ہی کی روایت کی ہوئی۔ ان دونوں حدیثوں نے تاویل کی گنجائش ہی باقی نہ رکھی، کھینچ تان کر ضمیر کو ادھر سے اُدھر کر کے جو بات بنائی بھی گئی وہ بات بن نہ سکی، چاد و ناچار حضرات اہلسنت نے نجات اسی میں دیکھی کہ صورتہ کی ضمیر خدا ہی کی طرف پھیری جائے اور دوسری بات بنائی جائے۔ اب یہ بات بنائی گئی کہ ابوہریرہ کی حدیث خلق اللہ آدم علی صورتہ خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا خلق آدم علی صورۃ الرحمان آدم رحمان کی صورت پر پیدا ہوے خلقتھم علی صورتی میں نے خلائق کو اپنی صورت پر پیدا کیا کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے آدم و اولاد آدم کو اپنی صفت پر پیدا کیا، یعنی خداوند عالم جس طرح حی ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، متکلم، عالم، مرید کارہ ہے اسی طرح اس نے آدم و اولاد آدم کو بھی حی و سمیع و بصیر و متکلم و کارہ بنایا۔

مگر لطف یہ ہے کہ جس مصیبت سے بچنے کے لیے یہ راہ فرار نکالی گئی اس راہ پر چل کر بھی اسی مصیبت کا سامنا ہوا، کیونکہ خداوند عالم جس طرح ذات میں

---

[1] علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "تاویل مختلف الحدیث" صفحہ ۲۸۰ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور قرینہ قرار دیا ہے کہ پہلی حدیث میں صورتہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے نہ کہ آدم کی طرف۔

بے نظیر و ہمتا ہے اسی طرح صفات میں بھی اس کا کوئی شبیہ نہیں۔ ہم شیعوں کے یہاں تو خیر صفات عین ذات ہیں حضرات اہلسنت جو صفات کو عین ذات نہیں بلکہ زائد بر ذات مانتے ہیں وہ بھی بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صفات میں خدا کا کوئی شبیہ نہیں لہٰذا خلق اللہ آدم علی صورتہ کی یہ تاویل کرنا کہ جس طرح خدا حی و متکلم، سمیع و بصیر ہے اُسی طرح آدم بھی حی و بصیر وغیرہ ہیں کیونکر کسی مسلمان کے لیے قابل قبول ہوگا یہ تو صریحی طور پر خداوند عالم کا شبیہ قرار دینا ٹھہرا۔

لطف بالائے لطف یہ کہ ابوہریرہ نے اس حدیث میں طرح طرح کے رنگ بدلے ہیں جیسا کہ اُن کی عادت بھی ہے کبھی تو انھوں نے ان لفظوں میں حدیث کی روایت کی یعنی خلق اللہ آدم علی صورتہ، خلق اللہ آدم علی صورۃ الرحمان، خلقتھم علی صورتی اور کبھی یوں گہرافشاں ہوئے اذا قاتل احدکم اخاہ فلیجتنب[1] الوجہ فان اللہ خلق آدم علی صورتہ تم میں کا اگر کوئی اپنے بھائی سے جنگ جدال کرے تو چہرے کا خیال رکھے منہ پر وار نہ کرے کیونکہ خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ کبھی بیان کیا اذا ضرب احدکم فلیجتنب الوجہ ولا یقبل قبح اللہ وجھک ووجہ من اشبہ وجھک فان[2] اللہ خلق آدم علی صورتہ اگر تم میں کا

---

[1] محدثین نے ابوہریرہ کی اس حدیث کو انھیں الفاظ میں بکثرت طرق و اسناد سے روایت کیا ہے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹، باب النہی عن ضرب الوجہ میں بعینہ انھیں الفاظ میں یہ حدیث موجود ہے ۱۲

[2] سنہ (۲) حدیث کو امام بخاری نے ادب مفرد میں درج کیا ہے نیز امام احمد نے بھی صحیح طریقوں سے مسند جلد ۲ صفحہ ۴۳۴ میں ذکر کیا ہے۔

کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر نہ مارے اور نہ یہ کہے کہ خدا تیرا منہ کالا کرے اور اس کا منہ جو تیرے ایسا منہ رکھتا ہو کیونکہ خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔
خدا جانے ان حدیثوں کی حضرات اہلسنت کیا تاویل کریں گے، ان حدیثوں کے بعد تو ابو ہریرہ نے اپنے ہوا خواہوں کے لیے کوئی راہ فرار ہی باقی نہ رکھی، کیونکہ پہلی حدیث میں تو یہ کہہ کر جان بچائی تھی کہ صورتہ میں ضمیر آدم کی طرف پھرتی ہے خدا نے آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا مگر یہاں ان دونوں آخری حدیثوں میں صورتہ کی ضمیر آدم کی طرف پھیرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں عبارت درست ہی نہ ہوگی، چار و ناچار ضمیر خداوند عالم ہی کی طرف پھیرنی پڑے گی یعنی خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا تاکہ عبارت تو کم سے کم بامعنی ٹھہرے اور چہرے پر مارنے، چہرے کو برا کہنے سے جو ممانعت کی ہے وہ ممانعت تو درست ہو سکے [1]
دوسری بات جو بتائی گئی تھی یعنی علی صورتہ کی یہ تاویل کرنا کہ خداوند عالم نے اپنی طرح آدم کو بھی سمیع و بصیر، حی و متکلم وغیرہ پیدا کیا۔ یہ بھی ان آخری دو حدیثوں میں نہیں بن سکتی کیونکہ حی و سمیع، متکلم و عالم وغیرہ پیدا کرنے سے یہ کب واجب ٹھہرتا ہے کہ مار پیٹ کے موقع پر چہرے کا خیال رکھا جائے، چہرے پر ضرب نہ آنے دی جائے،

---

[1] کاش ابو ہریرہ چہرے پر مارنے کی ممانعت کی یہی توجیہ کر دیے ہوتے کہ چہرۂ انسانی نرم و لطیف، حسین و جمیل ہوتا ہے، نیز اس چہرے میں بہت سے اعضا نفیسہ اکٹھا ہیں۔ کان، ناک، منہ ہونٹ، دانت، بھویں، پیشانی وغیرہ، نیز اکثر ادراکات اسی ایک چہرے کے ذریعہ ہوتے ہیں اسی چہرے سے انسان دیکھتا ہے، سنتا ہے، سونگھتا ہے وغیرہ وغیرہ لہذا مار پڑنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ ادراکات یا تو سرے سے ختم ہو جائیں یا انھیں نقصان پہنچ جائے پھر چہرے پر ضرب پڑنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ چہرہ بدشکل ہو جائے اور چہرہ کا بدشکل ہونا بہت برا ہے جسم کے کسی اور حصہ میں عیب پیدا ہو جائے تو وہ چھپایا بھی جا سکتا ہے لیکن چہرہ انسان کا سب سے نمایاں حصہ ہونے کی وجہ سے چھپائے رکھنا بھی ممکن نہیں، حدیث ہی گڑھنے کو تھی تو ٹک کی گڑھتے مگر وہ تو

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں آخری حدیثوں میں کوئی بات بن ہی نہیں سکتی نہ ضمیر کی ایرا پھیری سے نہ لفظوں کے معنی بدلنے سے اور نہ یہ تاویل کرنے سے کہ خدا نے آدم کو اپنے صفات پر پیدا کیا، آخر کی دونوں حدیثیں جبھی بامعنی ہو سکتی ہیں جبکہ صورتہ کی ضمیر خداوند عالم کی طرف پھیری جائے اور یہ مطلب لیا جائے کہ انسان کے چہرے پر مارنا اسلیے ممنوع ہے کہ انسان کا چہرہ خدا کے چہرے سے مشابہ ہے نعوذ باللہ!!

اسی وجہ سے بافہم حضرات اہلسنت نے ابوہریرہ کی ان حدیثوں کے معنی ومفہوم میں توقف سے کام لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان حدیثوں کا مطلب اللہ ہی جانے جیسا کہ بخاری[1] ومسلم کے شارحین جب ان حدیثوں تک پہنچے تو اپنا قلم ہاتھ سے رکھ دیا۔

دوٗ غور طلب باتیں

ایک یہ کہ اگر جناب آدم کا طول ۶۰ ہاتھ تھا تو تناسب جسمانی کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اُن کی چوڑان ۱۷ ہاتھ سے کچھ زیادہ ہی رہی ہو اور اگر چوڑان

---

[1] امام نودی لکھتے ہیں "اکثر علماء ان احادیث کی تاویل میں توقف سے کام لیتے ہیں خاموشی بہتر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کا تو ایمان رکھتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحیح اور حق ہیں (بھلا ابوہریرہ صحابی پیغمبر جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں) لیکن ان احادیث کا ظاہری مفہوم مراد نہیں بلکہ مطلب کچھ اور ہے (جو خدا بہتر جانتا ہے کہ کیا ہے) یہی جمہور سلف کا مسلک ہے اور یہی احوط ومحفوظ تر ہے۔ شرح صحیح مسلم برحاشیہ شرح بخاری ج ۱۲ ص ۱۱۱۔ علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری نے بھی بخاری کی شرح میں امام نودی کے اس قول کو ذکر کیا ہے (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ۱۰ ص ۱۹۴) ملاحظہ فرمائیے اس نیرنگی کو کہ حدیث کا مطلب کسی کی سمجھ میں خاک نہیں آتا۔ تاویل کوئی بنتی نہیں مگر اعتراف اپنی ہی کوتاہ فہمی کا ہے۔ ابوہریرہ کے دامن صحابیت پر دھبہ

، ہاتھ ہی تھی تو لازمی ہے کہ لمبان ۲۴½ ہاتھ سے کسی طرح زیادہ نہ رہی ہو کیونکہ
ہر متناسب الاعضا مستوی القامۃ انسان کی چوڑان بہ نسبت اس کی لمبان کے ڈبل
ساتواں حصہ ہوتی ہے ۔ مثلاً کسی انسان کی لمبائی اگر ۶ فٹ ہے تو کم و بیش اس کی
چوڑائی ایک فٹ ۸ انچ سے کچھ اوپر ہوگی ۔ جتنے مستوی القامۃ انسان ہیں ان کی
لمبان و چوڑان میں کم و بیش یہی تناسب آپ کو نظر آئے گا ، لہٰذا ابو ہریرہ کا بیان
کرنا کہ آدم ۶۰ ہاتھ لمبے اور صرف سات ہاتھ چوڑے تھے کیونکہ صحیح ہے ، کیا
معاذ اللہ جناب آدم بے ڈھنگے ، بے ڈول اور بے کینڈے تھے ۔ خداوند عالم تو
یہ ارشاد فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو
بڑی اچھی ساخت کے ساتھ پیدا کیا ۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ تحیہ سلام کی ایجاد مذہب اسلام سے
ہوئی ۔ پیغمبر کی حدیث ہے[1] ما حسد کم الیھود علی شئ کما حسدوکم
علی السلام یہودیوں نے تم سے جتنا سلام کے بارے میں حسد کیا اتنا کسی
چیز کے بارے میں نہیں ، لہٰذا اگر امت اسلام سے سلام کی ابتدا نہ ہوتی تو خصوصیت
کے ساتھ سلام ہی پر کیوں حسد کیا جاتا اب اس حقیقت کی موجودگی میں ابو ہریرہ کا
یہ حدیث بیان کرنا کہ فلما خلق اللہ آدم قال اذھب فسلم علی اولئك
النفر من الملائکة فاستمع ما یحیونك فانھا تحیتك وتحیة
ذریتك جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اُن سے کہا کہ جاؤ اور جا کر ان ملائکہ کو
سلام کرو اور سنو وہ کیونکر تمھیں تحیہ ادا کرتے ہیں وہی تمھارا اور تمھاری اولاد کا

---

[1] ابن ماجہ نے اپنی صحیح سنن ابن ماجہ میں اس کو درج کیا ہے ابن خزیمہ نے بھی اسے
صحیح قرار دیا ہے اور جناب عائشہ سے بسلسلہ اسناد مرفوعاً روایت کی ہے علامہ قسطلانی نے
شرح صحیح بخاری ارشاد الساری [illegible] ص ۲۹۲ [illegible] اس حدیث کو ذکر کیا ہے ۱۲

تحیۃ ہوگا" کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، کون سی تاویل اس حدیث میں کی جاسکتی ہے۔

نیز ابوہریرہ کے اس فقرہ فلم یزل الخلق ینقص بعد لا حتی الآن "جناب آدم کے بعد سے نسل آدم کی قامت برابر گھٹتی جارہی ہے اور آج تک گھٹنے کا سلسلہ جاری ہے"، کا کیا مطلب؟ کیا فرماتے ہیں پرستاران ابوہریرہ؟ کیا اُن کی عقل سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے؟

(۲) خداوند عالم کا بروز قیامت مختلف شکلوں میں دکھائی دینا

بخاری[1] و مسلم دونوں نے بہ سلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے، ابوہریرہ حدیث بیان کرتے ہیں:-

قال! قال اناس یا رسول اللہ هل نری ربنا یوم القیامۃ؟ فقال! هل تضارون فی الشمس لیس دونها سحاب؟ قالوا! لا یا رسول اللہ قال! هل تضارون فی القمر لیلۃ البدر لیس دونه سحاب؟ قالوا لا یا رسول اللہ قال: فانکم ترونه یوم القیامۃ کذالک، یجمع اللہ الناس

کچھ لوگوں نے پیغمبرؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا بروز قیامت ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے آں حضرتؐ نے فرمایا تمھیں آفتاب کو دیکھنے میں جب کہ مطلع صاف ہو کوئی دقت ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آں حضرتؐ نے فرمایا ماہتاب کو؟ جبکہ بادل موجود نہ ہو دیکھنے میں کبھی دشواری ہوئی؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو تم اسی آفتاب و ماہتاب کی طرح خداوند عالم کو بروز قیامت دیکھو گے۔ خداوند عالم بروز قیامت لوگوں کو جمع کرکے کہے گا جو شخص جس چیز کی پرستش کرتا ہو اس کے

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۴ صفحہ ۹۲ کتاب الرقاق باب الصراط جسر جہنم پارہ ۱ صفحہ ۱۰۰ باب فضل السجود

فیقول: من کان یعبد شیئا
فلیتبعه فیتبع من کان
یعبد الشمس الشمس ویتبع من کان
یعبد القمر القمر ویتبع
من کان یعبد الطواغیت
الطواغیت. وتبقی هذه
الامة فیها منافقوها
فیاتیهم الله فی غیر الصورة
التی یعرفون! فیقول انا
ربکم فیقولون: نعوذ بالله
منك! هذا مکاننا حتی
یاتینا ربنا: فاذا اتانا
ربنا عرفناه فیاتیهم الله
فی الصورة التی یعرفون!!
فیقول: انا ربکم فیقولون!
انت ربنا فیتبعونه. ویضرب
جسر جهنم (قال): قال
رسول الله ﷺ فاکون اول
من یجیز ودعاء الرسل
یومئذ: اللهم سلم
سلم وبه کلالیب

پیچھے ہو جائے گی۔ چنانچہ جو لوگ آفتاب کے پوجنے
والے ہوں گے وہ آفتاب کے پیچھے اور جو ماہتاب
کے پوجنے والے ہوں گے وہ ماہتاب کے پیچھے
اور جو شیطان کے پیرو ہوں گے وہ شیطان کے
پیچھے ہو جائیں گے۔ اور یہ امت باقی رہ جائے گی
اور اس میں بھی اس کے منافقین ہوں گے۔
پس خداوند عالم اس شکل کے علاوہ جس میں
لوگ اسے پہچانتے ہوں گے دوسری شکل بدل کر
اُن کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں تمھارا
رب ہوں، لوگ کہیں گے کہ ہم تم سے خدا کی
پناہ مانگتے ہیں، ہم یہیں ٹھہرے رہیں گے،
یہاں تک کہ ہمارا پروردگار آجائے جب ہمارا
پروردگار آئے گا ہم اسے فوراً پہچان لیں گے،
پھر خدا اپنی اصلی صورت میں جس میں سبھی اسے
پہچانتے ہوں گے سامنے آئے گا اور کہے گا کہ
میں تمھارا پروردگار ہوں، لوگ کہیں گے کہ ہاں
تو ہمارا پروردگار ہے، پھر سب کے سب خدا کے
پیچھے ہو جائیں گے۔ پھر جہنم پر پُل باندھا جائے گا۔
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اس پُل سے سب سے پہلے
میں گزروں گا، اور اس دن پیغمبروں کی دعا ہوگی
بار الٰہا بچا! بچا! اور اس پُل پر قلابے ہوں گے

مثل شوك السعدان اما رايتم شوك السعدان؟ قالوا: بلی قال: فانها مثل شوك السعدان غير انها لا يعلم قدر عظمتها الا الله فتخطف الناس باعمالهم منهم الموبق بعمله ومنهم المخدول ثم ينجو حتى اذا فرغ الله من القضاء بين عباده واراد ان يخرج من النار من اراد ان يخرج ممن كان يشهد ان لا اله الا الله امر الملائكة ان يخرجوهم فيعرفونهم بعلامة اثار السجود، وحرم الله على النار ان تاكل من ابن آدم اثر السجود فيخرجونهم قد امتحشوا فيصب عليهم ماء يقال له ماء الحياة فينبتون نبات الحبة فی حميل السيل، ويبقى رجل مقبل بوجهه على النار،

مثل سعدان کے کانٹوں کے تم نے سعدان کے کانٹے نہیں دیکھے؟ لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو وہ قلّابے مثل سعدان کے کانٹوں کے ہوں گے البتہ وہ قلابے کتنے بڑے بڑے ہوں گے یہ بس خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ قلّابے لوگوں کو اُن کے اعمال کے سبب اُچک لیں گے بعض تو اپنی بداعمالیوں کے سبب ہلاک ہو جائیں گے اور بعض قریب ہلاکت ہوں گے اور آخر کار بچ نکلیں گے، یہاں تک کہ خداوند عالم بندوں کا فیصلہ کر کے فارغ ہو گا اور لوگوں کو جہنم سے نکالنے کا ارادہ کرے گا پس جو لوگ کہ خداوند عالم کی وحدانیت کے قائل ہوں گے اور گواہی دینے والے ہوں گے ان کے متعلق ملائکہ کو حکم دے گا کہ انھیں جہنم سے نکال دیں وہ ملائکہ ایسے لوگوں کو اُن کی پیشانی کے سجدوں کے نشان سے پہچان لیں گے اور وہ اس حال میں ہوں گے کہ ان کی کھال جل کر ہڈی نکل پڑی ہو گی پھر ان پر پانی چھڑکا جائے گا وہ پانی جسے آب حیات کہا جاتا ہے پھر وہ لوگ اس طرح اُگیں گے جیسے ترکاری یا پھول کا بیج ندی کے

فیقول: یارب قشبنی ریحها
واحرقنی ذکاؤها فاصرف
وجهی عن النار فلایزال یدعو اللہ
فیقول: لعلك ان اعطیتك
ان تسالنی غیرہ فیقول:
لا وعزتك لا اسالك غیرہ
فیصرف وجهه عن النار.
ثم یقول بعد ذالك: یارب
قربنی الی الجنة فیقول: الیس
قد زعمت ان لا تسالنی
غیرہ؟ ویلك یا ابن آدم
ما اغدرك فلا یزال
یدعو فیقول: لعلی ان
اعطیتك ذالك تسالنی
غیرہ. فیقول: لا وعزتك
لا اسالك غیرہ فیعطی اللہ
من عهود ومواثیق ان
لا یساله غیرہ فیقربه
الی باب الجنة فاذا
رای ما فیها سکت
ما شاء اللہ ان یسکت

کوڑے کرکٹ میں اُگتا ہے، ایک شخص آتش جہنم
کی طرف اپنا مُنہ کیے ہوئے باقی بچ رہے گا
وہ کہے گا بارِ الٰہا جہنم کی بدبو نے مجھے زہریلا
کردیا اور اس کے شعلوں کے بھڑکنے نے
مجھے جلا مارا میرا مُنہ آگ سے پھیر دے، وہ
برابر خدا سے یہی دعا کیے جائے گا۔ اس پر
خداوند عالم ارشاد فرمائے گا کہ اگر میں تیری
یہ دعا قبول کرلوں تو اس کے علاوہ اور بھی
سوال کرے گا؟ وہ کہے گا نہیں تیری عزت
کی قسم اور کوئی سوال نہیں کروں گا اس پر
خداوند عالم آتش جہنم سے اس کا منہ ہٹادے گا
پھر وہ شخص اس کے بعد کہے گا بار الٰہا مجھے
جنت کے نزدیک کردے خداوند عالم ارشاد
فرمائے گا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ دوسری
بات کا سوال نہ کروں گا وائے ہو تجھ پر اے
فرزند آدم تو کتنا دھوکہ باز ہے مگر وہ شخص
برابر اپنے سوال کی رٹ لگائے جائے گا
اس پر خداوند عالم کہے گا اگر میں تمھارا یہ
سوال بھی پورا کردوں تو تم اور بات کے بھی
طالب ہوگے؟ وہ شخص کہے گا نہیں اب
اس کے علاوہ اور کچھ نہ مانگوں گا، وہ خداوند عالم سے

ثم يقول: يا رب ادخلني
الجنة. فيقول له: اوليس
قد زعمت ان لا تسالني
غيره؟ ويلك يا ابن آدم
ما اغدرك. فيقول:
يا رب لا تجعلني اشقى
خلقك فلا يزال يدعو
حتى يضحك (الله)
فاذا ضحك منه
اذن له بالدخول
فيها فاذا ادخل
قيل تمن من كذا
فيتمنى. ثم يقال له
تمن من كذا فيتمنى
حتى تنقطع به الاماني.
فيقول له: هذا لك
ومثله معه

(الحديث)

عہد و پیمان کرے گا قسمیں کھائے گا کہ اب
کوئی تیسرا سوال نہ کرے گا۔ خداوند عالم عہد
پیمان لے کر اُسے جنت کے دروازے سے
قریب کردے گا، جب وہ شخص جنت کی نعمتوں
کو دیکھے گا تو کچھ دیر جتنی دیر خدا کی مرضی ہوگی
چپ رہے گا، پھر سوال کرے گا کہ یا رالٰہا
مجھے جنت میں داخل بھی کردے، خداوند عالم
ارشاد فرمائے گا کیا تو نے وعدہ نہیں کیا تھا
کہ اب کسی اور بات کا سوال نہ کروں گا وائے ہو
آدم کے فرزند تجھ پر تو کس قدر وعدہ فراموش
ہے؟ وہ شخص کہے گا کہ یا رالٰہا تو اپنی مخلوق
میں سب سے زیادہ بدبخت مجھے نہ قرار دے
وہ برابر سوال کیے جائے گا یہاں تک کہ اس کے
سوال پر خداوند عالم کو ہنسی آجائے گی
جب وہ ہنس دے گا تو جنت میں جانے کی
اجازت دیدے گا، وہ جب جنت میں داخل
ہو جائے گا تو ارشاد الٰہی ہوگا جس چیز کی
چاہو تمنا کرو وہ تمنا کرے گا پھر کہا جائے گا
اور جس جس بات کی چاہو تمنا کرو، وہ تمنا
کرے گا یہاں تک کہ کوئی تمنا
اور آرزو باقی نہ رہ جائے گی۔

اس پر خداوند عالم کہے گا یہ سب تمنائیں تیری
پوری کی جاتی ہیں اور انھیں جیسی اور بھی
تمنائیں بخشی گئیں ۔

اسی جیسی ایک اور حدیث امام مسلم نے دوسری سندوں سے روایت[1]
کی ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ

ان اللہ عزوجل یاتی
یوم القیامۃ ھذہ الامۃ
وفیھا البر والفاجر وھو
فی ادنی صورۃ من التی
راوہ فیھا فیقول لھم !
انا ربکم، فیقولون
نعوذ باللہ منک، فیقول
ھل بینکم و بینہ آیۃ
فتعرفونہ بھا؟ فیقولون
نعم فیکشف عن ساق
فلا یبقی من کان یسجد للہ
من تلقاء نفسہ الا اذن اللہ
لہ بالسجود ولا یبقی من
یسجد اتقاء و رئاءً الا
جعل اللہ ظہرہ طبقۃ واحدۃ

خداوند عالم بروز قیامت اس امت والوں
کے پاس آئے گا اس امت میں نیکوکار بھی
ہوں گے اور بدکار بھی، خداوند عالم بہ نسبت
اس صورت کے جس میں امت والے اسے
دیکھ چکے ہوں گے گھٹیا شکل میں ہوگا، وہ
اُن سے کہے گا میں تمھارا پروردگار ہوں،
وہ لوگ کہیں گے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں
تجھ سے، اس پر خداوند عالم فرمائے گا کہ
تمھارے اور تمھارے خدا کے درمیان کوئی
نشانی بھی ہے جس سے تم اپنے خدا کو پہچانتے ہو
امت والے کہیں گے ہاں - اس پر خداوند عالم
اپنی پنڈلی کھول دے گا اس پر کوئی ایسا
شخص جو سچے دل سے خدا کا سجدہ گزار رہا ہو
باقی نہ رہے گا جسے اللہ سجدہ کرنے کی اجازت
نہ دے اور جو لوگ ڈر سے یا دکھاوے کے لیے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۰۳ کتاب الایمان کا باب اثبات رویت المومنین ربہم فی الآخرۃ

تفاۃ ثم یرفعون روسھم
فیرون اللہ وقد تحول
فی صورتہ التی راوہ فیھا
اول مرۃ فقال انا ربکم
فیقولون انت ربنا ثم
یضرب الجسر علی جھنم
الحدیث -

اُن کی پیٹھ کو تختہ بنا دے گا جب سجدہ کرنا
چاہیں گے گدّی کے بل گر پڑیں گے پھر وہ لوگ
سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور خدا کو دیکھیں گے
کہ وہ بدل گیا اور اپنی پہلی صورت پر آ گیا
جس صورت میں وہ لوگ اسے پہلے دیکھ چکے
ہیں، اس پر خداوند عالم ارشاد فرمائے گا
کہ میں تمھارا پروردگار ہوں۔ وہ لوگ کہیں گے
ہاں تو ہمارا پروردگار ہے پھر جہنم پر پُل باندھا
جائے گا۔ الخ

یہ حدیث طولانی حدیث ہے، امام بخاری نے بھی اس حدیث کو صحیح بخاری
میں درج کیا مگر عبارت مختصر کر کے، صحیح بخاری کے باب تفسیر سورہ نٓ[1] کے سلسلہ میں
یہ حدیث ہے:۔

سمعت النبی یقول یکشف
ربنا عن ساقہ فیسجد لہ
کل مومن و مومنۃ ویبقی من
یسجد فی الدنیا ریاءً و
سمعۃ فیذھب لیسجد
فیعود ظھرہ طبقا واحدا الخ

میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ خداوند عالم
اپنی پنڈلی کھول دے گا اس پر ہر مومن مرد
اور مومنہ عورت سجدے میں گر پڑیں گے اور وہ
لوگ جنھوں نے دنیا میں دکھاوے اور سنانے
کے لیے سجدہ کیا ہوگا وہ بچ رہیں گے وہ سجدہ
میں جانا چاہیں گے مگر اُن کی پیٹھ تختہ ہو جائیگی

یہ بڑی ہولناک حدیث ہے اس کی طرف ارباب عقل کی توجہ میں مبذول

لہ پارہ ۲ ص ۱۳۸

[illegible] ہے کہ خداوند عالم ایسے
رنگ برنگ کی صورت و شکل ہو کہ کسی شکل کو لوگ پہچانیں کسی کو نہ پہچانیں، کیا
اربابِ عقل صحیح سمجھتے ہیں کہ واقعاً خداوند عالم کے لیے کوئی پنڈلی ہوگی جو اس کی علامت
اور نشانی ہوگی اور پنڈلی کو آخر خصوصیت کیوں حاصل ہوئی اور کوئی عضو پہچان کیوں
نہیں قرار پایا؟ کیا خداوند عالم کے لیے حرکت، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
کہ ایک مرتبہ آئے اور پھر دوسری مرتبہ آئے جائز ہے؟ کیا خداوند عالم کے لیے
ہنسی ممکن ہے؟ اس حدیث کا آخر وزن ہی کیا رہتا ہے، کیا یہ حدیث حدیثِ پیغمبرؐ
کے مشابہ ہے؟ نہیں اور خدا کی قسم نہیں؟ جو رسول کہ آیات الٰہی کی تلاوت کرنے والا
ہو تزکیہ نفوس جس کا شغل تعلیم کتاب و حکمت جس کا کام ہو اسے ان مزخرفات سے
کیا واسطہ۔

کچھ رویتِ خدا کے متعلق

خداوند عالم کے ان آنکھوں سے دکھائی دینے کے متعلق اہل سنت اتفاقی و
اجماعی طور پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوند عالم دنیا میں بھی دکھائی دے سکتا ہے اور
آخرت میں بھی، دنیا میں اب تک دکھائی دیا تو نہیں لیکن کسی وقت بھی اس کا دکھائی دے جانا
ممکن ہے آخرت میں تو وہ واقعاً دکھائی دے گا بھی مومنین و مومنات عنقریب بروزِ قیامت
روئے زیبائے خداوند عالم کا نظارہ کریں گے اور کافر و کافرات ہمیشہ محروم رہیں گے
دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اکثر حضرات اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں اس کا دکھائی دینا ممکن تو ہے
مگر وہ دنیا میں دکھائی دے گا نہیں اور بعض لوگ قائل ہیں کہ نہیں دنیا میں بھی
دکھائی دے سکتا ہے مجسمہ (وہ لوگ جو خدا کے لیے جسم ہونے کے قائل ہیں) وہ عقیدہ

جسم پر جا کر پڑے گا اور وہ ہمارے سامنے کھڑا ہوگا ہم بالکل اسی طرح اس کو دیکھیں گے جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، ابو ہریرہ کی حدیث کے مفہوم و مراد کے بنا پر انھیں کوئی تردد ہی نہیں اس معاملہ میں کہ وہ خدا کو بالکل اس طرح دیکھیں گے جس طرح آفتاب و ماہتاب کو دیکھتے ہیں۔

یہ مجسمہ والے تو حد سے کہیں آگے بڑھ گئے ہیں اور عقل و نقل دونوں کی مخالفت کی ہے اور جمہور امت کے اجماع کے چیتھڑے اُڑا دیے ہیں، دین سے باہر ہو گئے ہیں ضروریات دین سے روگردانی کی ہے ان سے تو ہمیں کوئی بحث نہیں کرنا ہے البتہ مجسمہ کے علاوہ جمہور اہلسنت یعنی اشاعرہ جو خداوند عالم کو جسم و جسمانیات سے پاک و پاکیزہ جانتے ہیں وہ اپنے عقیدہ رویت الٰہی کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ خداوند عالم بروز قیامت اہل ایمان کی آنکھوں میں ایک ایسی مخصوص قوت پیدا کر دے گا جس کے ذریعہ وہ خدا کو دیکھ لیں گے مگر وہ دیکھنا اس طرح کا نہ ہوگا کہ تار نگاہ اس کے جسم پر پڑے یا خداوند عالم ہمارے آمنے سامنے ہو کسی مخصوص جگہ میں ہو کسی خاص کیفیت سے ہو مختصر یہ کہ مومنین اس دن خدا کو دیکھیں گے مگر یہ نہ پوچھو کہ کہاں اور کیونکر اور کیسے دیکھیں گے۔

یہ عقیدہ بھی باطل اور خدا کا دکھائی دینا خواہ کسی طرح بھی ہو قطعاً محال اور ناممکن! نہ تو کسی عقل میں ایسا دیدار آسکتا ہے جیسا اشاعرہ فرض کیے ہوے ہیں نہ کسی کے لیے ایسے دیدار کا تصور ہی ممکن ہے۔ ہاں اگر خداوند عالم قیامت کے دن ہماری ان آنکھوں کے علاوہ کوئی دوسری آنکھ پیدا کر دے جو اس طرح نہ دیکھے جس طرح ہم دنیا میں دیکھتے ہیں بلکہ کوئی اور ہی آنکھ کسی اور ہی طرح دیکھنے والی ہو تو ہو سکتا ہے، مگر یہ موضوع بحث نہیں! بحث تو یہ ہے کہ ہم خدا کو بروز قیامت

... جس طرح ہم دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں! اور اگر اس طرح
کی رویت کے وہ قائل نہیں ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نزاع ہمارے اور
اُن کے درمیان صرف لفظی ہے۔

(۳) جہنّم اُس وقت تک نہ بھرے گا جب تک خداوند عالم اس میں اپنا پَیر نہ ڈالدے

بخاری و مسلم دونوں نے بطریق عبدالرزاق معمر سے انھوں نے ہمام سے
انھوں نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال: قال النبی تحاجت
الجنة والنار فقالت النار
اوثرت بالمتکبرین والمتجبرین!
وقالت الجنة امالی یدخلنی
الاضعفاء الناس وسقطتهم!
قال الله تبارك وتعالی
للجنة! انت رحمتی ارحم
بك من اشاء من عبادی،
وقال للنار انما انت
عذاب اعذب بك من
اشاء من عبادی ولكل
واحدة منهما ملؤها،
فاما النار فلا تمتلی
حتی یضع رجله فیقول

پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ جنت و
جہنم میں باہم بحث ہوئی۔ جہنم نے کہا میری فضیلت کا
کیا کہنا مجھ میں بڑے بڑے متکبر اور سرکش لوگ ہیں،
جنت نے کہا میں اپنا حال کیا کہوں کمزور و ذلیل
لوگ ہی میرے اندر داخل ہوتے ہیں، خداوند عالم
نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں اپنے
جس بندے پر رحم کرنا چاہتا ہوں تیرے ہی ذریعہ
رحم کرتا ہوں اور جہنم سے فرمایا تو عذاب ہے، میں
جس بندے پر غضبناک ہوتا ہوں تیرے ہی ذریعہ
اس پر عذاب کرتا ہوں۔ اور جنت و جہنم دونوں کی
شکم پُری ہوگی، جہنم تو اس وقت تک بھرے ہی گا
نہیں جب تک خداوند عالم اپنا پیر اس میں
نہ ڈال دے۔ جب خداوند عالم اپنا پَیر اس میں
ڈالے گا تو جہنم کہے گا بس بس۔ اس وقت وہ

قط قط فھناك تمتلئ ویزوی بعضھا الی بعض الحدیث۔[1]	بھرجائے گا اور اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے مل جائے گا۔

سچ تو یہ ہے کہ ابوہریرہ نے ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ ایک سے ایک بڑھ کر شگوفے کھلائے ہیں، ابوہریرہ نے سوچا ہوگا اتنا بڑا جہنم بھلا عاصیوں سے کیا بھرے گا، پھر خداوندعالم کے اس قول پر نظر پڑی ہوگی جس میں خداوندعالم نے جہنم کے بھرے جانے کی خبر دی ہے قال فالحق والحق اقول لاملان جھنم میں جہنم کو بھر کے رہوں گا، لہٰذا ابوہریرہ اس دوراہے پر ششدر و حیران ٹھہرے ہوں گے اس سوچ میں کہ دونوں باتوں کو جمع کیسے کیا جائے ایک طرف اپنی دماغی کرید کہ بھلا جہنم اور عاصیوں سے بھر جائے دوسری طرف آیت قرآنی کا اعلان کہ خداوندعالم جہنم کو بھر کے رہے گا تو انھوں نے اس گتھی کا سلجھاؤ یہ نکالا کہ خداوندعالم اپنا پیر جہنم میں ڈال دے گا۔ بڑی دور کی کوڑی لائے، ابوہریرہ اپنے دل میں سوچے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا پیر یقیناً بہت بڑا جہنم سے بھی بڑا ہوگا۔ جہنم چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا پھر بھی اللہ کے پیر کے مقابلے میں اس کی کیا بساط اور جب اللہ اس میں اپنا پیر ڈال دے گا تو یقیناً پورم پور لبریز ہو جائے گا، اپنے خیال میں انھوں نے جہنم کو بھر دیا مگر افسوس کہ انھوں نے آیت پر پوری طرح غور نہیں کیا قال فالحق والحق اقول لاملئن جھنم منك وممن تبعك منھم اجمعین یعنی یقیناً جہنم کو تجھ سے اور تیرے تمام پیرووں سے بھر دوں گا۔ اگر اس آیت پر غور کیے ہوتے تو اپنی زبان کو روکتے اور اپنی گدڑی ہی میں منہ چھپائے رہتے۔ آیت الٰہی میں صراحت ہے کہ جہنم کا بھرنا انھیں ایسے لوگوں سے ہوگا یعنی شیاطین اور شیاطین کے شکار اولاد آدم۔

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۳ صفحہ ۱۲۵ تفسیر سورہ ق صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۸۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۱۴

غور تو کرنا ہے کہ رکاکت کی کوئی انتہا بھی ہے، عقلاً یا شرعاً کسی حیثیت سے
بھی یہ حدیث صحیح سمجھی جا سکتی ہے، کوئی ایمان والا یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ خدا
کے کوئی پیر ہے۔ کوئی عاقل اس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ خداوند عالم محض جہنم کو
بھرنے کے لیے اپنے پیر جہنم میں ڈال دے گا۔ اس حدیث کو بیان کرنے میں آخر
کون سا فائدہ کون سی حکمت پوشیدہ تھی یہ مہمل و رکیک بات وزن ہی کیا رکھتی ہے
یہ جنت و جہنم کس زبان میں تکرار کریں گے کس حواس کے ذریعہ کس شعور کے واسطہ سے
جہنم نے اپنے کو بڑا اور بہتر سمجھا اور جنت اپنی کمتری پر پشیمان ہوئی، جہنم نے کیوں
محسوس کیا کہ مجھ میں بڑے لوگ ہیں، بد دماغ و متکبر اور سرکش انسان کو کون سی
فضیلت حاصل ہے جس کی وجہ سے جہنم نے فخر کیا کہ مجھ میں بڑے بڑے متکبرین اور
سرکش لوگ ہیں، جبکہ وہ بد دماغ اور سرکش اسفل السافلین میں ہوں گے اور
جنت نے کیونکر خیال کیا کہ اس کے اندر جگہ پانے والے کمزور اور پست طبقہ کے
لوگ ہیں جبکہ امر واقعہ یہ ہو کہ جنت میں وہ انبیاء و اولیا صدیقین و شہداء و صالحین
ہوں گے، کوئی انسان یہ سوچ سکتا ہے کہ جنت و جہنم، جہالت و حماقت کے اس
درجے پر پہنچ جائیں گے۔

۴ خداوند عالم کا ہر شب آسمانِ دنیا پر اُترنا

بخاری و مسلم نے بطریق ابن شہاب ابو عبد اللہ الاغر اور ابو سلمہ بن عبد الرحمان
سے انھوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔

قال ینزل ربنا کل
لیلۃ الی سماء الدنیا حین
یبقی الثلث الاخیر یقول

ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ہمارا پروردگار ہر رات
جب ایک پہر رات رہ جاتی ہے آسمان دنیا پر
اُترتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے جو مجھ سے دعا

من یدعونی فاستجیب لہ (الحدیث) | کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں گا۔

خداوند عالم اُترنے چڑھنے، آنے جانے، حرکت و انتقال اور جملہ عوارض و حوادث سے پاک و منزہ ہے۔ یہ حدیث اور اس کے پہلے کی تینوں حدیثوں ہی سے اسلام میں عقیدہ تجسّم کا شگوفہ پھوٹا، جاہل مسلمانوں نے ابوہریرہ کی انھیں مفتریات سے خداوند عالم کو بھی ایسا ہی جسم و اعضا و جوارح والا قرار دیا جیسے ہم آپ جسم والے ہیں۔ اس عقیدہ تجسّم کی وجہ سے فرقہ حنابلہ نے طرح طرح کی بدعتیں اور گمراہیاں پھیلائیں، خصوصاً ابن تیمیہ تو سب پر سبقت لے گئے، یہ دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے کھڑے ہوئے تو اپنی مہملات کے سلسلے میں یہ بھی بولے کہ ان اللہ ینزل الی سماء الدنیا کنزولی ھذا، خداوند عالم آسمان دنیا پر یوں اُترتا ہے جس طرح میں اس زینہ سے اترتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک زینہ نیچے اتر کر مثال بھی دے دی کہ فرضی طور پر نہیں بلکہ حقیقتاً خدا چڑھتا اُترتا ہے۔ اس پر مالکی فرقہ کے ایک فقیہ نے جو ابن زہراء کے نام سے مشہور تھے اعتراض کیا اور اُن کی باتوں کی سختی سے رَد کی اس پر عوام ان پر ٹوٹ پڑے ہاتھوں سے اور جوتیوں سے بڑی مار ماری اور انھیں حنبلیوں کے قاضی عزالدین بن مسلم کے پاس پکڑ کر لے گئے قاضی صاحب نے اس غریب فقیہ کو قید کی سزا دی اور قید میں بھی انھیں کافی اذیتیں دی گئیں[۲]۔

---

۱ صحیح بخاری ج ۴ ص ۶۸ باب الدعاء نصف اللیل کتاب الدعوات و ج ۱ ص ۱۳۶ باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل۔ کتاب الکسوف۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۳ باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل مسند ج ۲ ص ۲۵۸

۲ ابن بطوطہ نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا اور اپنی کتاب رحلت ابن بطوطہ ج ۱ ص ۵۷ میں درج کیا ہے۔

(۵) جناب سلیمان کا اپنے پدر بزرگوار جناب داؤد کے فیصلہ کو توڑ دینا

بخاری و مسلم[1] نے بسلسلۂ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:-

قال کانت امرأتان معهما ابناهما جاء الذئب فذهب بابن احداهما فقالت صاحبتها: انما ذهب بابنك وقالت اخری انما ذهب بابنك فتحاكمتا الی داود فقضی به للكبری فخرجتا علی سلیمان بن داؤد علیهما السلام فاخبرتاه فقال ائتونی بالسكین اشقه بینهما فقالت الصغری لا تفعل یرحمك الله هو ابنها فقضی به للصغری قال ابو هریرہ: والله ان سمعت بالسكین الا یومئذ

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں تھیں اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک لڑکا تھا بھیڑیا آیا اور ایک بچے کو اٹھا کر لے گیا اس پر ایک عورت نے کہا بھیڑیا تمہارے بچے کو لے گیا ہے میرا بچہ محفوظ ہے۔ دوسری نے کہا نہیں تمہارے بچے کو لے گیا یہ بچہ میرا بچہ ہے آخر کار دونوں فیصلہ کے لیے جناب داؤد کے پاس گئیں۔ جناب داؤد نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ صادر کیا جو بچہ بچ گیا تھا بڑی کو دلوا دیا اور چھوٹی کو محروم کیا وہ دونوں عورتیں جناب داؤد کے پاس سے چل کر جناب سلیمان کے پاس آئیں اور اپنے مقدمہ کی روداد سنائی جناب سلیمان نے کہا میرے پاس سکین (چھری) لاؤ تاکہ میں اس بچے کو دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا دونوں میں بانٹ دوں۔ اس پر چھوٹی عورت نے کہا ایسا نہ کیجیے خدا آپ کا بھلا کرے یہ بچہ بڑی ہی کو دے دیجیے۔ اس پر جناب سلیمان نے فیصلہ کیا کہ یہ

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۶۶ باب قولہ تعالیٰ ووهبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انه اواب، کتاب بدء الخلق
صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۷ باب بیان اختلاف المجتہدین۔ کتاب الاقضیہ۔ مسند جلد ۲ ص ۳۲۲

ابوہریرہ

وماکنا نقول الاالمدیة الخ

بچہ بڑی کا نہیں چھوٹی کا ہے اور جو بچہ بھیڑیا لے گیا وہی بڑی کا تھا، ابوہریرہ کہتے ہیں خدا کی قسم میں نے سکین کی لفظ اسی دن اس حدیث کے سلسلہ میں سنی ورنہ ہم لوگ تو مُدیہ (چھری) کہا کرتے تھے۔

یہ حدیث کئی وجہوں سے قابل بحث ہے۔

(۱) جناب داؤد روئے زمین پر خلیفۂ الٰہی تھے اور بندوں کے لیے نبی مرسل، خداوند عالم نے جناب داؤد کو تاکید کر رکھی تھی کہ لوگوں کے مقدمات کا درست فیصلہ فرمایا کریں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

یاداود انا جعلناك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق۔

اے داؤد ہم نے تمھیں زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے تم لوگوں کے مقدمات کا حق فیصلہ کیا کرو۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں جناب داؤد کی بڑی مدح وثنا فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔

واذکر عبدنا داود ذاالاید انه اواب۔ انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورة کل له اواب وشددنا ملکه واتیناه الحکمة وفصل الخطاب"

اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو بڑے قوت والے تھے (مگر صبر کیا) بے شک (ہماری بارگاہ میں) وہ بڑے رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو بھی تابعدار بنا دیا تھا کہ ان کے ساتھ صبح اور شام خدا کی تسبیح کرتے تھے اور پرند بھی (یاد خدا کے وقت سمٹ آتے تھے

"وان لہ عندنا لزلفی وحسن ماٰب"

اور اس میں شک نہیں کہ ہماری بارگاہ میں ان کا تقرب اور اچھا انجام ہے

"ولقد فضلنا بعض النبین علی بعض وآتینا داود زبورا۔"

بہ تحقیق ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

تو جناب داؤد وہ منتخب برگزیدہ انسان تھے جنھیں خداوندعالم نے زبور دے کر اس زمانہ کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی اور وہ ہر خطا سے قطعاً معصوم تھے خصوصاً فیصلہ مقدمات واحکام میں کیونکہ خداوندعالم کا صریحی ارشاد ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں یقیناً وہی ظالم ہیں لہذا داؤد جو معصوم تھے، نبی مرسل تھے، صاحب کتاب تھے وہ خدا کے احکام کے برخلاف کیونکہ فیصلہ کر سکتے تھے، جناب داؤد کے صاحبزادے سلیمان، اپنے باپ کے علوم وحکمت کے وارث تھے وہ بھی نبی ومعصوم تھے، لہذا کیونکر ممکن ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کا کیا ہوا فیصلہ توڑا ہو، جناب سلیمان سے بڑھ کر داؤد کی عصمت کی معرفت کیسے ہو سکتی ہے؟ سلیمان سے بڑھ کر داؤد کے فیصلوں کی درستی وصحت کون جان سکتا ہے؟

اگر آج کوئی قاضی شریعت حاکم، جو حکومت شرعیہ کے شرائط کا جامع بھی ہو دو شخصوں کے باہمی نزاع پر فیصلہ صادر کرے تو تمام حکام شرع پر لازم ہوگا کہ اس کے فیصلہ کو بغیر کسی توقف کے صحیح تسلیم کریں سوا اس کے کہ قاضی شریعت کی غلطی ولغزش یقینی طور پر معلوم ہو جائے مگر وہاں داؤد وسلیمان کے معاملہ میں تو خطا کا تصور ہی

کیونکہ دونوں نبی اور دونوں معصوم اس لیے کہ تمام انبیا معصوم لہذا
سلیمان جو خود بھی نبی تھے اُن کے لیے ناممکن تھا کہ وہ باپ اور ایسے باپ جسے
خداوند عالم نے منتخب روزگار قرار دیا ہو اور بندوں میں رسول بنا کر بھیجا ہو اور
ان کو مقدمات کے فیصلہ پر مامور کیا ہو، کے فیصلہ کو غلط قرار دیں کیونکہ داؤد کے
فیصلہ کو ٹھکرانا درحقیقت خدا پر معترض ہونا تھا کہ اس نے ایسے خطار کو نبی و حاکم
بنا کر بھیجا، باپ کا سوءِ ادب اور نافرمانی جو ہوگی وہ تو علیحدہ ہے۔

(۲) یہ حدیث صریحی طور پر بتاتی ہے کہ باپ بیٹے دونوں کے فیصلے ایک
دوسرے کے برعکس تھے داؤد نے بڑی کے حق میں ڈگری دی اور سلیمان نے چھوٹی
کے حق میں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی نہ کوئی غلطی پر ضرور تھا
یا داؤد غلطی پر تھے یا سلیمان غلطی پر تھے اور نبی سے غلطی و خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے
خصوصاً فیصلہ مقدمات میں تو قطعی طور پر محال کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے ومن لم
یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون۔ جو لوگ خدا کے نازل کردہ
احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں گے وہی فاسق ہیں۔ لہذا انبیا اگر غلط فیصلہ کرنے کے
مرتکب ہوں گے تو فاسق ٹھہریں گے اور فاسق شخص معصوم ہوگا نہ نبی۔

(۳) اس حدیث سے ظاہری طور پر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جناب داؤد نے
بڑی کے حق میں جو ڈگری دی وہ بغیر کسی ثبوت و دلیل کے سوا اس کے کہ وہ بڑی
تھی اور بغیر دلیل و ثبوت ایسا ہی شخص کسی مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے جو قاعدہ و
قانون سے ناواقف، احکام مذہبی سے بالکل جاہل ہو اور انبیاء کرام کا ناواقفِ
قوانین شرع و جاہل احکام مذہبی ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

(۴) حیرت بالائے حیرت یہ کہ بھلا کون ایسا احمق ہوگا جو ابوہریرہ کے
یہ کہنے کو سچا سمجھے کہ ہم لوگوں نے سکین کی لفظ اسی حدیث کے سلسلہ میں سنی

اکثر گھرانوں میں مستعمل رہی، یہ سے زیادہ سکین کی لفظ ہی چھری کے واسطے بولی جاتی تھی۔ ہمارا تو خیال ہے کہ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو سکین کے معنی نہ جانتا ہو بخلاف لفظ مدیۃ کے کہ زیادہ تر عوام اس لفظ سے ناآشنا ہیں۔ مزید براں معلوم ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ نے کلام مجید کی سورہ یوسف کی آیت نہ تو خود کبھی تلاوت کی نہ کسی کو تلاوت کرتے ہی سُنا وا تت کل واحدۃ منھن سکینا[1] زلیخا نے ہر ایک عورت کے ہاتھ میں ایک چھُری دے دی۔

نیز معلوم ہوتا ہے انھوں نے پیغمبرؐ کی یہ حدیث بھی کبھی نہیں سنی من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین۔ جو شخص لوگوں کے مقدمات کے لیے قاضی مقرر کیا گیا وہ بغیر چھُری ہی کے حلال ہوا[2]۔

اس حدیث کو اختراع کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟

قصہ یہ ہے کہ اس سے ملتے جُلتے ایک مقدمہ کی سرگذشت خداوند عالم نے قرآن مجید میں بیان کی ہے جبکہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو نقصان پہنچایا دونوں نے اپنا مقدمہ جناب داؤد کی خدمت میں پیش کیا۔ جناب داؤد نے کھیت والے کے حق میں فیصلہ کیا اور

---

[1] سورہ یوسف جس کی یہ آیت ہے کُل کی کُل مکہ میں نازل ہوا ہوا چار آیتوں کے تین آیتیں بالکل شروع کی چوتھی لقد کان فی یوسف و اخوتہ ایات للسائلین یہ مدینہ میں نازل ہوئیں ابو ہریرہ اس صورہ کے نازل ہونے کے مدتوں بعد مسلمان ہوئے تقریباً، برس بعد یہ آیات ہر مسلمان کو یاد تھیں اور صبح و شام تلاوت کی جاتی تھیں یقیناً ابو ہریرہ نے ان آیات کو مسلمانوں سے نماز و غیر نماز ہر حالت میں پڑھتے سنا ہوگا [2] مسند جلد ۲ صـ۲۳۰

اور جناب سلیمان نے بحکم الٰہی دوسرا فیصلہ کیا۔ بظاہر دونوں فیصلے ایک دوسرے
کے برعکس تھے، تو اسی کو پیشِ نظر رکھ کر انھوں نے جی سے ایک قصہ گڑھا اور
اسی بنیاد پر ایک حدیث پیغمبرؐ کی طرف سے بیان کردی اس امید میں کہ جب
کلام مجید میں ایسا ہی ایک قصہ موجود ہے تو میری ہوائی بھی چل جائے گی مگر
ابوہریرہ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ کلام مجید میں جو واقعہ مذکور ہے اس میں
جناب داؤد بھی حق پر تھے اور جناب سلیمان بھی برحق اور دونوں باپ بیٹوں کے
فیصلے منجانب اللہ اور اسی کے تعلیم کیے ہوئے تھے دونوں کا علم علم لدنی تھا۔

مختصر لفظوں میں اس واقعہ کی روئداد یہ ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے
شخص کے کھیت میں رات کے وقت سما گئیں وہ انگور کا تختہ تھا جس کے خوشے
نکل آئے تھے وہ بکری اُن خوشوں کو چر گئی، کھیت اور بکری والے دونوں
جناب داؤد کے پاس گئے۔ اس وقت بلحاظ احکام شرعیہ وحی الٰہی صحیح فیصلہ
یہ تھا کہ بکری کھیت والے کو دلوادی جائے کیونکہ بکری کی قیمت تقریباً اتنی ہی
آتی تھی جتنا کھیت کا نقصان ہوا تھا۔ جناب داؤد نے جب یہ فیصلہ کرنا چاہا
تو خداوند عالم نے اس حکم کو جناب سلیمان (کہ وہ بھی شریک نبوت تھے) کے
ذریعہ منسوخ کردیا اور انھیں یہ سمجھا دیا کہ اب اس قسم کے واقعہ میں حکم یہ ہوگیا ہے
کہ وہ بکری کھیت والے کو دلوادی جائے کہ وہ اس کے دودھ، بالوں سے فائدہ
اٹھاتا رہے اور کھیت بکری والے کے حوالہ کردیا جائے کہ وہ اس کو جوتے بوئے
یہاں تک کہ وہ پھل پھول کر پہلے جیسا ہو جائے اس وقت کھیت والا کھیت
لے لے اور بکری والا بکری لے لے۔ تو پہلے حکم کے مطابق کھیت کے نقصان کے
عوض بکری والا بکری سے محروم ہوجاتا مگر اس تازہ فیصلہ سے خداوند عالم نے

۱؎ جیسا کہ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے۔

... اس کا فائدہ اٹھائے جتنا اس بکری نے اس کے کھیت میں نقصان پہنچایا ہے بغیر اس کے کہ بکری والے کو اپنے مال سے محروم ہونا پڑے اور بکری والے پر ڈگری دی کہ وہ کھیت میں اس وقت تک کام کرے جب تک کہ کھیت میں جتنا نقصان ہو چکا تھا پورا نہ ہو جائے۔ جب خداوند عالم نے جناب سلیمان کو یہ بات سمجھائی تو انھوں نے اپنے والد بزرگوار جناب داؤد کے سامنے اس چیز کو پیش کیا۔ جناب داؤد نے جناب سلیمان کے فیصلہ کو جو منجانب وحی الٰہی تھا برقرار رکھا اور وہی فیصلہ صادر فرمایا۔ یہ ہے مختصر قصہ اس میں نہ کوئی تناقض ہے نہ اختلاف دونوں فیصلے خدا ہی کے کیے ہوئے تھے دوسرا ناسخ تھا پہلا منسوخ۔ میں کلام مجید کی آیت ذکر کرتا ہوں جس سے آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو جائے گی۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شاهدین ففهمناها[1] سلیمان وکلا اتیناه حکما وعلما وسخرنا مع داود الجبال یسبحن والطیر وکنا فاعلین۔

داؤد و سلیمان جبکہ وہ کھیت کے مقدمہ کا فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اس کھیت میں دوسرے کی بکریاں رات کے وقت گھس گئی تھیں۔ ہم اُن کے فیصلوں کے نگراں تھے۔ پس ہم نے سلیمان کو (یہ تازہ فیصلہ سمجھا دیا اور وہ پہلے فیصلہ کا جو اس دن سے قبل داؤد جانتے تھے ناسخ ہوا) ہم نے داؤد و سلیمان دونوں کو اپنی حکمت اور علم سے مالا مال کیا اور داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کیا وہ تسبیح پڑھتے تھے اور طائروں کو اور ہم ایسا کرنے والے تھے ہی۔

---

[1] یعنی ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور یہ اس فیصلہ کا جو ہم نے داؤد کو پہلے سمجھایا تھا ناسخ ہوا۔

... علیہم السلام نے اس ارشاد پر کہ وکلاً آتینا حکما وعلما

ہم نے دونوں کو علم وحکمت سے مالا مال کیا یہ ارشاد الٰہی صریحی نص ہے کہ دونوں کے دونوں راستی و درستی پر تھے اور دونوں کے فیصلے اور علم خدا ہی کی طرف سے اور خدا ہی کے تعلیم کردہ تھے۔

ابوہریرہ نے سوچا ہوگا کہ انبیا بھی اپنے اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کیا کرتے ہوں گے اور چونکہ اجتہاد میں خطا بھی ہوجاتی ہے اس لیے جناب داؤد بھی خطا کر گئے۔

انبیاء کرام کی حیثیت ایسوں ہی نے خاک میں ملائی کہ وہ انبیا جن پر وحیِ الٰہی نازل ہوتی ہے ملائکہ جن کے پاس حاضر ہوا کرتے ہیں جنھیں یقینی اور قطعی علم بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے انھیں بھی معمولی انسانوں جیسا سمجھا کہ وہ شرعی احکام میں اجتہاد فرمایا کریں اور ظن پر عمل پیرا ہوں اور جس طرح مجتہدین خطا کر جاتے ہیں اسی طرح انبیاء بھی شرعی فیصلوں میں احکام الٰہیہ میں خطا کرتے ہیں۔ اگر کچھ فہم غور کریں تو انھیں اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ انبیاء کے لیے اپنے اجتہاد پر عمل کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ اجتہاد کے ذریعہ کسی بات کا محض ظن وگمان ہی حاصل ہوتا ہے قطعی علم ہرگز نہیں اور انبیاء ظن وگمان پر اعتماد کر ہی نہیں سکتے کیونکہ وحی کے ذریعہ جب قطعی علم حاصل ہوجائے تو پھر ظن وتخمین کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اجتہاد پر عمل کرنا یہ تو مجتہدین کے لیے، عام امتی افراد کے لیے ہے کیونکہ ان پر وحیِ الٰہی تو نازل نہیں ہوتی ملائکہ آتے نہیں کہ قطعی علم حاصل ہوسکے اُن کے بس میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا ہے کہ وہ خود غور وفکر کرکے اجتہاد سے کام لے کر عمل پیرا ہوں۔

اگر انبیاء کے لیے اجتہاد جائز ہوتا تو یہ بھی درست ہوتا کہ امت کے مجتہدین

انبیاء کے منہ آئے معترض ہوئے کہ آپ نے یہ جو خدا کا حکم بتایا ہے یہ غلط ہے اس میں آپ کے اجتہاد سے خطا واقع ہوگئی ہے ہمارا اجتہاد یہ کہتا ہے اور اس وقت ظاہر ہے کہ نبوت کی کتنی مٹی پلید ہوتی انبیاء کی کوئی وقعت ہی باقی نہ رہ جاتی نہ کوئی ان کی اطاعت کرتا نہ پیروی اور بھلا کوئی مومن جو مجتہد بھی ہو اس کی مجال ہو سکتی ہے کہ نبی پر معترض ہو اور اس کے حکم کو رد کردے معاذاللہ یہ قطعاً کفر ہے۔

مزید براں قرآن مجید صریحاً بتاتا ہے کہ حضرت پیغمبر خداؐ محض وحی ہی پر عمل کیا کرتے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی اسی طرح دیگر انبیا و مرسلین بھی وحی الٰہی ہی کے تابع تھے

⑥ جناب سلیمان کا ایک شب میں سو عورتوں کے پاس جانا

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال: قال سلیمان بن داود لاطوفن اللیلۃ بمائۃ امرأۃ! تلد کل امرأۃ غلاما! یقاتل فی سبیل اللہ فقال لہ الملک! قل انشاء اللہ فلم یقل!! فاطاف بھن! فلم تلد منھن الا امرأۃ نصف انسان! (قال ابوھریرۃ) قال النبی لو قال انشاء اللہ	ابوہریرہ راوی ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا جناب سلیمان پیغمبرؑ نے کہا کہ میں آج کی رات سو عورتوں کے پاس جاؤں گا، ہر عورت کے یہاں ایک ایک بچہ پیدا ہوگا جو جوان ہوکر راہِ خدا میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے کہا انشاءاللہ کہیے مگر جناب سلیمان نے انشاءاللہ نہیں کہا، آپ سو عورتوں کے پاس گئے مگر کسی کے بچہ نہیں ہوا ایک عورت کے ہوا بھی تو ایسا بچہ جو آدھا انسان تھا (ابوہریرہ کہتے ہیں کہ) پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جناب سلیمان انشاءاللہ کہے ہوتے تو

لم یحنث وکان اُرجیٰ لحاجتہ ۔	آپ کی قسم جھوٹی نہ ہوتی اور آپ کا نخل تمنا یقیناً بارور ہوتا ۔

اس حدیث پر چند اعتراضات ہیں :-

(۱) انسانی قوت کے بس میں نہیں کہ ایک شب میں سو عورتوں کے پاس جاسکے چاہے وہ انسان کتنا ہی قوت والا کیوں نہ ہو، لہذا ابو ہریرہ نے جناب سلیمان کے متعلق جو بیان کیا وہ فطرت انسانی کے خلاف ہے ایسا واقع ہونا کبھی ممکن ہی نہیں۔

(۲) سلیمان پیغمبر کے لیے قطعاً جائز نہ تھا کہ وہ مشیتِ الٰہی سے گریز کریں اور اپنی تمناؤں کو مشیتِ الٰہی پر معلق نہ کریں اور وہ بھی اس وقت جبکہ ایک فرشتہ بھی یاد دہانی کر رہا ہو۔ جناب سلیمان کو انشاء اللہ کہنے سے مانع کیا چیز تھی معاذ اللہ اپنی کسرشان سمجھتے تھے؟ انشاء اللہ کہنا مہمل و بیکار جانتے تھے؟ اس کی اہمیت کے منکر تھے؟

جناب سلیمان تو خدا کی طرف دعوت دینے والوں، رہبری کرنے والوں میں سے تھے۔ ایسی لاپروائی تو خدا سے روگردان و غافل افراد ہی کر سکتے ہیں جو یہ نہ جانتے ہوں کہ تمام امور خداوند عالم کے ہاتھوں میں ہیں جو وہ چاہے گا وہی ہوگا اور جو نہ چاہے گا وہ کبھی نہ ہوگا۔ انبیاء کرام نہ غافل ہیں نہ جاہل۔

(۳) ابو ہریرہ نے بیویوں کی تعداد میں اوٹ پٹانگ باتیں کہی ہیں کبھی اور کسی حدیث میں تو انھوں نے یہ کہا کہ وہ سو عورتیں تھیں جیسا کہ آپ مذکورہ بالا حدیث میں سُن چکے۔ کبھی انھوں نے بیان کیا ہے ۹۰ عورتیں تھیں[۲]، کبھی یہ کہا کہ

---

[۱] صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۲۶ باب قول الرجل لاطوفن اللیلۃ علی نسائی، کتاب النکاح مسند جلد ۲ ص ۲۲۹ و ص ۲۷۰ [۲] صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۰۷ باب الاستثناء فی الایمان کتاب الایمان والنذور

۷۰ عورتیں تھیں اور کبھی یہ کہا کہ ۶۰ عورتیں تھیں[1] اور یہ تمام روایتیں جس میں ۱۰۰، ۹۰، ۷۰، ۶۰ عورتوں کا ذکر ہے صحیح بخاری میں بھی ہیں اور صحیح مسلم میں بھی[2] اور مسند احمد میں بھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان مختلف و متضاد اقوال کے متعلق ابوہریرہ کی طرف سے کیا عذر خواہی کی جائے گی۔ کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ حادثہ جناب سلیمان سے کئی مرتبہ وقوع میں آیا؟ کسی رات سَو عورتوں کے پاس گئے، کسی رات ۹۰ عورتوں کے پاس گئے، کسی رات ۷۰ اور کسی رات ۶۰ عورتوں کے پاس اور ہر مرتبہ ہر بار فرشتہ متنبہ کرتا رہا اور پھر بھی جناب سلیمان ان شاء اللہ نہ کہتے ہوں۔ میرا تو خیال ہے کہ کوئی بھی یہ کہنے پر تیار نہ ہوگا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ع دروغ گو را حافظہ نباشد

(۷) جناب موسیٰ نے ملک الموت کی آنکھ پھوڑ ڈالی

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال جاء ملك الموت الى موسىٰ فقال له اجب ربك قال فلطم موسى عين ملك الموت ففقاها! قال فرجع الملك الى الله تعالىٰ فقال انك ارسلتني الى عبد لك لا يريد الموت ففقا عيني قال فرد الله اليه عينه

ابوہریرہ راوی ہیں کہ ملک الموت جناب موسیٰ کے پاس آئے اور کہا چلیے اپنے پروردگار کے پاس کہ آپ کی بلاہٹ ہے۔ جناب موسیٰ نے ملک الموت کو ایک تھپڑ رسید کیا کہ اُن کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ ملک الموت اللہ تعالیٰ کے پاس واپس گئے اور جا کر کہا کہ خداوندا تو نے مجھے ایسے بندے کی روح قبض کرنے کو بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتا

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۶۵ باب قولہ تعالیٰ و وہبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ اواب۔ کتاب بدء الخلق

[2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳ کتاب الایمان۔ باب الاستثناء۔ امام مسلم نے اسی باب میں دوسری حدیث ابوہریرہ کی ستر عورتوں والی نیز تیسری روایت ۹۰ عورتوں والی بھی لکھی ہے ۱۲

وقال ارجع الى عبدي فقل الحياة تريد فان كنت تريد الحياة فضع يدك على متن ثور! فما توارت بيدك من شعرة فانك تعيش بها سنة [1] الحديث

بلکہ اس نے میری آنکھ پھوڑ دی۔ خداوند عالم نے ملک الموت کی آنکھ پھر سے ٹھیک کر دی اور کہا اب پھر میرے بندے کے پاس جاؤ اور کہو کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟ اگر واقعاً یہ خواہش ہے تو اس بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھو جتنے بال تمہارے ہاتھ تلے ڈھک جائیں گے تم اس دنیا میں اتنے ہی دن اور زندہ رہو گے

امام احمد نے اپنی مسند میں ابو ہریرہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کی لفظیں یہ ہیں۔

ان ملك الموت كان ياتي الناس عيانا فاتى موسى فلطمه ففقا عينه۔ الحديث [2]

ملک الموت لوگوں کی روح قبض کرنے ظاہر بظاہر کھلے بندوں آتے تھے چنانچہ اسی طرح جناب موسیٰ کی روح قبض کرنے بھی آئے انھوں نے ایک تھپڑ مار دیا جس سے ان کی ایک آنکھ ہی پھوٹ گئی۔

مورخ اعظم ابن جریر طبری نے تاریخ طبری [3] جلد اول میں ابو ہریرہ سے جو روایت کی ہے اس کی لفظیں یہ ہیں:-

ان ملك الموت كان ياتي الناس عيانا حتى اتى موسى فلطمه ففقا عينه

ملک الموت لوگوں کی روح قبض کرنے کھلم کھلا آتے تھے یہاں تک کہ جناب موسیٰ کی روح قبض کرنے بھی آئے جناب موسیٰ نے ایک طمانچہ مار دیا اور

---

[1] صحیح مسلم باب فضائل موسیٰ جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ کتاب الفضائل۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب وفاۃ موسیٰ ج ۲ صفحہ ۱۶۳ و جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ باب من احب الدفن فی الارض المقدسہ [2] مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ [3] جہاں علامہ طبری نے جناب موسیٰ کی وفات کا ذکر کیا ہے۔

وفی آخرھا ان ملک الموت
جاء الی الناس خفیا
بعد وفات موسی لہ

اُن کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ آخری ٹکڑا اس حدیث کا
یہ ہے کہ جناب موسیٰ کے بعد پھر ملک الموت کی
ہمت نہیں ہوئی کہ ظاہر بظاہر کسی کی روح قبض
کرنے آئیں اُس دن سے چھپ کر آنے لگے۔

غور فرمائیے ذرا اس حدیث میں کتنی باتیں ابوہریرہ نے ایسی بیان کی
ہیں جو نہ خدا کے لیے قطعاً جائز ہوسکتی ہیں نہ انبیاء کے لیے نہ ملائکہ کے لیے۔
کیا خدا کے لیے یہ بات کسی طرح مناسب ہوسکتی ہے؟ کہ وہ اپنے بندوں میں
ایسے شخص کو نبی و رسول منتخب کرے جو جابر و سرکش افراد کی طرح غصہ میں آپے سے
باہر ہوجائے اور موقع و بے موقع اپنا رعب و دبدبہ دکھاتا پھرے یہاں تک کہ
ملائکہ مقربین پر بھی ہاتھ جھاڑ دے اور اُجڈ، اکھڑ، گنوار آدمی جیسے کام کرے
اور جاہلوں کی طرح مُوت سے بھاگے۔ بھلا جناب موسیٰ کے لیے یہ بات کبھی مناسب
ہوسکتی تھی، وہ موسیٰ جنھیں خداوند عالم نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا، اپنی
وحی کا امانت دار بنایا، شرف ہمکلامی سے ممتاز کیا اور انبیاء و مرسلین کا سید
و سردار بنایا؟ اور کیونکر وہ موت سے اتنی کراہیت کرسکتے تھے جبکہ وہ اتنی بلند
منزل پر فائز تھے جتنی بلند منزل کمتر نبیوں کو ملی، قرب الٰہی اور دیدار جلوۂ محبوب
کی اتنی رغبت و تمنا رکھتے تھے جو سب کو معلوم۔ اور ملک الموت بیچارے کا قصور بھی
کیا تھا، وہ تو خدا کی طرف سے قاصد تھے، پیام لے کر آئے تھے، اس سزا کے مستحق

لہ اگر واقعاً ملک الموت قبل وفات جناب موسیٰ کھلم کھلا آتے ہوتے تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات
نہ ہوتی بچہ بچہ اس سے واقف ہوتا مگر افسوس کہ تمام محدثین و مورخین و اہل اخبار اس معاملہ میں قطعی
خاموش ہیں ابوہریرہ کے سوا کسی نے بھی ملک الموت کے متعلق یہ بات نہیں بیان کی۔ قیامت تو
یہ کہ قصہ کہانی، من گھڑت فسانے بنانے والوں کو بھی یہ بات نہ سوجھی۔ انھوں نے اس طبعزاد فسانے کو

کیونکر ہو سکتا ہے کہ [illegible] بھی اور [illegible] بھی پھوڑ دی اور وہ غریب تو حضرت اللہ کی طرف سے آئے اور بس اتنا کہا کہ چلیے اللہ کی طرف سے بلاوا ہے۔ کیا اولوالعزم پیغمبروں کے لیے جائز ہے کہ وہ کروبین ملائکہ کی درگت بنائیں اور جب وہ خدا کے پیام اور اوامر ونواہی لے کر آئیں تو انھیں پکڑ کر ٹھونک دیں!! پناہ بخدا

ہم لوگ اصحاب رس، فرعون، ابوجہل اور انھیں جیسے لوگوں سے کیوں بیزاری کرتے ہیں! صبح وشام ان پر لعنت بھیجتے ہیں اسی وجہ سے نا کہ ان لوگوں نے انبیاء مرسلین کو اذیتیں پہنچائیں، مظالم کے پہاڑ ڈھائے تو پھر انھیں فرعون و ابوجہل کے ایسے کام انبیاء مرسلین کے لیے کیونکر جائز ہو جائیں گے، خدا کی پناہ! یہ تو بہت ہی بڑا بہتان ہے انبیاء پر، پھر یہ بھی معلوم ہے کہ تمام انسانوں کی قوت بلکہ کل انسان وحیوان کی مجموعی طاقت بھی ملک الموت کی طاقت کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتی، لہذا جناب موسیٰ ملک الموت کو تھپڑ مارنے پر کیسے قادر ہو گئے اور ملک الموت نے خاموشی سے تھپڑ کھا کیسے لیا؟ جب ملک الموت قبض روح پر قدرت رکھتے تھے تو انھوں نے موسیٰ کی روح قبض کر کے (کیونکہ خدا نے اسی کا حکم دے کر انھیں بھیجا بھی تھا) اپنے کو مار کھانے سے بچایا کیوں نہیں اور فرشتہ کی ایسی آنکھ ہی کب ہوتی ہے کہ وہ خاکی پتلے کے تھپڑ سے پھوٹ جائے۔

لطف بالائے لطف یہ کہ بیچارے ملک الموت مفت میں پٹے بھی اور مفت میں آنکھ بھی کھوئی کیونکہ خداوند عالم نے ملک الموت کو اس کا حکم نہیں دیا کہ تم موسیٰ سے اپنا بدلہ چکاؤ، قصاص لو۔ وہ موسیٰ جو صاحب توراۃ تھے جس میں صاف صاف یہ حکم ہے کہ ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف[1]

---

[1] کلام مجید میں سورۂ مائدہ کی پینتالیسویں آیت ہے۔ بعینہ یہی مضمون موجودہ توراۃ کے سفر خروج باب ۲۱ فقرہ ۲۴ کا ہے۔

کا بدلہ آنکھ، ناک کا بدلہ ناک، کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت۔ ظاہر ہے کہ توریت کے احکام جس طرح امت موسیٰ کے لیے تھے اسی طرح موسیٰ کے لیے بھی، ملک الموت اپنی آنکھ کا قصاص موسیٰ سے بآسانی لے سکتے تھے کیونکہ انھیں کی شریعت کا قانون تھا۔ مزید یہ کہ جناب موسیٰ کی اس حرکت پر خداوند عالم نے موسیٰ کو کچھ سرزنش بھی نہیں کی بلکہ اُن کی عزت اور بڑھائی کیونکہ اسی تھپڑ کے مارنے کے سبب انھیں اختیار دیا کہ چاہے موت قبول کرو یا ہزاروں برس دنیا میں رہو۔ یہ آخر بیل کے بالوں کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں کون سی حکمت تھی۔

واللہ اس شخص ابوہریرہ نے تو اپنے ہوا خواہوں پر اتنا بوجھ لاد دیا ہے جس کو وہ اٹھانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے اور انھیں ایسی ایسی حدیثیں بیان کر کے ایسی مصیبت میں ڈالا ہے جنھیں اُن کی عقلیں کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتیں خصوصاً اس حدیث میں اُن کا یہ فقرہ کہ ملک الموت موسیٰ کے قبل ظاہر بظاہر آتے تھے اور جناب موسیٰ کے مرنے کے بعد چوری چھپے آنے لگے — خدا کی پناہ ایسے مزخرفات و مہملات سے۔

⑧ پتھر کا جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگنا اور جناب موسیٰ کا اس کے پیچھے دوڑنا اور بنی اسرائیل کا جناب موسیٰ کو مادر زاد برہنہ دیکھنا

بخاری و مسلم نے بسلسلۂ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے ابوہریرہ بیان کرتے ہیں:۔

کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراۃ ینظر بعضھم الی سوأۃ	بنو اسرائیل برہنہ نہایا کرتے اور ایک دوسرے کی شرمگاہ دیکھا کرتے تھے مگر جناب موسیٰ ہمیشہ

بعض وکان موسیٰ یغتسل وحدہ فقالوا واللہ ما یمنع موسیٰ ان یغتسل معنا الا انہ آدر (ای ذو فتق) قال فذھب مرۃ یغتسل فوضع ثوبہ علی حجر ففر الحجر بثوبہ فجمح موسیٰ باثرہ یقول! ثوبی حجر! ثوبی حجر! حتی نظر بنو اسرائیل الی سوأۃ موسیٰ فقالوا واللہ ما بموسیٰ من باس فقام الحجر بعد حتی نظر الیہ فاخذ موسیٰ ثوبہ فطفق بالحجر ضربا فواللہ ان بالحجر ندبا ستۃ او سبعۃ [1]

تنہا نہاتے، بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ کے تنہا نہانے پر یہ بات کہی کہ موسیٰ ہم لوگوں کے ساتھ اس وجہ سے نہیں نہاتے کہ ان کو فتق کا عارضہ ہے، ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک مرتبہ جناب موسیٰ نہانے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے وہ پتھر جناب موسیٰ کے کپڑے لے کر بھاگا جناب موسیٰ یہ کہتے ہوئے پتھر کے پیچھے دوڑے کہ پتھر! میرے کپڑے! پتھر! میرے کپڑے موسیٰ کے برہنہ دوڑنے پر بنی اسرائیل کو موقع مل گیا انھوں نے موسیٰ کی شرمگاہ دیکھ لی، کہنے لگے خدا کی قسم موسیٰ میں تو کوئی عیب نہیں، تھوڑی دور جا کر پتھر رک گیا، جناب موسیٰ نے لپک کر پتھر سے اپنے کپڑے اٹھا لیے اور اس پتھر کو مارنا شروع کیا، خدا کی قسم اس پتھر پر جناب موسیٰ کی مار کی وجہ سے ۶ یا ۷ نشان پڑ گئے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انھیں ابوہریرہ سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ پتھر والا واقعہ وہی ہے جس کی طرف خداوند عالم نے کلام مجید میں اشارہ فرمایا ہے:-

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تکونوا کالذین اٰذوا موسیٰ فبرأہ اللہ مما

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ باب فضائل موسیٰ؛ صحیح بخاری صفحہ ۱۶۲ ج ۲ صفحہ ۴۲ ج ۱ باب من اغتسل عریانا - کتاب غسل - مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۵

قالوا وکان عند اللہ وجیھا اے ایمان لانے والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی مگر خداوند عالم نے موسیٰ کو تکلیف سے محفوظ رکھا اور وہ خدا کے نزدیک بڑے معزز تھے۔

اس حدیث میں جو ناممکن اور بعید از عقل باتیں ہیں وہ آپ کی نظروں سے مخفی نہ ہوں گی، یہ بیان کرنا کہ جناب موسیٰ اپنی قوم والوں کے سامنے مادر زاد برہنہ ہو گئے، کیونکہ جائز ہو سکتا ہے؟ عریانی اور وہ بھی بھرے مجمع میں عریانی کے بعد جناب موسیٰ کی عزت و منزلت کیا باقی رہ جاتی ہے، خصوصاً جب قوم والوں نے دیکھا ہو گا کہ جناب موسیٰ پتھر کو پکارتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں پتھر میرے کپڑے، پتھر میرے کپڑے، حالانکہ پتھر بے جان، بے حس نہ دیکھ سکتا تھا، نہ سن سکتا تھا، پھر جب پتھر رک گیا تو جناب موسیٰ لوگوں کی نظروں کے سامنے برہنہ کھڑے ہو گئے اور لگے اس پتھر کو مارنے جیسے کوئی دیوانہ، سٹری، سودائی شخص ہو بھلا کسی کی سمجھ میں بھی یہ بات آسکتی ہے؟ پھر اگر یہ صحیح بھی ہو کہ پتھر واقعتاً جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگا تھا تو پتھر جان تو رکھتا نہیں وہ تو بہر حال پتھر تھا یہ بات یقیناً خدا کے حکم سے ہوئی ہو گی، خدا ہی نے اس پتھر کو کپڑے لے بھاگنے کا حکم دیا ہو گا خدا کے حکم و مشیت پر جناب موسیٰ کا بگڑنا کیسا کہ لگے اسے ٹھونکنے وہ تو حکم الٰہی سے مجبور ہو کر کپڑے لے بھاگا تھا اس غریب کی کیا خطا تھی؟ پھر پتھر کو مارنے سے پتھر کا بگڑا کیا؟ اس زدو کوب سے اسے کیا تکلیف ہوئی۔

پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ پتھر جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگا تو جناب موسیٰ کے لیے کب جائز تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے ننگے آجائیں؟ اور ذلت و رسوائی مول لیں۔ جناب موسیٰ کے لیے یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ پانی ہی میں ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ کوئی کپڑے لا کر دے دیتا یا اور کسی طرح اپنی شرمگاہ چھپا کر پانی سے نکلتے

مزید براں پتھر کا کپڑے لے بھاگنا معجزہ ہی تو تھا؟ اور معجزہ ہر وقت تو پیش آتا نہیں جب ضرورت ہوتی ہے تو معجزہ کا ظہور ہوتا ہے، جب مخالف نبی کو جھٹلاتا ہے، نبوت سے انکار کرتا ہے؟ نبوت کا ثبوت مانگتا ہے اس وقت معجزہ ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھو اگر تم ہمارے دعوائے رسالت کو جھوٹا سمجھتے ہو تو ہم اپنے دعوائے نبوت اور اپنی صداقت ثبوت میں یہ خارق عادت انہونی بات کر دکھاتے ہیں جس طرح ہمارے پیغمبرؐ کے لیے مکہ معظمہ میں ایک درخت چل پڑا تھا مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اس درخت سے کہیے کہ وہ اپنی جگہ سے آپ کے پاس آجائے اور خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی تصدیق کے لیے اس درخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا اور یہ ظاہر و واضح ہے کہ جناب موسیٰ کے نہانے کے وقت نہ تو کوئی ثبوتِ نبوت کا طالب تھا اور نہ معجزہ کے ظہور کی ضرورت تھی، لہٰذا خواہ مخواہ معجزہ کیسے ظہور میں آگیا اور وہ بھی ایسا معجزہ کہ اس سے نبی کی نبوت کا ثبوت، نبی کی عظمت و جلالت کا اظہار تو درکنار، اُلٹے نبی کی فضیحتی اور رسوائی تھی کہ ننگے مادر زاد پاگلوں کی طرح دوڑتے ہوئے بھرے مجمع کے سامنے آگئے کہ جو بھی دیکھے یا سُنے مذاق اُڑانے لگے۔

اگر یہ کہا جائے کہ پتھر اس لیے کپڑے لے بھاگا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جناب موسیٰ کو فتق کا عارضہ نہیں ہے تو یہ کوئی ایسی خاص بات نہ تھی جس کی وجہ سے یہ جائز و مباح ہو جائے کہ موسیٰ لوگوں کے سامنے ننگے دوڑنے لگیں اور نہ کوئی ایسی اہم بات تھی کہ اس کے لیے معجزہ دکھانا ضروری ہو جائے اور بھی تو بہت سی صورتیں تھیں جن سے بنی اسرائیل معلوم کر سکتے تھے کہ موسیٰ کو یہ مرض ہے یا نہیں؟ جناب موسیٰ کی بیویوں کو تو یہ بات معلوم رہی ہو گی اُن سے پوچھا جا سکتا تھا وہ بتا سکتی تھیں

اگر ہم مان بھی لیں کہ جناب موسیٰ کو یہ عارضہ تھا تو اس میں خرابی کیا تھی۔ ایسا ہونا کون سا عیب تھا، جناب شعیب بینائی سے محروم ہو گئے تھے جناب ایوب کو جسمانی بیماریاں لاحق ہوئیں، بہت سے انبیا مرض میں مرے۔ ایسی معمولی معمولی بیماریوں سے انبیا کا محفوظ ہونا کوئی ضروری نہیں خصوصاً ایسی بیماری جو لوگوں کی نظروں سے مخفی بھی رہے جیسے فتق کا عارضہ۔ ہاں انبیا میں ایسے عیوب و امراض جس سے اُن کے درجہ و منزلت میں فرق آجائے یا ان کی مردانگی پر دھبہ لگے یا لوگوں کی نفرت و بیزاری کا سبب ہو یا عوام الناس کو ہنسی اڑانے کا موقع ہاتھ آئے البتہ ہونے ناممکن ہیں اور فتق اس قسم کی بیماری نہیں۔

مزید براں یہ قول کہ بنی اسرائیل جناب موسیٰ کے متعلق یہ گمان کرتے تھے کہ آپ کو فتق کا عارضہ ہے صرف ابو ہریرہ ہی سے منقول ہے اور کسی نے بھی یہ بات نہیں بتائی۔

رہ گیا ابو ہریرہ کا یہ کہنا کہ جناب موسیٰ کے اسی واقعہ کی طرف خداوند عالم نے اس آیہ مبارکہ یاایہا الذین آمنوا الخ میں اشارہ کیا ہے تو یہ بھی قطعی غلط ہے اس آیت سے اشارہ دوسری ہی بات کی طرف ہے نہ کہ اس قصہ عریانی کی طرف، چنانچہ امیر المومنینؑ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ پر الزام رکھا تھا کہ انھوں نے ہارون کو قتل کر ڈالا، اسی کی طرف اس آیت میں قدرت نے اشارہ کیا ہے جُبّائی نے اسی کو صحیح سمجھا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں قارون کی اس حرکت کی طرف اشارہ ہے جو اس نے ایک بدکار عورت کو آمادہ کیا تھا کہ جناب موسیٰ پر یہ الزام لگائے کہ انھوں نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے مگر خداوند عالم نے جناب موسیٰ کو اس تہمت سے محفوظ رکھا اور اس سے سچ بات کہلا دی۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آذوہ سے انھوں نے اذیت دی ہے مطلب یہ ہے کہ معجزات و

آیات کو دیکھنے کے بعد بھی بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ کو جادوگر، جھوٹا اور دیوانہ کہا۔ سب سے زیادہ تعجب تو بخاری و مسلم پر ہے جنھوں نے اس حدیث کی روایت کی اور اپنے صحیحین میں اسے اور اس سے پہلی والی حدیث کو جناب موسیٰ کے فضائل کے ضمن میں درج کیا۔ سمجھ میں خاک نہیں آتا کہ بھلا ملائکہ مقربین کو ٹھونگے اُن کی آنکھ پھوڑ دینے، اپنی شرمگاہ عریاں کرنے میں کون سی فضیلت مخفی تھی کون سی عظمت ظاہر ہوگئی ان حرکتوں سے؟ ان مہملات و رکیک باتوں میں کون سا ایسا وزن تھا جس کی وجہ سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں درج کرنے کے قابل سمجھی گئیں، جناب موسیٰ کلیم خدا ان مہملات و مزخرفات باتوں سے بہت ارفع و اعلیٰ تھے۔

(۹) لوگوں کا بروز قیامت جناب آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ کی پناہ ڈھونڈھنا اُن کی شفاعت و سفارش کی توقع میں مگر ان حضرات کا خود اپنے بارے میں غلطاں و پیچاں ہونا

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے یہ طولانی حدیث منجملہ اُن کی طول طویل حدیثوں کے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں:۔

یجمع اللہ الناس الاولین منھم والآخرین یوم القیامۃ فی صعید واحد یسمعھم الداعی، وینفذھم البصر، وتدنو الشمس فیبلغ الناس من الغم والکرب

خداوند عالم بروز قیامت اگلے اور پچھلے تمام لوگوں کو اکٹھا کرے گا، آفتاب سروں کے نزدیک آجائے گا اور اندوہ و تکلیف ناقابل برداشت ہو جائے گی، اس وقت لوگ آپس میں

ما لا يطيقون ولا يحتملون ؟ فيقول
الناس الا ترون ما قد بلغكم
الا تنظرون من يشفع لكم الى
ربكم فيقول بعض الناس لبعض
عليكم بآدم فيأتون آدم فيقولون
له: انت ابو البشر خلقك الله
بيده ونفخ فيك من روحه
وامر الملائكة فسجدوا لك
اشفع لنا الى ربك الا ترى
ما نحن فيه ؟ الا ترى ما قد
بلغنا ؟ فيقول آدم ! ان
ربي قد غضب اليوم غضبا
لم يغضب قبله مثله ! ولن
يغضب بعده مثله ! وانه
نهاني عن الشجرة فعصيته
نفسي نفسي نفسي !!! اذهبوا
الى غيري اذهبوا الى نوح
(قال) فيأتون نوحا (عليه السلام)
فيقولون ! يا نوح انك انت
اول الرسل الى اهل الارض
وقد سماك الله

دیکھتے نہیں ، کسی ایسے پر اپنی نظر نہیں دوڑاتے
جو پروردگار سے تمھاری سفارش کر دے۔ اس پر
بعض لوگ بعض سے کہیں گے جناب آدم کے
پاس چلنا چاہیے ، وہ لوگ آدم کے پاس
آئیں گے اور اُن سے کہیں گے ، آپ ابوالبشر
ہیں ، خداوند عالم نے آپ کو اپنے دست خاص سے
پیدا کیا ہے اور اپنی روح آپ میں پھونکی اور
ملائکہ کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا تھا ، آپ اپنے
پروردگار سے ہماری سفارش فرمائیں ۔ آپ
دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال میں ہیں ؟ آپ ہماری
مصیبت پر نظر نہیں کرتے ؟ اس پر جناب آدم
فرمائیں گے آج کے دن میرا پروردگار ایسا
غضب ناک ہوا ہے جیسا آج سے پہلے کبھی
غضب ناک نہیں ہوا اور نہ بعد میں ہوگا۔ خداوند عالم
نے مجھے درخت کے پاس جانے سے منع کیا تھا
مگر میں نے خدا کی نافرمانی کی ، مجھے اپنی جان کے
خود ہی لالے پڑے ہیں تم اور کسی کے پاس
جاؤ ۔ نوح سے ملو ۔ اس پر وہ لوگ جناب نوح
کے پاس آئیں گے اور کہیں گے یا حضرت !
آپ پہلے نبی مرسل ہیں جو باشندگان ارض پر
مبعوث ہوئے خداوند عالم نے آپ کا

عبدا شكورا! اشفع لنا الى
ربك الا ترى الى ما نحن فيه؟
فيقول: ان ربي قد غضب
اليوم غضبا لم يغضب قبله
مثله ولن يغضب بعده مثله!
وانه قد كانت لي دعوة
دعوتها على قومي نفسي نفسي
نفسي!!! اذهبوا الى غيري
اذهبوا الى ابراهيم (قال):
فيأتون ابراهيمؑ فيقولون!
يا ابراهيم انت نبي الله و
خليله من اهل الارض
اشفع لنا الى ربك الا ترى
الى ما نحن فيه؟ فيقول لهم!
ان ربي قد غضب اليوم غضبا
لم يغضب قبله مثله! ولن
يغضب بعده مثله! واني
قد كنت كذبت ثلاث
كذبات، نفسي نفسي نفسي!!
اذهبوا الى غيري اذهبوا الى
موسىؑ (قال) فيأتون موسى

شکر گذار بندہ" نام رکھا ہے آپ اپنے پروردگار
سے ہماری سفارش کیجیے آپ ہماری مصیبت نہیں
دیکھتے؟ جناب نوح فرمائیں گے کہ آج میرا پروردگار
اتنا غضبناک ہے جتنا کبھی غضبناک نہیں ہوا
نہ کبھی ہوگا مجھ سے خود ایک خطا ہو چکی ہے کہ
میں نے اپنے قوم والوں پر بد دعا کی تھی، اس خطا
کی وجہ سے مجھے اپنی ہی پڑی ہے تم لوگ کسی
اور کے پاس جاؤ، ابراہیم سے ملو! وہ لوگ
جناب ابراہیم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔
جناب ابراہیم! آپ خدا کے نبی اور اس کے خلیل
ہیں اپنے پروردگار سے ہماری سفارش فرمائیے،
آپ ہمارا برا حال دیکھتے نہیں؟ اس پر جناب ابراہیم
فرمائیں گے کہ میرا پروردگار آج اتنا غضبناک ہے
جتنا کبھی غضبناک نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ میں نے
تین بار جھوٹ بولا تھا جس کی وجہ سے خود مجھے
اپنی جان کے لالے پڑے ہیں تم اور کسی کے پاس
جاؤ، موسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ جناب موسیٰ کے
پاس آئیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ آپ
خدا کے پیغمبر ہیں خداوند عالم نے آپ کو پیغمبری پر
فائز کر کے اور شرف ہمکلامی عنایت فرما کر سب پر
فضیلت بخشی۔ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش

يقولون يا موسى انت رسول الله
فضلك الله برسالته وبكلامه
على الناس اشفع لنا الى ربك
الاترى الى ما نحن فيه؟ فيقول ان
ربي قد غضب اليوم غضبا لم
يغضب قبله مثله! ولن يغضب
بعده مثله! واني قد قتلت نفسا
لم اومر بقتلها! نفسي نفسي نفسي!!!
اذهبوا الى غيري اذهبوا الى عيسى
(عليه السلام) (قال): فيأتون
عيسى فيقولون يا عيسى انت رسول الله
وكلمته التي القاها الى مريم وروح منه
وكلمت الناس في المهد صبيا اشفع
لنا الى ربك الاترى الى ما نحن فيه؟
(قال) فيقول عيسىؑ ان ربي قد
غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله
مثله ولن يغضب بعده مثله!
ولم يذكر ذنبا نفسي نفسي!!!
اذهبوا الى محمد (قال) فيأتون محمد
فيقولون يا محمد انت رسول الله و
خاتم الانبياء وقد غفر الله لك

کیجیے کہ دیکھیے ہمارا یہ حال ہو رہا ہے۔ جناب موسیٰ
فرمائیں گے کہ ہمارا پروردگار آج اتنا غضبناک ہے
جتنا کبھی غضبناک نہ ہوا نہ ہوگا، میں نے بھی
ایک شخص کو جان سے مار ڈالا تھا اس کے خیال سے
میں خود اپنے بارے میں متردد ہوں کہ میرا کیا انجام
ہوگا، تم لوگ اور کسی سے ملو، عیسیٰ کے پاس جاؤ،
وہ لوگ جناب عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے
حضور آپ خدا کے رسول اور خدا کے وہ کلمہ ہیں
جسے خداوند عالم نے مریم کی طرف القا کیا، آپ
خدا کی روح ہیں آپ نے لوگوں سے شیرخوارگی کے زمانہ
میں بات کی تھی، آپ اپنے پروردگار سے ہماری
سفارش کیجیے۔ آپ ملاحظہ نہیں فرماتے کہ ہم کس
حال میں ہیں۔ اس پر جناب عیسیٰ فرمائیں گے کہ
آج کے دن ہمارا پروردگار اتنا غضبناک ہے جتنا
کبھی غضبناک نہیں ہوا، مجھے خود ہی اپنی جان
کی پڑی ہے (انھوں نے اپنا کوئی گناہ نہیں
ذکر کیا) تم لوگ محمد مصطفیٰؐ کے پاس جاؤ۔ وہ
لوگ پیغمبر خداؐ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے
یا محمدؐ آپ خدا کے رسول ہیں اور خاتم النبیین
ہیں خداوند عالم نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ
معاف کردیے ہیں آپ اپنے پروردگار سے ہماری

لنا الی ربك، الا ترىٰ الی ما نحن فیه؟ قال ابوهریرة قال رسول اللہ ﷺ فانطلق فاتی تحت العرش فاقع ساجدا لربی عزوجل ثم یفتح اللہ علیّ من محامده وحسن الثناء علیه شیئا لم یفتحه علی احد قبلی ثم یقال یا محمد ارفع راسك سل تعطه واشفع تشفع فارفع راسی فاقول! امتی یارب امتی یارب فیقال! یا محمد ادخل من امتك من لا حساب علیهم من الباب الایمن من ابواب الجنة وهم شرکاء الناس فیما سوی ذالك من الابواب[1]۔

... اپنے ... نہیں فرماتے ہمارا کیا حال ہو رہا ہے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا[1] پس میں روانہ ہوں گا اور عرش کے نیچے پہنچوں گا وہاں پہنچ کر میں اپنے پروردگار کے سجدے میں گر پڑوں گا، پھر خداوند عالم اپنے ایسے اوصاف و محامد کا انکشاف مجھ پر فرمائے گا اور ایسی حمد اور حسین ترمدح وثنائے الٰہی میری زبان سے ادا ہوگی جیسی آج تک کسی نبی، پیغمبر نے نہ کی ہوگی پھر کہا جائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ جو مانگو وہ پاؤ گے اور جس کی بھی سفارش کرو وہ مقبول ہوگی۔ اس وقت میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا میری امت، میری امت، اے میرے پروردگار۔ اس وقت کہا جائے گا اے محمد جنت کے دروازہ "ایمن" نامی سے اپنی امت بے حساب لوگوں کو لے جاؤ یہ دروازہ صرف تمہاری امت کے لوگوں کے لئے مخصوص ہے اس دروازے کے علاوہ اور جتنے دروازے جنت کے ہیں اُن سے بھی داخل جنت ہونے میں تمہاری امت والے دوسری امت کے جنتی لوگوں کے برابر کے حصہ دار ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۳ صفحہ تفسیر سورہ جن باب ذریة من حملنا مع نوح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۰ آخر باب الشفاعة کتاب الایمان مسند امام احمد جلد ۲ مسند ابی ہریرہ ۱۲

ابوہریرہ کی اس حدیث میں اولوالعزم انبیاء و مرسلین اور منتخب بندگان الٰہی کی جتنی توہین و تذلیل کی گئی ہے وہ پوشیدہ نہیں، کہاں تو انبیائے ماسبق کی ثنا و صفت، مدح و ستائش میں پیغمبر کے وہ گراں قدر ارشادات کہ جن پر نظر کر کے ہیبت و جلال سے سینے بھر جائیں اور ان کی بلندی منزلت دیکھ کر پیشانیاں جھکنے پر مجبور ہوں آپ نے انبیائے سلف کا ایسا تعارف کرایا جس سے ہمیشہ نسل انسانی کے کان آشنا نہ ہو سکتے اور کہاں انبیائے کرام کی یہ داستان رسوائی پیغمبر خدا ہی کی زبانی؟ ابوہریرہ کی یہ مہمل و رکیک حدیث پیغمبر خدا کے ارشادات سے کسی قسم کی مناسبت ہی نہیں رکھتی، رات اور دن کا تفرقہ ہے اس حدیث میں اور اقوال پیغمبر میں جو انبیائے کرام کے متعلق آپ نے واقعاً فرمائے ہیں، خدا کی پناہ اس سے کہ انبیائے کرام کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جیسی اس حدیث میں ابوہریرہ نے اُن کی طرف منسوب کی ہیں، نہ تو جناب آدم کسی امر حرام کے مرتکب ہوئے نہ انھوں نے خداوند عالم کی کوئی ایسی نافرمانی کی جو سبب غضب الٰہی ہو حاشا وکلّا اہل ایمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، خداوند عالم نے انھیں درخت سے جو روکا تھا تو بطور نہی تنزیہی روکا تھا۔

اسی طرح جناب نوح نے اگر کافروں پر بد دعا بھی فرمائی تو خوشنودی الٰہی ہی کے لیے، جناب ابراہیم کو جھوٹ بولنے بلکہ کسی ایسے قول و فعل سے جو ناراضی الٰہی کا موجب ہو یا حکمت کے مخالف ہو دور کا بھی واسطہ نہیں، جناب موسیٰ معاذ اللہ کسی ایسے کو قتل کر سکتے تھے؟ جس کے قتل پر خداوند عالم غضبناک ہوتا قتل کا مرتکب تو وہ ہو سکتا ہے جو نہ تو عند اللہ کوئی وقعت رکھتا ہو نہ ارباب عقل کی نظروں میں اس کا کوئی وزن ہو، خداوند عالم ان انبیائے کرام کے ساتھ تو بہتر سے بہتر ہی سلوک فرمائے گا جیسا کہ خود ارشاد الٰہی ہے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہو سکتا ہے۔

یہ انبیائے کرام بلند و برتر ہیں اس سے کہ اپنے پروردگار کے متعلق یہ وہم و گمان
کرتے کہ وہ ان پر ایسا غضب ناک ہوگا جتنا کبھی نہ غضبناک ہوا تھا نہ کبھی آیندہ
غضبناک ہوگا اور پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفٰے بھی ان انبیائے کرام کے متعلق وہی باتیں
زبان پر لا سکتے ہیں جو ان کے شایان شان ہوں۔

پھر قابل غور یہ ہے کہ اہل محشر کے لیے ممکن کیونکر ہوگا کہ وہ باہمی صلاح و مشورہ
کریں وہ تو اس عالم میں ہوں گے تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع
کل ذات حمل حملھا وتری الناس سکاریٰ وماھم بسکاریٰ ولکن
عذاب اللہ شدید، یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ
وبنیہ لکل امرءٍ منھم یومئذ شان یغنیہ کہ دودھ پلانے والی ماں کو
اپنے دودھ پیتے بچے کی بھی خبر نہ ہوگی اور حاملہ عورت اپنا حمل گرا دے گی، تم لوگوں کو
دیکھو گے کہ جیسے وہ نشہ میں مست ہیں مگر وہ حقیقتاً مست نہ ہوں گے بلکہ وہ خدا کا
انتہائی عذاب ہوگا۔ جس دن کہ انسان اپنے بھائی سے، ماں باپ سے، بیوی
بچوں سے دور بھاگے گا ہر شخص اپنی ہی مصیبت میں گرفتار ہوگا اور کسی طرف سر
اٹھانے کی فرصت ہی نہ ہوگی۔

پھر وہ اہل محشر اس گھڑی انبیائے کرام تک پہنچنے کیسے پائیں گے، انبیا
تو اس دن اعراف میں ہوں گے، کیا یہ ممکن ہے کہ زمین کے رہنے والے آسمان پر
پہنچ جائیں، اور کیوں نہیں اہل محشر ابتدا ہی سے پیغمبر خدا کا دامن پکڑ لیں گے ؟
اوروں کے پاس جانے کی ضرورت ہی کیا ہوگی؟ شروع سے حضرت محمد مصطفٰےؐ
رحمۃ للعالمین کا توسل کرتے کہ اس دن آپ کی عظمت و منزلت سب سے بلند و بالا
ہوگی، آپ کے ایسا عز و شرف کسی کو اس دن نصیب نہ ہوگا، آپ کی جملہ سفارشیں
منظور ہوں گی۔ کوئی شخص بروز قیامت آپ کے درجہ سے بے خبر ہوگا بھی نہیں،

کیوں نہیں آدم، ابراہیم و موسیٰ شروع ہی سے اہلِ محشر کو ہدایت کریں گے کہ تم لوگ محمد مصطفےٰ کے پاس جاؤ۔ ان بیچاروں کو پہلے ہی سے یہ انبیائے کرام حضرت محمد مصطفےٰ کا پتہ دے دیتے جو اس حشر کے دن بہت سے امور کے مالک و مختار ہوں گے۔ کیا یہ انبیائے کرام پیغمبرؐ کے اس درجہ و منزلت اور مقام محمود سے نا واقف ہوں گے جو بروز قیامت انھیں حاصل ہوگا یا تباہ حال فریادی مومنین کو ستانا، دربدر کی ٹھوکریں کھلانا زیادہ اچھا معلوم ہوگا۔

ہم ابو ہریرہ سے یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ وہ سب غریب ہمارے پیغمبر کی اُمت سے ہوں گے یا کسی اور نبی کی امت سے۔ اگر پیغمبرؐ ہی کی امت سے ہوں گے تو انھیں آدم، نوح، ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہوگی کیوں نہیں وہ اپنے پیغمبر ہی کے پاس فریاد لے کر آئیں گے اور اگر وہ کسی اور نبی کی امت سے ہوں گے تو پیغمبر جو رحمۃ للعالمین تھے اپنی امت والوں ہی کی خاص کر سفارش کیوں کریں گے۔ ہمارے پیغمبرؐ کو خداوند عالم نے مجسمۂ رحمت بنایا ہے، قیامت کے دن انھیں شفاعت کا حق بخشا ہے، طبعی طور پر چاہیے تو یہ کہ پیغمبر فریادیوں کی التجا رائگاں نہ جانے دیں نہ اُن کی تمناؤں پر پانی پھیریں بلکہ جس طرح اپنی امت والوں کی سفارش کریں اسی طرح جو بھی آپ کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر پہنچے اسے محروم نہ کریں کہ آپ ہر امیدوار کی امید گاہ اور ہر خائف و ہراساں کے لیے جائے پناہ ہیں۔

(۱۰) انبیا کا شک کرنا

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا:-

قال نحن احق بالشک من | ہم ابراہیم خلیل اللہ کی بہ نسبت شک کرنے کے

ابراهیم اذ قال رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تومن قال، بلی ولکن لیطمئن قلبی، ویرحم الله لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید، ولولبثت فی السجن طول مالبث یوسف لاجبت الداعی

زیادہ حق دار ہیں ابراہیم نے کہا رب ارنی کیف تحیی الموتی الخ پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے خداوند عالم نے فرمایا کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ ابراہیم نے کہا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ اور خدا رحم کرے لوط پر انھوں نے مضبوط ٹھکانے کی تمنا کی تھی اور اگر یوسف کی طرح اتنی طولانی مدت میں قیدخانہ میں رہتا تو بلانے والے کے بلانے پر آجاتا۔

یہ حدیث کئی وجہوں سے مہمل و غلط ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیل اللہ جناب ابراہیم (قدرت الٰہی میں) شک رکھتے تھے حالانکہ ابراہیم وہ ہیں جن کے متعلق ارشاد الٰہی ہے وکذالک نری ابراهیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین۔

اور ایقان و یقین علم کا سب سے بڑا درجہ ہے یہ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی چیز کا یقین کامل رکھتا ہو وہی اس چیز میں شک کرنے والا نہیں ہو سکتا، اور معمولی سے معمولی عقل اس بات کا تصور تک نہیں کر سکتی کہ کسی نبی نے بھی کبھی کوئی شک کیا ہو کوئی مسلمان بھی کسی نبی کے متعلق یہ نہیں خیال کر سکتا کہ وہ ڈھل مُل یقین رہے ہوں۔

رہ گیا ارشاد الٰہی واذ قال الخ جب ابراہیم نے کہا پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ جناب ابراہیم قدرت خدا میں شک رکھتے تھے بلکہ مقصد یہ تھا کہ زندہ کرنے کی کیفیت دیکھنے کے خواہشمند تھے

وہ منظر وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کیسے ریک بے جان حیات کا لباس پہن لیتا ہے اور منظر دیکھنے کی خواہش اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب یہ یقین پہلے سے ہو کہ خداوند عالم زندہ کرنے پر قادر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں عرض کروں کہ کیسے اور کیونکر کا سوال اسی چیز کے متعلق کیا جاتا ہے جو چیز موجود ہو اور پوچھنے والے کو بھی اس کا موجود ہونا پہلے سے معلوم ہو اور جس سے پوچھا جائے اسے بھی جیسے زید کیسا ہے یعنی تندرست ہے کہ بیمار ہے یا زید نے یہ کام کیسا کیا اچھا یا بُرا؟ یا یہ بات کیونکر ہو گی کیسے ہو گی یعنی ہماری مرضی کے مطابق یا ہماری خواہش کے خلاف۔ اسی طرح جناب ابراہیم کا سوال رب ارنی کیف تحیی الموتی خداوند مجھے دکھا دے کہ تو مُردے کو کیونکر زندہ کرتا ہے کا مطلب بھی یہی ہے۔ جناب ابراہیم یہ علم و یقین رکھتے تھے کہ خداوند عالم مردہ کو زندہ کرتا ہے مگر اس کیفیت اس منظر کو دیکھنا چاہتے تھے کہ کیسے مُردہ زندہ ہو گا؟ لیکن چونکہ جناب براہیم کے اتنا پوچھنے اور صرف منظر دیکھنے کی خواہش سے بھی کسی نادان و ناواقف منزلت براہیمی کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہو سکتی تھی کہ معاذ اللہ جناب ابراہیم قدرت خدا میں شک رکھتے تھے لہذا خداوند عالم نے مدعائے جناب ابراہیم کی وضاحت کر کے اس شک کی گنجائش ہی ختم کر دی ارشاد ہوا اولم تو من اے ابراہیم کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے؟ جناب ابراہیم نے کہا بلیٰ ضرور ایمان رکھتا ہوں مجھے تیری قدرت پر ایمان کامل ہے میں نے تو یہ سوال اس لیے کیا ہے کہ میرے دل کی اُلجھن دُور ہو جائے۔ میں تو وہ منظر دیکھنا چاہتا ہوں کہ مرنے، قبر میں اجزاء کے منتشر ہونے، خاک کے ذروں میں جسم کے ذرے مل جانے، خشکی و تری میں تتر بتر ہو جانے کے بعد کیسے کیسے وہ اجزا سمٹتے ہیں کیسے اُن سے جسم بنتا ہے اور پھر کیسے جسم میں جان پڑتی ہے اور وہ بعینہ وہی ہو جاتا ہے جو اپنی زندگی میں تھا۔

جناب ابراہیم کا دل اصل میں اسی منظر و کیفیت کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا

اسی وجہ سے آپ نے فرمایا تھا لیطمئن قلبی تاکہ میرے دل کو قرار آجائے اس

منظر کو دیکھ کر آتش شوق ٹھنڈی ہو۔ آیۂ مبارکہ سے حقیقتاً یہی مقصود ہے اور شک کی

نسبت دینا جناب ابراہیم ایسے خلیل خدا کی طرف کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

دوسری وجہ اس حدیث کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ پیغمبر کا یہ فقرہ نحن

اولی بالشك من ابراهیم ہم ابراہیم سے زیادہ حقدار ہیں شک کرنے کے

اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر خدا اور جملہ انبیاء و مرسلین شک و شبہ رکھتے تھے

اور سب کے سب ابراہیم سے زیادہ حق رکھتے تھے شک کرنے کا کیونکہ آپ نے نحن

کی لفظ فرمائی یعنی ہم سب انبیاء و مرسلین۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ نحن سے مراد پیغمبر نے انبیاء و مرسلین کو نہیں لیا

تب بھی کم سے کم ہمارے پیغمبر تو یقیناً مراد ہوں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت محمد مصطفٰے

جناب ابراہیم سے زیادہ حقدار تھے شک کرنے کے اور یہ پیغمبرؐ پر بہتان عظیم ہے، یہ بات

بالاتفاق باطل ہے، عقلاً ونقلاً ہر حیثیت سے پیغمبر سے شک کا وقوع قطعی ناممکن ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر پیغمبر خدا جناب ابراہیم سے شک کرنے کے زیادہ حقدار

کیسے ہوں گے جبکہ خداوند عالم نے ہمارے پیغمبر کو وہ فضائل و کمالات وہ درجہ علم و

یقین مرحمت فرمایا ہے جو نہ تو جناب ابراہیم کو میسر ہوا نہ انبیاء مرسلین کو نہ ملائکہ مقربین کو۔

وصی پیغمبر حضرت امیر المومنین جو شہر علم پیغمبر کا دروازہ تھے اور آپ کے لیے ایسے تھے

جیسے ہارون موسیٰ کے لیے سوا اس کے کہ امیر المومنینؑ نبی نہ تھے وہ تو اپنے متعلق فرماتے

ہیں لو کشف الغطاء لما ازددت یقینا اگر آسمانی پردے ہٹا دیے جائیں تب بھی

میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ میرا یقین پہلے ہی سے اس حد پر ہے کہ اس میں

اضافہ کی گنجائش نہیں لہذا جب وصی پیغمبر کا علم و یقین اس پایہ کا تھا تو خود حضرت

تیسری وجہ اس حدیث کے مہمل ولغو ہونے کی یہ ہے کہ بقول ابوہریرہ پیغمبر کا یہ فقرہ رحم اللہ لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید خدا رحم کرے لوط پر وہ رکن شدید کی پناہ لیا کرتے تھے یہ اعتراض ہے جناب لوط پر جو اس عظمت و منزلت کو دیکھتے ہوئے جو خداوند عالم کی بارگاہ میں انھیں حاصل تھی قطعاً مناسب نہیں پاک وصاف ہیں ہمارے پیغمبر اس رکاکت سے کہ جناب لوط ایسے پیغمبر کی ذلت و رسوائی فرمائیں اُن کے قول کو مہمل وحماقت قرار دیں۔ خدا محفوظ رکھے اس سے کہ پیغمبر کے متعلق ایسی واہی تباہی باتوں کا گمان کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبرؐ نے اپنی زندگی ہی میں بارہا فرما دیا تھا من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار مجھ پر جھوٹی تہمت لگانے والے غلط باتیں میری طرف منسوب کرنے والے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیں۔

چوتھی وجہ اس حدیث کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ پیغمبر کا یہ ارشاد "اگر مجھے بھی اتنے لمبے عرصہ تک قید میں رہنا پڑتا جتنے عرصہ یوسف قید میں رہے تو میں بلانے والے کی آواز پر چل پڑتا" صریحی دلیل ہے کہ جناب یوسف ہمارے پیغمبر سے افضل تھے کہ اتنے دن تک قید میں رہنے کے باوجود یوسف کے قدموں میں لغزش نہ ہوئی اور پیغمبر اپنے متعلق اقرار کرتے ہیں کہ میں ان کی جگہ ہوتا تو پھسل جاتا اور یہ بالاتفاق باطل ہے تمام امت اسلام کا اجماع ہے اور احادیث صحیحہ کی صراحت ہے اور مسلمانوں کا بچہ بچہ یقین رکھتا ہے کہ ہمارے پیغمبر جملہ انبیاء و مرسلین سے افضل واشرف تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر کا یہ فقرہ جناب یوسف کے مقابل بلحاظ خاکساری ہے اور آں حضرتؐ نے جناب یوسف کا صبر، پامردی اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اُن کی حکمت و تدبیر پر کہ اس وقت تک قید سے نکلنا

گوارا نہیں کیا جب تک کہ اُن کی پاک دامنی عالم آشکارا نہ ہوگئی، متحیر و متعجب
ہو کر ایسا فرمایا - تو یہ بھی قطعاً غلط ہے - ایسی بات چاہے بطور خاکساری ہی
کیوں نہ ہو پیغمبر کی زبان سے نکل ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ بات حقیقت واقعہ کے
بالکل برعکس و برخلاف ہے - اس وجہ سے کہ اگر یوسف کی طرح ہمارے پیغمبر کو بھی
قید و بند کا سامنا ہوتا تو آپ یوسف سے بدرجہا زیادہ صابر و پامرد ہوتے اُن سے
زیادہ دُور اندیش و صاحب تدبیر - اس بات کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ
بلانے والے کے محض بلانے پر دوڑ پڑتے اور دور اندیشی بھی نہ کرتے جو یوسف سے
ظاہر ہوئی - جناب یوسف سے جب اُن کے جیل کے ساتھی نے جو رہا ہو کر بادشاہ کا
مقرب خاص ہو گیا تھا جب یوسف سے درخواست کی آپ قید سے باہر تشریف
لے چلیے تو جناب یوسف نے ازراہ دور اندیشی اور اپنی پاکدامانی کا اقرار
ہر کس و ناکس سے لینے کے لیے فوراً اس کی بات منظور نہ کر لی اور قید خانہ سے
نہ نکل پڑے بلکہ آپ نے اس دوست سے فرمایا تم پہلے بادشاہ کے پاس جاؤ اور جا کر پوچھو
کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے (مجھے دیکھ کر) اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔
اس پر بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا اور انھوں نے صاف صاف اقرار کیا کہ ہم نے
یوسف میں ذرا بھی بُرائی نہیں دیکھی اور اس وقت زلیخا نے بھی چار و ناچار اعتراف
کیا کہ قصور میرا ہی تھا میں نے ہی یوسف کو بہکانا چاہا تھا یوسف اپنے دعوائے بیگناہی
میں صداقت پر ہیں - تو جناب یوسف اس وقت تک قید خانہ سے باہر نہ نکلے
جب تک اُن کی بے گناہی اظہر من الشمس نہ ہو گئی -

جناب یوسف نے ثبات قدم، قوت قلب، استقلال نفس کا مظاہرہ کیا
اور یقیناً کیا مگر وہ چاہتے تو اس سے بھی زیادہ پامردی سے کام لے سکتے تھے

زیادہ ثابت قدمی و دور اندیشی یہ ہوتی کہ وہ اُس وقت تک خاموشی سے کام
لیتے کہ اُن کی بے گناہی خود ہی آشکارا ہو جاتی، اتنی مدت صبر کرتے جب تک کہ
خود دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ۔ یہ امتیازی شان ہمارے پیغمبر کی تھی
کہ آپ نے وہ بے پناہ ثبات قدم اور بے نظیر قوت قلب کا مظاہرہ کیا جس کی
مثال نہیں ملتی۔ آپ نے صبر و شکیب، احتیاط و دور اندیشی، افعال و اقوال
میں خطا سے کوسوں دُور ہونے کا نمونہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا۔
دنیا نے دیکھا اور سمجھ لیا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند بھی لا کر
دے دیا جائے کہ آپ کار رسالت سے باز آجائیں تو باز نہیں آنے والے۔

ابوہریرہ کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ وہ اس حدیث میں یہ بیان کرتے
کہ اگر پیغمبر قید خانہ میں یوسف سے دس گنی مدت زیادہ بھی رہتے تو آپ قید خانہ
سے باہر آنے کے لیے یوسف کی طرح سفارشی کی سفارش کا سہارا نہ لیتے۔

جناب یوسف نے قید خانہ کے اُن دونوں قیدیوں میں سے ایک سے جس کے متعلق
آپ نے خیال کیا تھا کہ یہ رہا کر دیا جائے گا کہا تھا اپنے بادشاہ سے میرا بھی
ذکر کرنا، مطلب یہ تھا کہ بادشاہ سے میری خوبیاں بیان کرنا اور میری سرگذشت سنانا
ممکن ہے بادشاہ کو مجھ پر رحم آجائے اور اس قید سے رہائی کا حکم دے۔ شیطان نے
اس شخص کو یوسف کی یہ فرمائش بھلا دی، بادشاہ سے یوسف کے متعلق ذکر کرنا
یاد ہی نہ آیا اور اس کے نتیجے میں یوسف کئی سال قید خانہ میں پڑے رہے۔

اس شخص کا بھول جانا اور یوسف کا اس کی پاداش میں کئی سال تک قید میں
رہ جانا تنبیہ تھی قدرت کی طرف سے کہ یوسف سے اُن کی شان کے مطابق
بات عمل میں نہ آئی، یوسف کی شایان شان تو یہ تھا کہ وہ محض خدا پر بھروسہ رکھتے
جیسا کہ ہمارے پیغمبر نے کیا، ہمارے پیغمبر کی مصیبتیں یوسف کی اسیری کی مصیبت

[illegible] زیادہ جانکاہ و روح فرسا تھیں مگر آپ سے
نہ سستی ظاہر ہوئی نہ کمزوری دیکھنے میں آئی، نہ آپ نے خدا کے علاوہ کسی سے مدد چاہی،
آپ دشمنوں کے نرغے میں رہے، اپنے تمام اعزہ و اقارب بمعیت کئی برس تک شعب ابو طالب
میں محصور رہے، آپ نے، آپ کے رشتہ داروں نے، آپ کے حلقہ بگوشوں نے ایسی
ایسی تکلیفیں اور اذیتیں اُٹھائیں جیسی پہلے کسی نبی نے نہیں اُٹھائی تھیں مشرکین نے
ایذا رسانی میں ساری امکانی طاقتیں صرف کر ڈالیں۔ ملاحظہ فرمائیے کلام مجید کی یہ آیات
اذ یمکر بک الذین کفروا لیقتلوک او یثبتوک او یخرجوک جبکہ
کافر سازشیں کر رہے تھے کہ تمھیں قتل کر ڈالیں یا رسن بستہ کرلیں یا وطن آوارہ
کردیں ان لا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین
اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ
سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا۔ اگر تم لوگ پیغمبر کی مدد نہیں کرتے
تو کیا ہوا خدا نے پیغمبر کی مدد کی جبکہ پیغمبر کو کافروں نے جلاوطنی پر مجبور کیا
ولقد نصرکم ببدر و انتم اذلۃ بے شک خداوند عالم نے غزوۂ بدر میں
تمھاری مدد کی اور تم عالمِ بیچارگی میں تھے، اذ تصعدون ولا تلوون علی
احد والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غما بغم جبکہ تم پہاڑ پر
بھاگے جا رہے تھے اور باوجودیکہ رسول تمھارے پیچھے کھڑے تم کو بلا رہے تھے مگر
تم کسی کو بھی مُڑ کے نہ دیکھتے تھے پس خدا نے بھی تم کو رنج کی سزا میں رنج دیا۔
اذ جاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم و اذ زاغت الابصار و بلغت
القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المومنون
وزلزلوا زلزالا شدیدا۔ جس وقت وہ لوگ تمھارے اوپر سے آپڑے اور
[illegible]

تمھاری آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اور خوف سے کلیجے منہ کو آگئے تھے اور خدا پر طرح

طرح کے بُرے خیال کرنے لگے تھے، یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب

اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن

عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین

ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین اور جنگ حنین کے دن

جب تمھیں اپنی کثرت تعداد نے مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تمھیں کچھ بھی کام نہ آئی

اور تم ایسے گھبرائے کہ زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی، تم پیٹھ پھیر کر

بھاگ نکلے، تب خدا نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی

ایسے ایسے بے شمار مقامات ہیں جہاں پیغمبر خطروں میں ڈوب ڈوب گئے مگر

پیروں میں جنبش نہ آئی، پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم رہے اور سینہ تانے، دل مضبوط

کیے، انتہائی سکون و وقار کے ساتھ ہجوم مصائب کا مقابلہ کرتے رہے، ان پریشانیوں

سے نکلنے کے لیے پیغمبر نے خدا کے علاوہ کسی کی مدد نہ چاہی، کسی لمحہ صبر و توکل ہاتھ

سے جانے نہ دیا، لہذا آپ کی قوتِ استقلال، ثبات قدم، صبر و ضبط کے مقابلہ

میں یوسف و یعقوب، اسحاق، ابراہیم بلکہ جملہ انبیائے مرسلین کے صبر و ضبط کی

حقیقت ہی کیا۔

(۱۱) سونے کی ٹڈی کا جناب ایوب پر آکر گرنا جبکہ وہ غسل فرما رہے تھے اور جناب ایوب کا اسے کپڑے میں چھپانا اور خداوند عالم کا انھیں عتاب فرمانا

بخاری و مسلم نے متعدد طریقوں سے یہ حدیث ابو ہریرہ سے روایت کی ہے

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں:-

قال بلینا ایوب یغتسل عریانا فخر علیه جراد من ذہب فجعل ایوب یحتثی فی ثوبہ فنادا لا ربہ الم اکن اغنیتک عما تری؟ قال بلی وعزتک ولکن لا غنی بی عن برکتک
(صحیح بخاری پارہ اول ص۴۲ پارہ دوم ص۱۶)

جناب ایوب برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کا ایک ٹڈا آپ پر آکر گرا جناب ایوب اسے کپڑے میں چھپانے لگے خداوند عالم نے انھیں آواز دی کہ اے ایوب کیا میں نے تمھیں غنی نہیں کیا۔ ایوب نے کہا بے شک تیرے عزت وجلال کی قسم ایسا ہی ہے مگر میں نے چاہا کہ تیری برکت سے اور فائدہ اٹھاؤں۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کی طرف کوئی آنکھوں کا اندھا اور مخبوط الحواس ہی توجہ کرسکتا ہے، کیونکہ سونے کی ٹڈی پیدا کرنا منجملہ آیات الٰہی ہے اور خارق عادت امور سے ہے اور خداوند عالم کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ ایسی چیزیں ضرورت کے وقت ہی خلق فرماتا ہے، جیسے اگر جناب ایوب کی نبوت کا ثبوت منحصر ہو جاتا اسی میں کہ سونے کی ٹڈی آپ کے لیے پیدا ہو جائے تو خداوند عالم اثبات نبوت کے لیے یقیناً پیدا کر دیتا، لیکن فضول و بیکار پیدا کرنا خدا کے لیے قطعی زیبا نہیں کہ خواہ مخواہ سونے کی ٹڈی پیدا ہو اور وہ تنہائی میں برہنہ نہاتے وقت جناب ایوبؑ پر آگرے، جیسا کہ ابوہریرہ مدعی ہیں۔

اور اگر ایسا ہوا بھی، سونے کی ٹڈی خداوند عالم نے پیدا کی اور وہ ایوب پر آکر گری اور جناب ایوب نے اسے کپڑے میں چھپایا تو ایوب نے غلطی کیا کی؟ انھیں ایسا کرنا ہی چاہیے تھا کیونکہ وہ خدا کی نعمت اور انوکھی چیز تھی جس کا کبھی ایوب نے تصور بھی نہ کیا ہوگا، ایوب کے لیے مناسب یہی تھا کہ وہ دوڑ کر پکڑ لیتے اور سر آنکھوں پر رکھتے۔ اس سے دور بھاگتے، نفرت کرنے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی کیونکہ

سونے کی ٹڈی پیدا کردے اور وہ اس سے دور بھاگیں۔

اور انبیائے کرام اگر مال و زر جمع کرتے بھی ہیں تو اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ راہِ خدا و خوشنودیٔ معبود میں صرف کریں اور دینی و مذہبی ضروریات انجام دیں۔ انبیائے کرام کی نیتیں خداوند عالم پر اچھی طرح آئینہ ہوتی ہیں، لہٰذا اگر انبیا مال و زر جمع بھی کریں اور بالفرض جناب ایوب نے وہ سونے کی ٹڈی چھپائی بھی تو خداوند عالم کا عتاب فرمانا قطعی مناسب نہیں تھا۔

(۱۲) جناب موسیٰ پر الزام کہ آپ کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو آپ نے چیونٹی کے پورے گاؤں کو پھونک دیا

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے:-

قال قرصت نملة نبیا من الانبیاء فامر بقریة النمل فاحرقت فاوحی الله الیه ان قرصتك نملة احرقت امة من الامم تسبح الله - (صحیح بخاری پارہ ۱۲ ص ۱۱۴ آخر کتاب الجہاد والسیر صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۰ سنن ابن داؤد، کتاب الادب، سنن ابن ماجہ و نسائی، کتاب الصید، مسند امام احمد، مسند ابی ہریرہ)

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک چیونٹی نے نبیوں میں سے کسی نبی کو (ترمذی نے صراحت کی ہے کہ وہ نبی جناب موسیٰ تھے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص ۲۰۵) کاٹ لیا آپ نے حکم دیا کہ چیونٹیوں کا گاؤں جلا ڈالا جائے! چنانچہ پورا گاؤں پھونک ڈالا گیا۔ اس پر خداوند عالم نے جناب موسیٰ پر وحی فرمائی کہ تم نے ایک چیونٹی کے کاٹنے پر ایک امت کو جلا کر پھونک دیا جو خدا کی تسبیح کرتی تھی۔

ابوہریرہ انبیاء کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑے تھے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر منت نئی

مصیبتیں ان پر ڈھاتے رہتے ہیں۔ انبیا کے متعلق ایسی ایسی باتیں بیان کیں کہ دید نہ شنید۔ انبیائے کرام اس قسم کی تنگ ظرفیوں سے کہ معمولی چیونٹی کے ذرا سا کاٹنے پر گاؤں کا گاؤں پھونک ڈالیں کہیں بلند و برتر تھے۔

حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب وصی پیغمبر اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں واللہ لو اعطیت الاقالیم السبعة بما تحت افلاکھا علی ان اعصی اللہ فی نملة اسلبھا جلب شعیرة ما فعلت وان دنیاکم عندی لاھون من ورقة فی فم جرادة تقضمھا مالعلی ولنعیم یفنی ولذة لا تبقی خدا کی قسم اگر مجھے ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی اس شرط پر دی جائے کہ میں ایک معمولی چیونٹی کو دانہ حاصل کرنے سے روک کر خدا کی نافرمانی کروں تو میں ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ تمھاری یہ دنیا میرے نزدیک اس پتے سے بھی کمتر ہے جسے ٹڈی مُنہ میں لیے چبا رہی ہو۔ علی کو دنیا کی فانی نعمتوں اور ختم ہونے والی لذتوں سے سروکار ہی کیا۔"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انبیاء و اولیاء کی کیا شان ہونی چاہیے۔ خداوند عالم اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کے لیے ایسے شخص کو ہرگز منتخب نہیں کر سکتا جو ان رکاکتوں سے پاک وصاف نہ ہو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حدیث کو صحیح سمجھنے والے جناب موسیٰ کی اس آتش زنی کی کیا تاویل کریں گے، جبکہ ہمارے پیغمبر کا صریحی ارشاد ہے کہ لایعذب بالنار الا اللہ[1] آگ کے ذریعہ اللہ ہی عذاب کر سکتا ہے۔ تمام علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق و اجماع ہے کہ کسی حیوان کو بھی جلانا جائز نہیں سوا اس صورت کے کہ کوئی انسان کسی انسان کو جلا کر مار ڈالے تو مرنے والے کے ورثہ کو حق ہے کہ وہ بھی مجرم کو

---

[1] امام نووی شارح صحیح مسلم نے اس حدیث کو شرح صحیح مسلم ج ۱۱ ص ۶ بر حاشیہ شرح بخاری نقل کیا ہے۔

آگ سے جلادیں، ورنہ چیونٹی ہو یا اور کوئی جاندار اس کا جلانا ہرگز جائز نہیں لہذا جناب موسیٰ کا یہ فعل کیونکر جائز قرار دیا جائے گا۔

مزید براں امام ابوداؤد نے ایسی ہی سندوں سے جو بخاری و مسلم کے معیار پر بھی صحیح ہے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد، جھینگر کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(۱۴) یہ تہمت کہ پیغمبر خدا دو رکعت نماز اڑا گئے

نماز میں سہو اور سجدہ سہو کے باب میں بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے:-

قال صلی النبی احدی صلاتی العشی واکثر ظنی العصر رکعتین ثم سلم ثم قام الی خشبة فی مقدم المسجد فوضع یدہ علیها وفیهم ابوبکر وعمر فهابا ان یکلماہ وخرج سرعان الناس فقالوا اقصرت الصلاة؟ ورجل یدعوہ النبی ذوالیدین فقال انسیت ام قصرت؟ فقال لم انس ولم تقصر قال

ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی زیادہ خیال میرا یہ ہے کہ وہ نماز عصر تھی آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر کر نماز ختم کر دی پھر آپ ایک لکڑی کے پاس جو مسجد کے اگلے حصہ میں تھی کھڑے ہوئے دست مبارک اس پر رکھا، نمازیوں میں ابوبکر بھی تھے اور عمر بھی انھیں رعب نبوت مانع ہوا کہ کچھ بول سکیں۔ لوگ بعجلت صف سے باہر نکل آئے۔ لوگوں نے پیغمبر سے عرض کی آپ نے نماز قصر پڑھی ہے کیا؟ ایک شخص جسے پیغمبر ذوالیدین کہہ کر پکارتے تھے اس نے پوچھا

ثم سلم ثم کبر ! فسجد الحدیث[1]	آں حضرتؐ نے فرمایا کہ نہ تو میں بھولا نہ نماز قصر ہوئی ، اس نے کہا ، نہیں بلکہ آپ بھول گئے اس پر پیغمبر نے پھر دو رکعتیں پڑھیں سلام پڑھا اور تکبیر کہہ کر سجدہ سہو کیا ۔

اس حدیث میں جو رکاکتیں بھری ہیں اُن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے ۔

پہلی یہ کہ اس قسم کا بدترین سہو کسی بھی ایسے شخص سے ناممکن ہے جو رجوع قلب سے نماز پڑھ رہا ہو ایسا سہو تو ٹکّر لگانے والوں ہی سے ممکن ہے جو اُلٹے سیدھے دو چار سجدے کر لیتے ہیں خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھتا ہے اور کیا مُنہ سے نکل رہا ہے ۔ انبیائے کرام سے اس قسم کی نسیان کاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا خصوصاً حضرت محمد مصطفےٰؐ ایسے پیغمبر خدا سے جو خاتم النبیین سید المرسلین تھے اس قسم کی بھول قطعی محال و ناممکن ہے ایسا سہو تو کسی کے متعلق سننے میں بھی نہیں آیا ۔ میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ مجھ سے اگر ایسا سہو ہو اور میں اس طرح بھول کر کبھی چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھ جاؤں تو مارے شرم کے کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ ہوں گا اور جو حضرات میرے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اُن کی نگاہوں میں نہ میری کچھ وقعت باقی رہے گی اور نہ میری عبادتوں کا کوئی وزن رہے گا ، جب میرے لیے زیبا نہیں تو انبیا ءکرام کے لیے اور بھی ایسا سہو جائز نہیں ہو سکتا خصوصاً حضرت محمد مصطفےٰؐ جن کا خضوع و خشوع ذکر الٰہی میں اُن کا استغراق عالم میں مشہور ہے ۔

دوسری یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا ۔ نہ میں بھولا نہ نماز قصر ہوئی ، پیغمبرؐ کے یہ کہنے کے بعد سہو سے انکار فرمانے کے بعد پھر کیونکر ممکن ہے کہ آپ سے

---

[1] صحیح بخاری پ ۱ ص۱۴۵ باب من یکبر فی سجدتی السھو اس کے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے ، صحیح مسلم جلد اول ص۲۱۵ باب السھو فی الصلوۃ مسند امام احمد جلد ۲ ص۲۳۴ وغیرہ

واقعتاً سہو ہوا ہو۔ اگر آپ سے سہو ہوا تھا تو آپ نے انکار کیوں کیا، کہنے والے کو جھٹلایا کیوں؟ اگر ہم مان بھی لیں کہ پیغمبرؐ سے اس قسم کا سہو جائز تھا تو کیا ہٹ دھرمی اور غلط بولنا اور اپنی غلطی پر مصر رہنا بھی جائز تھا کہ ایک تو آپ نے سہو فرمایا اور چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھی اور جب کہا گیا کہ آپ نے سہو فرمایا ہے تو کہنے لگے، نہیں، میں نے سہو کیا ہی نہیں۔ کون مسلمان کہہ سکتا ہے کہ پیغمبرؐ کے لیے ہٹ دھرمی اور اپنی بات کی پچ مناسب تھی۔

تیسری یہ کہ ابوہریرہ نے اس حدیث میں متضاد باتیں کہی ہیں، کبھی تو یہ بیان کیا کہ پیغمبرؐ نے شام کی نمازوں میں سے کوئی نماز ظہر یا عصر پڑھی یہ یقین نہیں کہ کون سی نماز؟ بلکہ شک رکھتے ہوئے یا ظہر تھی یا عصر اور کبھی یہ کہا کہ نماز عصر پڑھی قطعی فیصلہ کرتے ہوئے کہ وہ نماز نماز عصر تھی۔ کبھی یہ کہا کہ بینا اصلی مع رسول اللہ صلاۃ الظہر ہم لوگ پیغمبرؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھ رہے تھے، یہاں یقین کے ساتھ بیان کیا کہ وہ نماز ظہر تھی، یہ تینوں روایتیں صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں، بخاری و مسلم کے شارحین ان حدیثوں کی شرح کرتے وقت عجیب مخمصے میں پڑ گئے اور نتیجہ میں زبردستی کی تاویلیں کیں

چوتھی یہ کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد اُٹھ کھڑے ہوئے مسجد کے کنارے جو لکڑی تھی وہاں آکر اس پر ہاتھ رکھ کر استادہ ہوئے نمازیوں کا مجمع مسجد کے باہر آگیا اور پیغمبرؐ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا نماز کم کردی گئی ہے اور ذوالیدین نے کہا کہ آپ بھول گئے یا نماز ہی کم کردی گئی اور پیغمبرؐ نے فرمایا کہ نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی۔ اس پر ذوالیدین نے کہا نہیں بلکہ آپ واقعتاً بھول گئے اور پیغمبرؐ نے اصحاب سے دریافت کیا کہ ذوالیدین جو کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے؟ لوگوں نے تائید کی۔ اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں جو اس حدیث میں ابوہریرہ نے بیان کیں۔[1]

---

[1] چنانچہ ابوہریرہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ پیغمبر مسجد سے چل کر گھر میں تشریف لے گئے پھر وہاں سے پلٹے تو پھر باتیں ہوئیں

ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں صورت نماز کو ختم کر دیتی ہیں۔ سہو کا حکم تو یہ ہے کہ نماز کے بعد حالت نماز میں بیٹھے ہوئے بغیر نقل و حرکت بغیر کچھ کلام کیے یاد آ جائے کہ "سہو ہوا" تو باقی رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کی جا سکتی ہے مگر اس طرح کہ نماز سے اٹھ کھڑے ہوئے چل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ آ گئے، لوگوں سے دیر تک باتیں بھی کیں، صورت نماز کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ پیغمبر کو پھر سے نماز پڑھنا لازم تھا صرف دو رکعت بقیہ پڑھ لینے سے نماز پوری کیسے ہوگی۔

پانچویں یہ کہ ذوالیدین جس کا اصل حدیث میں ذکر ہے اصل میں وہ ذوالشمالین[1] بن عبد عمرو ہے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا چنانچہ امام نسائی نے جو حدیث لکھی ہے اس کی لفظیں یہ ہیں فقال له[2] ذوالشمالین بن عبد عمرو انقصت الصلوة ام نسیت فقال النبی ما یقول ذوالیدین۔ ذوالشمالین پسر عمرو نے پوچھا کہ آپ نے نماز کم کر دی ہے یا بھول گئے، اس پر پیغمبر نے صحابہ سے پوچھا یہ ذوالیدین کیا کہتا ہے؟ امام نسائی کی اس حدیث سے انکشاف ہوتا ہے کہ ذوالشمالین اور ذوالیدین دونوں ایک ہی شخص کا نام ہے ذوالشمالین ہی ذوالیدین تھا۔ ایسی ہی ایک واضح حدیث مسند امام احمد[3] میں بھی موجود ہے عن ابی سلمہ بن عبد الرحمان وابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ کلیهما عن ابی هریرہ قال صلی رسول الله الظهر او العصر فسلم فی رکعتین فقال له ذوالشمالین بن عبد عمرو (قال) وکان حلیفا لبنی زهرہ اخففت الصلوة ام نسیت فقال النبی ما یقول ذوالیدین قالوا صدق۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمان اور ابو بکر بن سلیمان دونوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر نے نماز ظہر

---

[1] اس ذوالشمالین کا نام عمیر تھا (اصابہ) [2] نسائی جیسا کہ علامہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۶ میں مذکور ہے [3] مسند احمد ج ۲ صفحہ ۲۷۱ و صفحہ ۲۸۴

یا عصر پڑھی اور دوسری رکعت میں سلام پڑھ کر نماز ختم کر دی اس پر ذوالشمالین بن عبدعمرو نے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا پوچھا آپ نے نماز میں کمی کر دی یا بھول گئے آپ نے لوگوں سے پوچھا ذوالیدین کیا کہتا ہے؟ لوگوں نے کہا ذوالیدین سچ بیان کرتا ہے۔

اصابہ میں بھی اسی قسم کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والا ذوالشمالین تھا۔ یہ سب کی سب حدیثیں صراحۃً بتاتی ہیں کہ ابوہریرہ کی اوپر والی حدیث میں جس ذوالیدین کا ذکر ہے وہ حقیقتاً ذوالشمالین ہی ہے۔

اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ذوالشمالین ابوہریرہ کے اسلام لانے سے پانچ برس پہلے جنگ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ جو شخص ابوہریرہ کے اسلام لانے کے پانچ برس پہلے ہی مر چکا ہو اس کا ابوہریرہ کے ساتھ پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھنا اور پیغمبر کے سہو فرمانے پر دریافت کرنا کس طرح ممکن ہے۔

یہی وجہ تھی کہ سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ نے ابوہریرہ کی اس حدیث پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف فتوے دیئے جیسا کہ نووی کی شرح صحیح مسلم باب سہو وسجدہ سہو میں مذکور ہے[1]۔

بعض لوگوں نے یہ بات بنائی ہے کہ "صحابی آں حضرتؐ سے یا کسی دوسرے صحابی سے سُن کر ایسی حدیثیں بھی بیان کرتے تھے جس میں وہ خود موجود نہ ہوں لہذا ہو سکتا ہے کہ ابوہریرہ نے مذکورۂ بالا واقعہ کو پیغمبرؐ سے یا کسی صحابی سے سنا ہو اور سُن کر بیان کیا ہو اس صورت میں ذوالیدین اگر پانچ برس پہلے مر بھی چکے ہوں تو کوئی خرابی نہیں واقع ہوتی لیکن یہ بات بقول قطعاً غلط و مہمل ہے اس لیے کہ ابوہریرہ نے اگر سُن کر بیان کیا ہوتا تو خیر ایک بات بھی تھی قیامت یہ ہے کہ اُن کا دعویٰ ہے کہ میں اس واقعہ میں موجود بھی تھا۔ ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری کی

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۳۵ برحاشیہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری

یہ حدیث عن آدم بن شعبہ عن سعد بن ابراھیم عن ابی سلمہ عن ابی ھریرہ قال صلی بنا النبی الظھر او العصر - ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ پیغمبر نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی - نیز صحیح مسلم[2] کی یہ حدیث عن محمد بن سیرین قال سمعت اباھریرۃ یقول صلی بنا رسول اللہ احدی صلوۃ العشی اما الظھر واما العصر - محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ کو کہتے سنا کہ پیغمبر نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی -

امام طحاوی ان سب حدیثوں کو دیکھ کر عجب شش و پنج میں پڑ گئے ایک طرف یہ اعتقاد بھی دل میں کہ ابوہریرہ نے سچ ہی بیان کیا ہوگا دوسری طرف اس کا بھی یقین کہ ذوالیدین و ذوالشمالین ایک ہی شخص ہے اور وہ پانچ برس پہلے مر چکا تھا وہ اور ابوہریرہ ایک ساتھ نماز میں اکٹھا نہیں ہو سکتے - اس وجہ سے انھوں نے مجبور ہو کر بات یہ بنائی جیسا کہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۶۶ میں ہے کہ ان حدیثوں میں ابوہریرہ کا یہ فقرہ صلی بنا ہمارے ساتھ پیغمبر نے نماز پڑھی مجازاً ہے مطلب یہ ہے کہ پیغمبر نے مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھی مگر یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ ابوہریرہ نے اپنی موجودگی کا ایک ایسا صریح دعویٰ بھی کیا ہے کہ اس کے بعد کوئی بات بن نہیں سکتی - صحیح مسلم[3] باب السھو فی الصلوۃ میں یہ حدیث بھی موجود ہے عن ابی ھریرۃ قال بینا انا اصلی مع رسول اللہ صلوۃ الظھر سلم فی الرکعتین میں ایک مرتبہ پیغمبر کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ آپ نے دو رکعت ہی نماز پڑھ کر نماز ختم کر دی صلی بنا ہم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی کی تاویل تو کر دی گئی تھی کہ ہم سے مراد جماعت صحابہ ہے مگر میں

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۴۵ باب ثالث من ابواب ما جاء فی السھو [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵

[3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۶

پڑھ رہا تھا، میں لفظ "میں" سے صحابہ کی جماعت کون سمجھ سکتا ہے؟

(۱۴) یہ غلط بیانی کہ پیغمبرؐ لوگوں کو ستاتے، سزا دیتے، گالیاں دیتے اور غیر مستحق پر لعنت فرماتے

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:-

اللھم انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر وانی قد اتخذت عندک عھدا لم تخلفنیه فایما مومن اذیته او سببته اولعنته اوجلدته فاجعلها له کفارة وقربة تقربه بھا الیک [۱]

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا خداوندا، محمدؐ صرف بشر ہے اسی طرح غصہ میں آتا ہے جس طرح آدمی، میں تجھ سے وعدہ لے چکا ہوں تو ایفاء وعدہ میں کمی نہ کرنا۔ میں نے جس مومن کو اذیت پہنچائی ہو یا گالی دی ہو یا سزا کی ہو یا لعنت کی ہو میرا یہ فعل اس کے گناہوں کا کفارہ اور اپنی قربت نزدیکی کا ذریعہ قرار دے۔

یہ حدیث بھی ماننے کے قابل نہیں۔ اس وجہ سے کہ پیغمبر خداؐ اور جملہ انبیائے کرام کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ وہ کسی کو اذیت دیں یا کسی کو ماریں پیٹیں یا گالیاں دیں یا غیر مستحق پر لعنت فرمائیں خواہ خوش ہونے کی حالت میں خواہ غیظ و غضب کے عالم میں بلکہ انبیائے کرام کا ناحق غصہ فرمانا ممکن ہی نہیں خداوند عالم ایسوں کو رسول بنا کر بھیج ہی نہیں سکتا جو غصہ میں آ کر ایسی حرکتیں کرنے لگیں۔ انبیائے کرام ہر ایسے قول و فعل سے پاک و صاف ہیں جو اُن کی

---

[۱] صحیح بخاری پ ۲۶ ص ۲۰۱ کتاب الدعوات صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹۲ باب من لعنہ النبی مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۴۳

کرنے کے منافی ہوں اور ہر ایسی بات سے کوسوں دور رہیں جو ان کی شان کے
خلاف ہو۔ ہر نیکو کار و بدکار، مومن و کافر جانتا ہے کہ بے قصور مومنین کو محض
غصہ میں آکر ایذا پہنچانا یا انھیں مارنا پیٹنا یا گالی دینا، لعنت کرنا بدترین ظلم
اور کھلا ہوا فسق ہے، ایسا فعل کوئی انصاف ور مومن بھی نہیں کرسکتا، لہٰذا سیدالنبیین
اور خاتم المرسلین کے لیے یہ افعال کیونکر جائز ہو سکتے ہیں اور وہ بھی جبکہ خود آپ کا
یہ قول بھی ہو کہ سباب المسلم فسوق[1] مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے۔ انھیں
ابوہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے قال قیل یا رسول اللہ ادع علی المشرکین
قال انی لم ابعث لعانا و انما بعثت رحمۃ۔ پیغمبرؐ سے کہا گیا حضور آپ
مشرکین پر بددعا[2] فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، میں لعنت کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوا
میں تو مجسم رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں ـــ جب پیغمبرؐ مشرکین پر بددعا کرنے کے لیے
تیار نہ ہوے تو بے قصور مومنین کے ساتھ یہ سلوک کب کر سکتے تھے۔

پیغمبرؐ کا یہ بھی ارشاد ہے لا یکون اللعانون شفعاء[3] ولا شہداء
یوم القیامۃ۔ باہم ایک دوسرے پر لعنت کرنے والے بروز قیامت نہ تو کسی کے
سفارشی ہو سکتے ہیں نہ کسی کے گواہ۔ عبداللہ بن عمر[4] سے منقول ہے لم یکن
رسول اللہ فاحشا ولا متفحشا پیغمبر خدا نہ تو خود کوئی نامناسب نازیبا بات
کرتے نہ کسی کو کرتے پسند کرتے۔ آپ فرمایا کرتے کہ تم میں پسندیدہ وہ افراد ہیں جو
اچھے اخلاق رکھنے والے ہیں۔

انس صحابی پیغمبرؐ کا قول ہے قال لم یکن رسول اللہ فاحشا ولا لعانا

---

[1] صحیح بخاری پ۲۴ ص۳۹ کتاب الآداب باب ما ینہی عنہ من السباب واللعن [2] صحیح مسلم
جلد ۲ ص۳۹۳ باب النہی عن لعن الدواب وغیرہ [3] صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۹۳ [4] صحیح بخاری
پارہ ۱۴ ص۳۰ باب حسن الخلق [5] صحیح بخاری پارہ ۲۴ ص۳۹

تھے۔ جناب ابوذر کو جب [1] پیغمبر کے مبعوث ہونے کی خبریں ملیں تو اپنے بھائی سے کہا کہ اس وادی تک جاؤ اور جا کر ذرا پیغمبرؐ کی باتیں سن آؤ۔ وہ گئے اور سن کر واپس آئے اور ابوذر سے بیان کیا "رایتہ یا مر بمکارم الاخلاق" میں نے آپ کو پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے دیکھا۔ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں پیغمبرؐ سے جو کچھ بھی سنتا وہ لکھ لیا کرتا تا کہ ہر بات پیغمبرؐ کی محفوظ رہے۔ قریش نے مجھے روکا اور کہا تم جو بات بھی پیغمبرؐ سے سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ غصہ اور خوشنودی دونوں کیفیتوں میں کلام فرماتے ہیں۔ میں نے اس پر لکھنا موقوف کر دیا اور یہ بات جا کر رسول اللہ سے کہی، آپ نے اپنی انگلیوں سے دہن مبارک کی طرف اشارہ فرما کر کہا لکھو، خدا کی قسم میری زبان سے حق بات ہی نکلے گی۔

عمر ابن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ سے پوچھا کہ میں جو کچھ آپ کے منہ سے سنوں وہ لکھ لوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، میں نے پوچھا غصہ وخوشنودی دونوں حالتوں میں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں چاہے غصہ میں رہوں چاہے رضامندی کے عالم میں زبان سے حق بات ہی نکالوں گا [2]

جناب عائشہ سے کسی نے پیغمبرؐ کے خلق کے متعلق پوچھا، انھوں نے کہا تم نے قرآن پڑھا ہے۔ کہا، ہاں! عائشہ نے کہا تو سمجھ لو کہ آں حضرتؐ کا خلق قرآن ہی ہے۔ کتنی اچھی تعریف کی ہے عائشہ نے خلق پیغمبرؐ کی۔ پوری تصویر کھینچ کر

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۲ [2] یہ دونوں حدیثیں ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ کے باب الرخصۃ فی کتاب العلم ص ۳۶ میں لکھی ہیں۔

اس فقرہ میں رکھ دی۔ کوئی شبہ نہیں کہ عائشہ نے پیغمبرؐ کو ہمیشہ اس کیفیت سے دیکھا ہوگا کہ قرآن آپ کے پیشِ نظر ہے، اس کی ہدایتوں پر آپ کا ہر عمل ہے۔ اس کے علم کی روشنی سے دیدہ و دماغ منور، قرآن کے تمام اوامر و نواہی کے آپ پابند، آداب و اطوار قرآنی سانچے میں ڈھلے ہوئے۔ کلام مجید کی یہ آیات پڑھیے اور پیغمبرؐ کے نظریۂ اخلاق کا اندازہ کیجیے:۔

والذین یؤذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا و اثما مبینا، والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا ھم یغفرون ۔ (سورہ احزاب آیت ۵۸)

اور جو لوگ ایماندار مرد اور ایماندار عورتوں کو بغیر کچھ کیے دھرے (تہمت دے کر) اذیت دیتے ہیں تو وہ ایک بہتان اور صریحی گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھاتے ہیں اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچے رہتے ہیں اور جب غصہ آجاتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین (سورہ شوریٰ آیت ۳۸)

اور غصہ کو روک لیتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے درگذر کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں سے خدا الفت رکھتا ہے۔

واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۳۵)

اور جب جاہل ان سے جہالت کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام (تم سلامت رہو)

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین (سورہ فرقان آیت ۶۳)

اے رسول تم درگذر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منہ پھیر لو۔

ادفع بالتی ھی احسن

ایسے طریقے سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو

فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم ۔ (سورہ اعراف آیت ۱۹۹)

(ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے کہ) جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمھارا دل سوز دوست ہے۔

وقولوا للناس حسنا ۔ (سورہ فصلت آیت ۳۴)

لوگوں کے ساتھ اچھی طرح نرمی سے بات کرنا ۔

واجتنبوا قول الزور ۔ (سورہ بقرہ آیت ۸۳)

لغو باتوں سے بچے رہو ۔

ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین ۔ (سورہ حج آیت ۳۰)

حد سے آگے نہ بڑھو کہ خدا حد سے آگے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔

ومالنا الا نتوكل على الله وقد هدانا سبلنا ولنصبرن على ما اذیتمونا وعلى الله فلیتوكل المتوكلون ۔ (سورہ مائدہ آیت ۳۷)

اور ہمیں آخر کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ ہمیں (نجات کی) یقیناً اسی نے راہیں دکھائیں اور جو جو اذیتیں تم نے ہمیں پہنچائیں (ان پر ہم نے صبر کیا) اور آیندہ بھی صبر کریں گے اور توکل کرنے والوں کو خدا ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

ولتسمعن من الذین اوتوا لكتاب من قبلكم ومن الذین اشركوا اذا كثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذالك من عزم الامور (سورہ ابراہیم آیت ۱۲)

اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب خدا دی جا چکی ہے (یہود و نصاریٰ) ان سے اور مشرکین سے بہت سی دکھ درد کی باتیں تمھیں سننا پڑیں گی اور اگر تم ان مصیبتوں کو جھیل جاؤ گے اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

واخفض جناحك لمن اتبعك من المومنین ۔ (سورہ آل عمران آیت ۲۱۵)

اور جو مومنین تمھارے پیرو ہو گئے ہیں اُن کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (خاکساری سے پیش آؤ)

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله۔

(سورہ شعرا آیت ۲۱۵)

(اے رسول یہ بھی) خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم (سا) نرم دل (سردار) ان کو ملا اور اگر تم تیز مزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمھارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے پس (اب بھی) تم ان سے درگذر کرو اور ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور ظاہراً ان سے کام کاج میں مشورہ لیا کرو (مگر) اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو۔

یہ تھے ہمارے پیغمبر، اور یہ تھا پیغمبر کا دستور اخلاق اور اس طرح آپ مومنین سے پیش آیا کرتے تھے ہمارے پیغمبر ہی کا یہ قول تھا الرجل من[۱] ملك نفسه عند الغضب آدمی وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے من يحرم[۲] الرفق يحرم الخير جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا الرفق[۳] لا يكون في شئ الا زانه ولا ينزع من شئ الا شانه نرمی جس بات میں بھی ہوگی اسے سنوار دے گی اور جس کام میں بھی نہ کی جائے گی اسے بگاڑ دے گی۔ ان الله رفيق[۴] يحب الرفق ويعطي على الرفق ما لا يعطي على العنف وما لا يعطي على ما سواه خداوند عالم مجسمہ نرمی ہے اور نرمی سے کام لینے پر اتنا دیتا ہے جتنا زور زبردستی یا اور کسی بات پر نہیں دیتا۔ المسلم[۵] من سلم الناس من يده ولسانه مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

۱ھ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۶ ۲ھ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹۰ ۳ھ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹۰ ۴ھ صحیح مسلم

مختصر یہ کہ کمال اخلاق پیغمبرؐ پر مہر لگا دی قدرت نے یہ کہہ کر انک لعلیٰ خلق عظیم اے پیغمبر تم خلق عظیم پر فائز ہو۔ حد ہو گئی! اب اس کے بعد عظمت خلق پیغمبر کا اندازہ کرنا کس کے بس کی بات ہے؟

لہذا وہ پیغمبر جو خلق کے اس درجے پر فائز ہو اس کے متعلق یہ تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ غصہ میں آ کر ناحق کسی پر لعنت فرمائے، کسی کو گالی دے یا جسمانی اذیت پہنچائے؟ خدا کی پناہ کوئی معمولی عقل والا اس کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔

اصل قصہ یہ ہے کہ ابوہریرہ نے معاویہ کے مقربین خاص میں شمار ہونے، اور آل ابی العاص بلکہ جملہ بنی امیہ کی خوشامد و چاپلوسی کی غرض سے یہ حدیث گڑھی اور مقصد یہ تھا کہ پیغمبر بنی امیہ کے منافقین اور فرعون خصال افراد پر جو لعنت فرما گئے ہیں وہ لعنت مٹ جائے۔ بنی امیہ لوگوں کو راہِ خدا سے روکتے، گمراہی و ضلالت پھیلاتے تھے۔ پیغمبرؐ نے بارہا ان پر لعنت فرمائی اور دنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لیے اُن کی ذلت و رسوائی پر مہر فرما دی تھی تاکہ ہر فرد بشر یہ سمجھ لے کہ اللہ و رسول سے انھیں کوئی تعلق نہیں، اور ان کے نفاق سے دین کو نقصان نہ پہنچنے پائے اور ان کی مفسدہ پردازیوں سے امت اسلام بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے، پیغمبرؐ نے کسی ذاتی عداوت یا خاندانی دشمنی کے بنا پر ان پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ محض تقرباً الی اللہ اور کتاب الٰہی اور عام مسلمانوں کی بھلائی و بہبودی کے لیے ایسا کیا۔ پیغمبر خدا نے خواب میں دیکھا تھا کہ جیسے حکم بن ابی العاص کی اولاد آپ کے منبر پر اچک پھاند رہے ہیں جس طرح بندر اچکتے ہیں اور لوگوں کو اُلٹے پیروں پھر کفر کی طرف پلٹائے لیے جا رہے ہیں۔ اس خواب کا اتنا عظیم اثر ہوا پیغمبرؐ پر کہ پھر آپ مرتے مرتے کبھی کھل کر ہنستے ہوئے نہیں پائے گئے[1]، خداوند عالم نے پیغمبر کے اس خواب کا

---

[1] مستدرک امام حاکم جلد ۴ صفحہ ۴۸۰ کتاب الفتن والملاحم۔ امام حاکم نے اس حدیث کو

کلام مجید میں بھی تذکرہ کر دیا ہے ۔

وماجعلنا الرویا التی	اور ہم نے جو خواب تمھیں دکھلایا تھا تو بس
اریناک الا فتنة للناس والشجرة	اس سے لوگوں (کے ایمان) کی آزمائش (کا ذریعہ)
الملعونة فی القرآن ونخوفھم	ٹھہرایا تھا اور (اسی طرح وہ درخت جس پر قرآن
فما یزیدھم الا طغیانا وکفرا	میں لعنت کی گئی اور ہم باوجودیکہ ان لوگوں کو
(سورہ اسراء آیت ۶۰)	طرح طرح سے ڈراتے ہیں مگر ہمارا ڈرانا ان کی
	سخت سرکشی کو بڑھاتا ہی گیا

وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اس سے یہی خاندان بنی امیہ مراد ہے جس کے متعلق خداوند عالم نے پیغمبر کو بذریعہ خواب خبر دی تھی کہ یہ پیغمبر کی جگہ پر زبردستی قبضہ، پیغمبر کے جگر گوشوں کو ہلاک و برباد اور امت اسلام میں فتنہ و فساد پھیلائیں گے ۔ اسی کا اتنا صدمہ ہوا قلب پیغمبر پر کہ آپ مرتے دم تک پھر کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے، پیغمبر کا یہ خواب علامات نبوت اور آیات سے شمار کیا جاتا ہے اس کے متعلق متعدد صحیح حدیثیں موجود ہیں جو حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں ۔

پیغمبر اسلام نے ان لٹیروں کی قلعی کھول کر رکھ دی، ان کے متعلق بہ بانگ دہل اعلان فرما دیا تاکہ ان کی حقیقت سمجھنے کے بعد اُن سے دوستی اختیار کی جائے یا ان سے نفرت و بیزاری پیغمبر پر کوئی ذمہ داری نہیں منجملہ ان اعلانات کے ایک یہ بھی تھا کہ حکم بن ابی العاص نے ایک مرتبہ پیغمبر کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی پیغمبر اس کی آواز پہچان گئے، آپ نے فرمایا:۔

ائذنو الہ علیہ لعنت اللہ — آنے دو اسے خدا کی لعنت اس پر بھی ہو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶) لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے معیار پر بھی صحیح ہے علامہ ذہبی نے بھی باوجود شدید متعصب ہونے کے اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے ۔

وعلی من یخرج من صلبه الا المومن، منهم وقلیل ماهم یشرفون فی الدنیا ویضعون فی الاخرۃ ذو ومکر وخدلعة یعطون فی الدنیا وما لهم فی الاخرۃ من خلاق۔

اس کی اولاد پر بھی سوا اُن کے جو ایمان والے ہوں اگرچہ وہ بہت ہی کم ہوں گے۔ اس کی آل ولاد دنیا میں تو بڑی جاہ و منزلت والے ہوں گے۔ مگر آخرت میں انتہائی ذلیل وخوار، مکار و فریبی ہیں نہیں جو کچھ ملنا ہو گا وہ دنیا ہی میں مل جائے گا آخرت میں رتّی برابر ان کا حصہ نہیں۔

نیز فرمایا اذا بلغ[1] بنوالعاص ثلاثین رجلا اتخذ وامال الله دولا وعباد الله خولا و دین الله دغلا

جب عاص کی اولاد ۳۰ مردوں تک پہنچ جائے گی تو یہ مال خدا کو کھلونا، بندگان الٰہی کو غلام اور دین کو دھوکہ کی ٹٹی بنائیں گے۔

ایک مرتبہ فرمایا اذا بلغ[2] بنوامية اربعين اتخذ واعباد الله خولا ومال الله نحلا وكتاب الله دغلا

جب بنو امیہ ۴۰ کی تعداد تک پہنچ جائیں گے تو بندگان خدا کو غلام، مالِ خدا کو اپنا مال خاص اور کتاب خدا کو ذریعہ فریب بنالیں گے۔

پیغمبر کے عہد میں دستور یہ تھا کہ جب کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا تو وہ بچہ پیغمبرؐ کی خدمت میں لایا جاتا اور آپ اس کے لیے دعا فرماتے چنانچہ مروان بن حکم جب پیدا ہوا تو یہ بھی آپ کے پاس لایا گیا آپ نے دیکھ کر فرمایا۔

هوالوزغ بن[3] الوزغ الملعون بن الملعون۔

یہ چھپکلی ہے چھپکلی کا بیٹا، ملعون ہے ملعون کا بیٹا۔

۱۔ مستدرک ج ۴ ص ۴۸۱ علامہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں بھی اس حدیث کو صحیح قرار دے کر

حضرت عائشہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں یہ فقرہ بھی ہے[1] ولکن رسول اللہ لعن ابامراون ومروان فی صلبہ (قالت) فمروان قصص من لعنۃ اللہ لیکن رسول اللہ نے مروان کے باپ پر لعنت فرمائی اور مروان ابھی باپ کے صلب میں تھا (عائشہ نے کہا) تو اس مروان نے بھی خدا کی لعنت میں پورا حصہ پایا۔

شعبی عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ لعن الحکم وولدہ[2] حضرت سرور کائنات نے حکم اور حکم کی اولاد پر لعنت فرمائی۔

غرضکہ بے شمار صحیح حدیثیں ہیں جن میں پیغمبرؐ نے بنی امیہ کے اوپر لعنت فرمائی ہے، امام حاکم نے اپنے صحیح مستدرک کے کتاب الفتن والملاحم میں جو حدیث ذکر کی ہے اگر اسی پر غور کیا جائے تو وہی ارباب بصیرت کی عبرت کے لیے کافی ہو۔ امام حاکم کتاب الفتن والملاحم کو ختم کرتے ہوئے یہ فقرہ تحریر فرماتے ہیں:۔

لیعلم[3] طالب العلم ان ھذا باب لم اذکر فیہ ثلث ما روی وان اول الفتن فی ھذہ الامۃ فتنتھم (قال) ولم یسعنی فیما	اس باب میں جتنی حدیثیں موجود ہیں میں نے ایک تہائی بھی ذکر نہیں کیں۔ واقعہ یہ ہے کہ امت اسلام میں بنی امیہ کا فتنہ پہلا فتنہ تھا اس کے بعد امام حاکم تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ خدا کو ایک نہ ایک دن مُنہ دکھانا ہے لہذا

[1] مستدرک ج ۴ ص ۴۸۱ [2] مستدرک ج ۴ ص ۴۸۱ [3] مستدرک ج ۴ ص ۴۸۱

امام حاکم کے اس جملہ سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہتی کہ وہ جمہور مسلمین سے خائف تھے ڈرتے تھے کہ ان صحیح حدیثوں کو درج کرنے پر عوام بھڑک نہ اٹھیں اسی لیے انھوں نے معذرت کی کریں نے محض اس بنا پر کہ ایک دن خدا کا سامنا کرنا ہے یہ حدیثیں بھی پیغمبرؐ کی درج

بلینی و بین اللہ ان اخلی الکتاب من ذکو ھم الخ	بنی امیہ اور ان کے متعلق پیغمبرؐ کے ارشادات کچھ نہ کچھ درج کتاب کرنے ہی پڑے بغیر ذکر کیے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

ان حقائق و واقعات کی روشنی میں یہ امر اچھی طرح آشکار ہو گیا کہ ابو ہریرہ اور ان کے ہم مشرب افراد نے اس قسم کی جتنی حدیثیں اختراع و ایجاد کیں ان کے تہ میں درحقیقت یہی غرض پوشیدہ تھی کہ پیغمبرؐ کی کی ہوئی لعنت ڈھل جائے جو ہر اموی کو روسیاہ کیے ہوئے تھی۔

لائق ماتم تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں نے لاشعوری طور پر ان ملعون منافقین کی پاسداری کر کے پیغمبر اسلام کا لحاظ ترک کر دیا اور وہ یوں کہ بنی امیہ کی اعانت کرتے ہوئے ان جہملات و خرافات کو صحیح جانا اور یہ نہ خیال کیا کہ ان حدیثوں کی وجہ سے پیغمبر کی عظمت خاک باقی نہیں رہتی۔

مقام عبرت ہے کہ امت والے ان ملعونین کی بگڑی سنبھالنے کی فکر میں سرگردان رہے جن کے نفاق سے مجبور ہو کر پیغمبرؐ نے لعنت فرمائی، ان کی مفسدہ پردازیوں کے پیش نظر انھیں نکال باہر کیا، مگر اس مصلحت و منفعت کو ضائع و برباد کر دیا جو پیغمبر نے انھیں ملعون و مطرود فرمانے میں ملحوظ رکھی تھی، حالانکہ انھیں ملعونوں نے لیلۃ عقبہ جبکہ پیغمبرؐ تبوک سے واپس آ رہے تھے پیغمبرؐ کے اونٹ کو بھڑکایا تاکہ پیغمبرؐ گر پڑیں اور ہلاک ہو جائیں، مشہور واقعہ[1] ہے جس کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ پیغمبرؐ نے اس دن ان سب پر لعنت فرمائی، مسلمانوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ ان بنی امیہ کی حمایت میں اتنی سرگرمی دکھاتے ہیں اور انھیں بنی امیہ نے پیغمبر کا عرصۂ حیات

---

[1] مسند امام احمد جلد ۵ حدیث ابی الطفیل عامر بن واثلہ

تنگ کر دیا تھا، ہر طرح کا رنج پہنچایا ہر لمحہ جان لینے کی سازشیں کیں آپ پر اور آپ کے اہل بیتؑ پر ہر قسم کے حملے کیے، پیغمبرؐ نے ان پر اسی غرض سے لعنت کی تاکہ خداوند عالم انھیں اپنی رحمت سے دُور رکھے اور امت اسلامی اجماعی طور پر ان سے کنارہ کش اور نفور رہے۔ اس لیے نہیں لعنت فرمائی تھی کہ آپ کی لعنت اُن کے لیے ذریعہ تقرب الٰہی ہو جیسا کہ ابوہریرہ کے قماش کے لوگ کہتے پھرتے ہیں۔

(۱۵) شیطان کا پیغمبرؐ کو نماز میں ستانا

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے :۔

قال : صلی رسول الله صلاة فقال : ان الشیطان عرض لی فشد علی یقطع الصلاة علی فامکننی الله منه فذعته (ای فخنقته) ولقد هممت ان اوثقه الی	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ایک مرتبہ نماز پڑھی پھر لوگوں سے فرمایا کہ نماز میں شیطان سے میرا سامنا ہوا اس نے بڑی کوشش کی کہ میری نماز توڑ ڈالے مگر خداوند عالم نے مجھے اتنی طاقت دے دی کہ میں نے اس کا گلا دبوچ لیا اور چاہا کہ ستون سے باندھ دوں تاکہ تم لوگ

[۱] زبیر بن بکار نے امام حسنؑ اور آپ کے حریفوں کی گفتگو نقل کی ہے امام حسنؑ شام میں تشریف فرما تھے آپ میں اور معاویہ عتبہ برادر معاویہ ابن عاص ابن عقبہ ابن شعبہ وغیرہ میں کچھ تیز باتیں ہوئیں سلسلۂ گفتگو میں امام حسنؑ نے فرمایا تھا "تم لوگ جانتے ہو کہ پیغمبرؐ نے سات مقامات پر ابوسفیان پر لعنت فرمائی تھی تم لوگ اس کا انکار نہیں کر سکتے پھر آپ نے سلسلہ وار ایک ایک مقام کا تذکرہ کیا پھر ابن العاص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم بھی جانتے ہو اور یہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ تم نے نثر شعر پیغمبرؐ کی ہجو میں کہے اس پر پیغمبرؐ نے کہا تھا خداوندا میں شعر تو کہتا نہیں نہ مجھے مناسب ہی ہے تو ہر حرف کے عوض ہزار بار اس پر لعنت فرما اس لحاظ سے تم پر خدا کی بے حد حساب لعنت ہوئی۔ بہت طولانی قصہ ہے شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۴، احتجاج علامہ طبرسی"

ساریہ حتی تصبحوا فتنظروا الیہ فذکرت قول سلیمان: رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی[1] الحدیث

صبح کو آکر دیکھ سکو مگر مجھے سلیمان کا قول یاد آگیا کہ "خداوندا مجھے ایسی حکومت عنایت فرما جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو" میں نے اُن کا قول یاد کرکے یہ خیال ترک کردیا۔

یہ حدیث قابل قبول اس وجہ سے نہیں کہ انبیائے کرام اور برگزیدہ افراد کا شیطان سے محفوظ ہونا ضروری ہے، کیونکہ اگر ان افراد پر بھی شیطان کا قابو چل گیا تو ان کی فضیلت کیا باقی رہی وہ معصوم ہی کیسے ہوں گے خدا کی پناہ اس سے کہ ان حضرات پر شیطان غلبہ حاصل کرسکے یا سامنے آکر ستانے کا ارادہ کرے یا ان حضرات کے متعلق کسی بات کی امید و آرزو رکھ سکے۔ خداوند عالم نے تو شیطان سے فرمایا تھا ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغاوین میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں سوا اُن گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں۔

مسلمانوں کے تہتر[3] فرقے ہیں مگر باوجود تہتر فرقے ہونے کے سبھی مسلمان بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے دنیا میں آتے ہی شیطان مفلوج و مضمحل ہوکر رہ گیا۔ ہمارے پیغمبرؐ نے اپنی ہدایت و رہبری، اپنے اصول و قوانین نظام حیات، نماز و عبادات کا وہ حصار قائم کردیا کہ شیطان کا اس طرف گذر ہو ہی نہیں سکتا۔

ہمارے پیغمبرؐ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہر چیز سے یکسو ہوکر خدا کے علاوہ ہر چیز کا خیال دل سے نکال کر مکمل رجوع قلب کے ساتھ اور جب تکبیرۃ الاحرام کہتے تو حسب ہدایت معبود فاذا قرات القران فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان سے بچنے کے لیے خدا سے دعا مانگ لیا کرو"

یقیناً آپ خدا کی پناہ مانگ لیا کرتے تھے اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ جب آپ خدا کی پناہ مانگتے تھے تو خدا آپ کو اپنی پناہ میں لے بھی لیتا تھا۔ شیطان بھی اس حقیقت سے بے خبر نہ ہوگا چاہے ابو ہریرہ اور ان کے قماش کے لوگ بے خبر ہوں۔

انھیں ابو ہریرہ نے یہ حدیث[1] روایت کی ہے کہ "شیطان جب کسی مسلمان کو نماز کے لیے اذان کہتے سُن لیتا ہے تو حواس باختہ پیٹھ موڑ کے بھاگتا ہے" جب معمولی مسلمانوں کی آواز اذان پر شیطان کا اتنا ہراس ہے تو محبوب رب العالمین پیغمبر پر اس کا کیا بس انہ لیس لہ سلطان علی الذین اٰمنوا وعلی ربھم یتوکلون انما سلطانہ علی الذین یتولونہ وھم بہ مشرکون شیطان کا ان پر کوئی قابو نہیں جو ایمان والے ہیں اور خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اس کا زور تو بس انھیں پر چلتا ہے جو شیطان کو دوست رکھتے ہیں اور مشرکین ہیں۔ اگر کہا جائے کہ شیطان پیغمبر کے سامنے بالکل بے دست و پا، مفلوج و ناکارہ ہی ہوگیا تھا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم اگر آپ کو اے پیغمبر شیطان وسوسہ میں ڈال دے تو آپ خدا کی پناہ طلب کیجیے وہ سننے والا بھی ہے اور ہر بات سے باخبر بھی" تو اس کی نوعیت سمجھنے کے لیے معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عالم نے اپنے حبیب محمد مصطفٰی کو مخصوص آداب تعلیم فرما کر دو عالم پر فضیلت بخشی ایسے عمدہ پاکیزہ اخلاق و آداب جس کے سامنے ہر نبی ہر ملک ہر متنفس بلکہ متمرد شیاطین نے بھی سر جھکا دیا، سبھی نے مقبولیت تسلیم کی، چنانچہ کلام مجید میں جتنے احکام مذکور ہیں ایک ایک پر آپ نے عمل کیا جن جن باتوں سے اس میں ممانعت کی گئی ہے ایک آپ سے عمل میں نہیں آئی، ہر حکمت قرآنی سے استفادہ کیا، ہر لمحہ قرآن کو ملحوظ خاطر رکھا چنانچہ یہ آیت بھی انھیں آداب و اخلاق کے سلسلہ کی

ایک کڑی ہے، اس کے اوپر والی آیت پڑھیے:۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینك وبینه عداوۃ کانه ولی حمیم ومایلقاھا الاالذین صبروا ومایلقاھا الاذو حظ عظیم ۔

ایسے طریقوں سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو، ایسا کروگے تو تم دیکھوگے کہ جیسی اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمھارا دل سوز دوست ہے۔ اس طرزِ عمل کو وہی لوگ اختیار کرسکتے ہیں جو صبر کرنے والے ہیں اور جو بڑے نصیبہ ور ہیں۔

یہ انتہائی مدارج تھے اخلاق کے جس پر خداوند عالم نے اپنے بندۂ خاص خاتم المرسلین کو پیدا کیا اور آپ اپنی ابتدائے بعثت سے زندگی کی آخری سانسوں تک انھیں اخلاق کا نمونہ پیش کرتے رہے۔ خداوند عالم نے آپ کے ارادوں کو استحکام، ہمت کو بلندی مرحمت فرمائی کہ آپ ان تعلیمات سے پوری پوری طرح فائدہ اٹھائیں، ہر دل کش و دل آویز اسلوب سے ان اخلاق و آداب کے برتنے کی قوت بخشی، خداوند عالم نے صرف ان اخلاق و آداب کے ساتھ آراستہ کرکے معبوث کردینے ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ قدم قدم پر شوق بھی دلایا، ہر لمحہ ان آداب سے کام لینے پر آمادہ بھی فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا ومایلقاھا الاالذین صبروا ومایلقاھا الاذو حظ عظیم ان اخلاق و آداب کو تو وہی دل سے قبول کریں گے جو صبر کے خوگر ہیں اور وہی ان سے منفعت حاصل کریں گے جو بڑے نصیبہ ور ہیں پھر اتنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ آپ کو اس فطری تحریک انتقام سے جو اپنے ایذا دینے والوں کے خلاف انسان کے دل میں پیدا ہونا ہی چاہیے اور اسی کو شیطانی وسوسہ سے تعبیر کیا ہے، اپنے رسول کو اس سے محفوظ رکھنے کیلئے تنبیہی طور پر اس انداز میں کہ اگر شیطان کی طرف سے تمھیں کچھ تحریک ہو تو

[illegible] کی یہی ہیں کہ اگر تمھیں کسی وقت غم وغصہ
جوش پیدا ہو جو انسان کی طبیعت کا فطری تقاضہ ہے تو اس جوش سے کام
نہ لو اور اُس پر عمل کرنے میں اللہ سے پناہ مانگو۔ اسی کے مثل دوسری جگہ
سورۂ اعراف میں ہے خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن
الجاہلین واما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ
انہ سمیع علیم (یعنی) عفو وکرم کو اپنا شعار رکھو اور دوسروں کو بھی نیکی
کی ہدایت کرو اور جاہلوں کی طرف توجہ نہ کرو اور اگر شیطان کوئی تحریک کرنا
چاہے تو تم اللہ سے پناہ حاصل کرو۔ وہ سننے والا اور خوب جاننے والا ہے"
اس میں بھی یہی ہے کہ خداوند عالم نے اپنے حبیب کو جاہلوں کا مقابلہ کرنے
سے روکا ہے وہ جو حجت تمام ہونے کے بعد جان بوجھ کر انکار کرتے تھے اور کفر پر
برقرار رہے تھے۔ صرف اللہ اور رسول سے عناد کی وجہ سے۔ اُن کے مقابلہ میں
رسولؐ کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کوئی اعتنا نہ فرمائیں اور پھر رسولؐ کی اخلاقی
بلندی کے انتہائی تحفظ کے لیے آپ کو اُس فطری جذبہ سے جو انسان میں طبعی
طور پر پیدا ہوتا ہے جاہلوں کی حماقتوں کے مقابلے میں ڈراتے ہوئے اس فطری
جذبے کو تحریک شیطان سے مجازاً تعبیر کیا ہے تاکہ پیغمبر اُس سے انتہائی متنفر ہو جائیں
چونکہ آپ کے دل ودماغ میں شیطان اور اُس کے وسوسوں سے نفرت انتہائی
درجے تک جاگزین تھی اس لیے خالق نے اس فطری جوش وغضب کے تقاضے پر
عمل کرنے سے باز رکھتے ہوئے یہ الفاظ صرف کیے کہ اگر شیطان کچھ تحریک کرے
تو اللہ سے پناہ مانگو۔

اس مضمون کو بھلا ابوہریرہ کے اُس بیان سے کیا تعلق جو رسول کی زبانی
انھوں نے کہا ہے کہ شیطان میری طرف آیا کہ میری نماز توڑ ڈالے۔ یہ ایسی

بات ہے جو عقلاً و نقلاً کسی طرح درست نہیں۔

اب اگر کوئی ابوہریرہ کی حمایت میں سورۂ حج کی اس آیت کو پیش کرے

کہ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته فینسخ الله ما یلقی الشیطان ثم یحکم الله آیاته والله علیم حکیم لیجعل ما یلقی الشیطان فتنة للذین فی قلوبهم مرض والقاسیة قلوبهم ان الظالمین لفی شقاق بعید ولیعلم الذین اوتوا العلم انه الحق من ربك الخ

ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا مضمون ابوہریرہ کی حکایت سے بالکل مختلف ہے۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ "تمھارے پہلے جو بھی نبی و رسول بھیجا گیا اُس نے جب بھی آرزو کی شیطان نے اُس کی آرزوؤں میں خلل ڈالا۔ ضروریات دین اسلام کی رو سے یقینی ہے کہ ہمارے رسول اور دیگر تمام انبیاء و مرسلین کے لیے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ وہ رضائے الٰہی کے خلاف کوئی آرزو کرتے اور یقیناً ان کی آرزو جو کچھ بھی تھی وہ ایسی کہ جس سے خالق کی رضا اور خلائق کی بہبودی ہو۔

ہمارے پیغمبر کی آرزو یہ تھی کہ روئے زمین کے تمام انسان ایمان لے آئیں خصوصاً جو افراد آپ سے زیادہ قرب رکھتے ہیں اور شیطان اس آرزو میں خلل اندازی کرتا تھا اور ایسے پہلو پیدا کرتا تھا کہ ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کے عناد میں اور شدت ہوتی تھی یہاں تک کہ انھیں آپ سے جنگ و مقابلہ پر آمادہ کردیا۔

آپ کی آرزو یہ تھی کہ جو ایمان لائیں وہ سب بالکل خالص اور مخلص ہوں مگر شیطان نے ایسی صورتیں پیدا کیں کہ ان میں سے بہت سے دل میں نفاق کو جگہ دیتے رہے۔

کی آرزو اپنی امت میں سے ہر فرد کے لیے یہ تھی کہ وہ بالکل آپ کے راستے پر قائم و برقرار رہے اور ذرہ بھر بھی اُس سے اِدھر اُدھر منحرف نہ ہو اور آپ کی انتہائی تمنا یہ تھی کہ تمام امت آپ کی سیرت پاک پر متفق ہو اور آپ کے اوامر و نواہی کو متحدہ طور پر پیش نظر رکھے جس کے متعلق دو شخصوں میں بھی باہمی اختلاف نہ ہو مگر یہ شیطان نے اس بیش قیمت تمنا میں ایسی دراندازی کی کہ بہت سے افراد آپ کے طریقوں سے منحرف ہو گئے اور اس کے نتیجے میں اُن کے درمیان شدید اختلافات رونما ہو گئے اور وہ کثیر التعداد فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

یونہی شیطان مردود گویا آپ کی تمام تمناؤں کے درپے رہا اور اُن کے بارے میں ایسے افراد کے دل میں جو اُس کی وسوسہ انگیزیوں میں گرفتار ہو سکتے تھے ایسی ایسی باتیں پیدا کیں کہ وہ رسولؐ کی تمناؤں کے مخالف ہو گئے۔

شیطان کی ان وسوسہ خیزیوں اور باطل نوازیوں سے فریب کھانے والے کثیر تعداد میں ہیں جن کے لیے اُس نے اپنی فوجیں تیار اور پھندے اور جال مہیا رکھے ہیں اور وہ اُن کے گمراہ کرنے کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہے۔ وہ اُنھیں اپنی فریب کاری سے حق کو باطل اور باطل کو حق دکھلاتا اور پیغمبرؐ کی آرزوؤں کے پامال کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتا ہے۔

یہی وہ چیز تھی جس نے پیغمبر کو بے چین بنا رکھا تھا اس لیے خدا نے اپنے رسول کو تسلی دی کہ "آپ کے پہلے جو بھی رسول اور نبی آیا ہے اُس کے لیے یہی ہوا کہ جو اُس نے آرزوئیں کیں (جیسی آپ کی آرزوئیں ہیں کہ خلق خدا راہ راست پر آ جائے) تو شیطان نے اُس کی آرزو (کی تکمیل) میں دراندازی کی (جس طرح آپ کی آرزوؤں کے بارے میں دراندازی کی ہے کہ اکثر آدمی اُس کی وسوسہ انگیزیوں کی وجہ سے راہ حق سے دُور رہے ہیں. چنانچہ انبیاء

سب ہی آرزو یہ رکھتے تھے کہ تمام لوگ خالص و مخلص اللہ کی عبادت کرنے والے
ہو جائیں اور دو آدمی بھی اس میں اختلاف رکھنے والے نہ ہوں مگر شیطان نے
ان مقدس آرزوؤں میں ایسی دراندازی کی کہ انبیاء کی آرزوئیں بہت کم پایۂ تکمیل
تک پہنچ سکیں یہاں تک کہ امت موسیٰ کے اکہتر فرقے ہوئے اور امت عیسیٰ کے
بہتر فرقے ہوئے اور یہیں تمام انبیاء کی امتیں اُن آرزوؤں کی تکمیل سے محروم رہیں
لہٰذا اے رسول تمھیں اس پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے ۔ اس کے بعد پیغمبر کو اطمینان
دلاتے ہوئے کہ شیطان تمھاری آرزوؤں کے خلاف جتنی بھی کوششیں کرے گا
آخر میں اُسے ناکامی ہوگی ۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ شیطان کی وسوسہ انگیزیوں کو
(بالآخر) منسوخ کردے گا (یعنی زائل کر دے گا) پھر آپ کو خوشخبری دیتے ہوئے
کہ آخر میں حق ہی کو غلبہ ہوگا ۔ ارشاد ہوا کہ " پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط و مستحکم
کردے گا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا ویحق اللہ الحق بکلماتہ
ولو کرہ المجرمون ۔ اور ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ نسخ اور احکام سے
یہاں مراد ان دونوں لفظوں کے اصطلاحی معنی نہیں ہیں بلکہ ان سے مقصود ان کے
لغوی معنی ہیں ۔ نسخ یعنی زائل کرنا اور احکام یعنے استحکام پیدا کرنا ۔ اس کا مفہوم
وہی ہے جو دوسری آیت کا ہے کہ فاما الزبد فیذھب جفاء و اما
ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کذلک یضرب اللہ الامثال " جو
کف دریا کے مثل بے کار چیز ہے وہ فنا ہو جاتی ہے اور جو خلق خدا کے نفع کی چیز ہے
وہ رُوئے زمین پر برقرار رہتی ہے " پھر رسول کو انبیاء کی کامیابی کے متعلق مزید اطمینان
دلانے کے لیے ارشاد ہوا واللہ علیم حکیم اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے اُسے
معلوم ہے کہ انبیاء و مرسلین کس خلوص کے ساتھ اپنی آرزوئیں رکھتے ہیں اور وہ
اس سے بھی واقف ہے کہ شیطان کس کس طرح اُن کی تکمیل میں دراندازی کرتا ہے ۔

اور وہ "حکیم" بھی ہے لہٰذا اپنی حکمت سے وہ شیطان کی ناکامی کے اسباب مہیا
کرتا ہے اس لیے کہ بہبودیٔ خلق کے اسباب فراہم کرنا جو انبیاء کرام کی آرزو ہے اور
بربادیٔ خلق کے ذرائع کو جو شیطان کا منصوبہ ہیں ناکام بنانا ہی حکمت کا مقتضا ہے۔
یہ بھی اُسی کی حکمت ہی ہے کہ انسانوں میں مطیع و عاصی کے تفرقہ کے لیے وہ اُن کی
شیطان کے ذریعہ سے آزمائش کرے ارشاد ہوا (تاکہ اللہ شیطان کی در اندازیوں کو
ذریعۂ آزمائش قرار دے۔ ان لوگوں کے نمایاں کرنے کے لیے جن کے دلوں میں مرض
ہے" یعنی نفاق اور جن کے دل سخت ہیں" ذکر الٰہی سے اُن میں نرمی نہیں پیدا
ہوتی اور قبول حق کے لیے تیار نہیں ہوتے (اور یقیناً ظالمین) یعنی منافقین و
کفار (دور رس اختلاف میں مبتلا ہیں) یعنی اللہ و رسول کی عداوت اور اُن سے
اختلاف میں جس کی کوئی میعاد ہی نہیں (اور جو ہمارا مقصد یہ ہے کہ صاحبانِ علم
جان جائیں) جو اللہ کی حکمت اور بعثت انبیاء و مرسلین کی حقیقت سے واقف ہیں
کہ (یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے حق ہے کہ اس پر وہ ایمان لائیں) شیطان اور
اُس کی وسوسہ انگیزیوں کی طرف مطلق التفات نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ اس آیت میں
فتنہ یعنی ذریعہ آزمائش اور لیعلم الذین اوتوا العلم کے جو الفاظ استعمال
کیے گئے ہیں وہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ ہے احسب الناس ان ترکوا
ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم
فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین اور ایک جگہ ما کان اللہ
لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب۔
ایک اور مقام پر ولیمحص اللہ الذین اٰمنوا ویمحق الکافرین۔ اس ازالۂ غلط فہمی
کے بعد ہم پھر اصل حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں ابو ہریرہ نے بیان کیا ہے
کہ پیغمبر نے ایک مرتبہ نماز پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ شیطان کا میرا سامنا ہوا اس نے

مجھ پر بڑا زور کیا۔ بڑی کوشش کی کہ میری نماز توڑ ڈالے مگر خداوند عالم نے مجھے
اتنی طاقت دے دی کہ میں نے شیطان کا گلا دبوچ لیا اور چاہا کہ ستون سے
باندھ دوں کہ تم لوگ صبح کو آکر دیکھ سکو۔ مگر مجھے جناب سلیمان کا قول یاد آگیا کہ
خداوندا مجھے وہ سلطنت دے جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو" میں نے ان کی دعا
یاد کر کے یہ خیال ترک کر دیا۔"

امام بخاری و مسلم اور تمام وہ لوگ جو ابوہریرہ کی حدیثوں کا اعتبار کرتے ہیں
مجھے اس سوال کی اجازت دیں کہ کیا شیطان بھی ایسا جسم رکھتا ہے جس کی مشکیں
کسی جا سکیں ستون سے جسے اتنی دیر تک باندھ کر رکھا جا سکے کہ لوگ صبح کو آئیں تو
اس کا تماشا دیکھیں —— میرا تو خیال یہ ہے کہ کوئی بھی اس کا قائل نہ ہوگا کہ شیطان
ایسا ٹھوس بدن رکھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آیات قرآن مجید کے معانی و مطالب کو
صحیح طور پر نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے ابوہریرہ کو اتنے بڑے اختراع کی جسارت ہوئی،
ابوہریرہ نے دل میں سوچا ہوگا کہ بعض آیات قرآن مجید سے شیطان کا مقید ہونا
یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے چنانچہ جناب سلیمان کے حالات میں کلام مجید کی یہ آیت
بھی ہے فسخرنا له الريح تجری بامره رخاء حيث اصاب والشياطين
كل بناء وغواص واخرين مقرنين بالاصفاد ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا
کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے تھے اُن کے حکم کے مطابق دھیمی چال چلتی تھی اور (اسی طرح)
جتنے شیاطین عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے سب کو تابع کر دیا اور دوسرے
کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔"

اس آیت کو دیکھ کر ابوہریرہ نے خیال کیا ہوگا کہ جس طرح اور بہت سے انسان
قیدی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اسی طرح شیطان بھی زنجیروں میں جکڑا ہوا
تھا۔ ابوہریرہ کو اس کا شعور نہیں ہوا کہ شیاطین اگر مقید تھے بھی تو اپنے عالم شیطانی میں

ابوہریرہ

جکڑے ہوئے تھے اور اسی عالم شیطانی کی مناسبت سے اُن کی زنجیریں بھی تھیں جو انھیں فتنہ و فساد کے ارادے سے باز رکھتی تھیں مگر یہ کہ کوئی انسان انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے تو یہ قطعاً ناممکن ہے۔

ابوہریرہ نے اس حدیث میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے شیطان کو محض اس خیال کے بنا پر چھوڑ دیا ستون سے جکڑ کر باندھا نہیں کہ آپ کو جناب سلیمان کا قول یاد آگیا اور آپ کو سلیمان ایسی سلطنت منظور نہیں تھی اگر منظور ہوتی تو یقیناً اسے ستون سے صبح تک باندھ کر رکھتے اور آنے والے صبح کو آکے اس کا تماشا دیکھتے اس جگہ بھی ابوہریرہ کو دھوکا ہوا کیونکہ خداوند عالم نے جناب سلیمان کو جو عظیم الشان سلطنت عطا کی تھی اس کی وضاحت کی ہے قرآن نے ولسلیمان الریح غدو ھا شھر و رواحھا شھر واسلنا له عین القطر ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ومن یزغ منھم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر ٥ یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات اور ہوا کو سلیمان کا (تابعدار بنا دیا تھا) کہ اس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ (مسافت) کی تھی اور (اسی طرح) اس کی شام کی رفتار ایک مہینہ (کے مسافت) کی تھی اور ہم نے ان کے لیے تانبے (کو پگھلا کر اس کا) چشمہ جاری کر دیا تھا اور جنات (کو ان کا تابع کر دیا تھا کہ ان) میں کچھ لوگ اُن کے پروردگار کے حکم سے اُن کے سامنے کام (کاج) کرتے تھے اور اُن میں سے جس نے ہمارے حکم سے انحراف کیا اسے ہم (قیامت میں) جہنم کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے (غرض) سلیمان کو جو بنوانا منظور ہوتا یہ جنات اُن کے لیے بناتے تھے (جیسے) مسجدیں، محل، قلعے اور (فرشتے اور انبیاء کی) تصویریں اور حوضوں کے برابر پیالے اور (ایک جگہ) گڑی ہوئی (بڑی بڑی دیگیں)

توخداوند عالم نے جناب سلیمان کو وہ زبردست سلطنت بخشی تھی جو بظاہر ہمارے پیغمبر کو نہیں عطا کی لہذا ابوہریرہ والے شیطان کو پیغمبر مقید فرما دیے ہوتے تو حضرت اتنی سی بات کی وجہ سے جناب سلیمان کی برابری تو ہو نہیں جاتی کیونکہ صرف شیطان ہی تو مقید ہوتا۔ ہوا کا تابع فرمان ہونا، تانبے کے چشمے کا جاری ہونا، جنات و شیاطین کا کام کاج کرنا اور بہت سے امتیازی خصوصیات سلیمان کے لیے بچ رہتے ہیں لہذا شیطان کو مقید نہ کرنے کا سبب جو ابوہریرہ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے وہ انتہائی واہیات ہے جس طرح پوری کی پوری حدیث مہمل و خرافات ہے۔

(١٦) پیغمبر کا صبح کی نماز سو کر قضا کر جانا

بخاری و مسلم نے بسلسلۂ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ (عبارت مسلم کی ہے) [لہ]

قال عرسنا مع نبی اللّٰہ فلم نستیقظ حتی طلعت الشمس فقال النبیؐ لیاخذ کل رجل منکم براس راحلتہ فان ھذا منزل حضرہ الشیطان قال ابوھریرہ ففعلنا ثم دعا بالماء فتوضا ثم سجد سجدتین ثم اقیمت الصلوۃ فصلی صلاۃ الغداۃ

ہم لوگوں نے ایک مرتبہ پیغمبر کی معیت میں شب بسر کی، طلوع آفتاب تک ہم لوگ سوتے رہ گئے آنکھ نہ کھلی، آں حضرتؐ نے فرمایا ہر شخص اپنی سواری کا سر پکڑ لے یعنی یہاں سے چل کھڑا ہو کہ اس جگہ شیطان آموجود ہوا ہے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا پھر آپ نے پانی منگایا وضو کیا پھر دو سجدے کیے پھر جماعت کی تیاری ہوئی اور آں حضرتؐ نے صبح کی نماز پڑھی۔

لہ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۴ باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ

یہ حدیث بھی پیغمبر کی سیرت کے بالکل برخلاف ہے، وہ عبادت کا دالہ وشیدا
پیغمبر جس کے متعلق ارشاد الٰہی ہے یا ایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا
نصفه او انقص منه قلیلا او زد علیه و رتل القران ترتیلا
اے کمبل پوش ہمارے رات کو عبادت الٰہی کے لیے کھڑے ہو مگر کم آدھی رات یا کچھ
کم و بیش اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ان ربك یعلم
انك تقوم ادنی من ثلثی اللیل و نصفه تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم
قریب قریب دو تہائی رات یا نصف شب عبادت الٰہی میں کھڑے رہتے ہو، دوسری
جگہ ارشاد ہوتا ہے اقم الصلوۃ لدلوك الشمس الی غسق اللیل
وقران الفجر وقران الفجر کان مشهودا[1] ومن اللیل فتهجد به
نافلة لك عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا اے رسول سورج
کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز (ظہر عصر مغرب عشا) پڑھا کرو
اور نماز صبح بھی کیونکہ صبح کی نماز پر (دن اور رات دونوں کے فرشتوں کی) گواہی
ہوتی ہے اور رات کے خاص حصہ میں نماز تہجد پڑھا کرو یہ سنت تمہاری خاص فضیلت ہے
قریب ہے کہ قیامت کے دن خدا تم کو مقام محمود تک پہنچائے یعنی رات ہی سے
نماز پڑھا کرو یہ نماز پنجگانہ کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ تم پر فرض ہے، نماز پنجگانہ

---

[1] خداوند عالم نے اس آیہ مبارکہ میں دلوک شمس یعنی زوال آفتاب سے رات کی تاریکی
تک چار نمازوں کے اوقات ذکر کیے ہیں۔ ظہر و عصر، مغرب اور عشا۔ ظہر و عصر ایک وقت میں
مشترک ہیں دونوں نمازیں زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک پڑھی جاتی ہیں مگر ظہر پہلے پڑھی جاتی ہے
اور عصر بعد میں اسی طرح مغرب و عشا غروب آفتاب سے رات کی تاریکی تک مشترک ہیں اور یہاں بھی مغرب
مقدم ہے عشا سے اور نماز صبح کا وقت خداوند عالم نے مستقلاً بیان کیا وقران الفجر الخ لہذا اس آیت سے
نماز پنجگانہ کا وجوب اور ان کے اوقات کی وضاحت

تو ہر مکلف پر فرض ہے لیکن نماز شب خاص کرکے پیغمبر پر فرض کی گئی اور کسی پر واجب نہ تھی - ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراك حین تقوم و تقلبك فی الساجدین خداوند قوی و رحیم پر بھروسہ کرو جو اس وقت بھی تمہیں نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے اچھی طرح دیکھتا ہے جبکہ کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہوتا اور اس وقت بھی جب تم نمازیوں کے ہمراہ قیام و قعود رکوع و سجود ذکر و تلاوت دعا وغیرہ میں مشغول رہتے ہو - ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب و من اللیل فسبحه وادبار السجود -

ہمارے پیغمبر کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ آپ تمام تمام شب عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ، پوری رات قیام و قعود رکوع و سجود کرتے گذار دیتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیروں[1] پر ورم آگیا اس پر جبریل خداوند عالم کا یہ پیغام لے کر آئے کہ اپنے نفس پر رحم کیجیے کہ اس کا حق بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور وحی الٰہی پہنچی طٰہٰ ما انزلنا علیك القراٰن لتشقی الا تذکرۃ لمن یخشی اے طیب و طاہر ہم نے قرآن اس لیے آپ پر نازل نہیں کیا کہ آپ اپنی جان جوکھم میں ڈال دیں یہ تو خدا سے ڈرنے والے کے لیے نصیحت ہے ، جان جوکھم میں ڈالنے کا مطلب یہی ہے ہر وقت مسلسل عبادت کیے جانا جو نفس کے لیے سبب مشقت ہو ، مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مسلسل اتنی عبادت کرتے رہیں کہ جو آپ کے لیے ناقابل برداشت مشقت بن جائے اور آپ عبادت کرکے اپنے کو ہلاک کر دیں

---

[1] تفسیر کشاف علامہ زمخشری تفسیر آیہ طٰہٰ - امام بخاری نے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۵ میں ایک مستقل باب ہی قائم کیا جس میں وہ حدیثیں جمع کی ہیں جو آں حضرتؐ کے کثرت قیام کی وجہ سے قدم مبارک اور پنڈلیوں کے متورم ہو جانے کے متعلق وارد ہوئی ہیں ۱۲

ہم نے قرآن کو نصیحت بنا کر بھیجا ہے لہذا آپ اپنے اوپر رحم فرمائیے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں آں حضرتؐ کی نماز شب کے متعلق متعدد ابواب قائم کیے ہیں ایک باب نماز شب میں طولانی سجدہ کرنے کے متعلق ایک نماز شب میں طولانی قیام کرنے کے متعلق، ایک باب آپ کے قیام کے متعلق یہاں تک کہ آپ کے قدم متورم ہوگئے۔ جب نماز شب میں پیغمبرؐ کا یہ اہتمام تھا تو پنجگانہ نمازوں کی پابندی کا کیا عالم ہوگا۔ نماز پنجگانہ تو دین کی ان بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے جس پر اسلام کی عمارت تعمیر ہوئی لہذا کسی طرح بھی ممکن ہے کہ پیغمبر نماز پنجگانہ سو کر غائب کر جائیں معاذاللہ، پیغمبر ہی نے تو مسلمانوں کو کلام مجید کی یہ آیات پڑھ کر سنائی تھیں حافظوا علی الصلوۃ والصلوۃ الوسطی، والذین ہم علی صلاتہم یحافظون واولئک ہم الوارثون الذین یرثون الفردوس وہم فیہا خالدون، فاقیموا الصلاۃ ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا، قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی۔ کلام مجید اس قسم کی روشن و واضح آیات سے بھرا ہوا ہے جن کی طرف پیغمبر ہر لمحہ اور ہر آن لوگوں کو متوجہ کرتے رہتے، اور وعظ و نصیحت فرماتے رہتے، آپ نے نماز سے بے پروائی کرنے والوں کو یہ کہہ کر جھنجھوڑا ویل للمصلین الذین ہم عن صلواتہم ساہون الذین ہم یراؤون۔۔ منافقین کو یہ کہہ کر رسوا کیا ولا یاتون الصلوۃ الا وہم کسالی ولا ینفقون الا وہم کارہون۔

ایک شخص نیند کے غلبہ کی وجہ سے نماز شب نہ پڑھ سکا اس کے متعلق آپ نے فرمایا بال الشیطان فی اذنہ[1] شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۶ کتاب الصلوۃ باب اذا نام ولم یصل بال الشیطان فی اذنہ

اللہ اکبر اس فقرے کے ذریعہ پیغمبر نے نماز شب سے غفلت کرنے والوں کی بد حالی کا کتنا بلیغ کنایہ فرمایا ہے، ایسا کاری فقرہ ہے کہ اگر غیرت و انصاف دل میں ہو تو شب کی نیند حرام ہو جائے، اور یہ دنیا جانتی ہے کہ پیغمبر نے جتنے احکام دیے ہیں، جن جن باتوں کی مسلمانوں کو تعلیم دی ہے سب سے پہلے خود ان پر عمل فرمایا، اور سب سے زیادہ ان باتوں کی سختی کے ساتھ خود پابندی کی ہمارے پیغمبر نے زبانی باتوں سے امت کے افعال کو اتنا نہیں سنوارا جتنا اپنے افعال کے ذریعہ اپنا عملی نمونہ پیش کر کے ہدایت و رہبری فرمائی۔ لہذا کس عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ اتنا بڑا دور اندیش اور سوجھ بوجھ والا پیغمبر نماز شب سے بے پروائی کرنے والوں کی تو اتنی مذمت فرمائے اور خود فریضۂ سحری سے یوں غفلت کرے نماز صبح نیند سو کر قضا کر جائے۔ معاذ اللہ

انھیں ابوہریرہ نے یہ حدیث روایت کی ہے ان رسول اللہ ص قال، یعقد[1] الشیطان علی قافیۃ راس احدکم اذا ھو نام ثلاث عقد فان استیقظ فذکر اللہ انحلت عقدۃ فان توضا انحلت عقدۃ فان صلی انحلت عقدۃ فاصبح نشیطا طیب النفس والا اصبح خبیث النفس کسلانا تم میں سے جب کوئی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر میں گرہیں لگا دیتا ہے پس اگر وہ بیدار ہوا اور خدا کو یاد کیا تو ایک گرہ خود بخود کھل جاتی ہے اور اگر وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور وضو کر کے اگر

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۱۳۶۔ امام بخاری پر تعجب ہے کہ اپنی صحیح میں ابو ہریرہ کی یہ حدیث بھی لکھتے ہیں اور انھیں کی روایت کردہ اس حدیث کو بھی اپنی صحیح میں جگہ دیتے کہ پیغمبر محو خواب رہ کر صبح کی نماز قضا کر گئے ۔۔ امام احمد نے بھی اس یعقد الشیطان والی حدیث کو مسند جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ میں درج کیا ہے۔

نماز بھی پڑھی تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ شخص آزاد و بشاش صبح کرتا ہے ورنہ سست و کاہل اور بدنفسی کے عالم میں اس کی صبح ہوتی ہے۔

یہ حدیث بھی اوپر والی حدیث کی طرح بلیغ ترین کنایہ ہے۔ یہ دونوں حدیثیں نمونہ پیش کرتی ہیں کہ پیغمبر خدا شیطان سے ڈرانے اور عبادت خدا کا شوق دلانے میں اپنی امت کے کتنے خیر خواہ تھے۔

اگر ابوہریرہ ان دونوں حدیثوں کے بیان کرنے میں سچے ہیں تو یقیناً انھوں نے پیغمبر کی نماز صبح کھا جانے کی حدیث بیان کر کے پیغمبرؐ پر بدترین تہمت باندھی ہے۔

انھیں ابوہریرہ نے پیغمبر سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا لیس صلوٰۃ اثقل علی المنافقین من الفجر والعشاء ولو یعلمون ما فیھما لاتوھما ولو حبوا۔ لقد ھممت ان اٰمر المؤذن فیقیم ثم اٰمر رجلا یؤم الناس ثم اٰخذ شعلا من نار فاحرق علی من لا یخرج الی الصلوٰۃ بعد منافقین کو جتنا نماز صبح اور نماز عشا پڑھنا شاق گزرتا ہے اتنا اور کسی نماز کا پڑھنا نہیں اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نمازوں میں کتنا خیر و برکت ہے تو جس طرح بن پڑے ضرور شریک ہوں چاہے گھٹنیوں کے بل چل کے سہی، میں نے چاہا کہ موذن کو حکم دوں کہ بعد اذان اقامت کہے پھر ایک شخص کو نماز پڑھانے کو کہوں اس کے بعد آگ روشن کر کے ان تمام لوگوں کو جلا کر خاک کر دوں جو اس نماز میں شریک ہوئے ہوں۔

ملاحظہ فرمائیے پیغمبرؐ نے نماز فجر و عشا کی کتنی شدید تاکید فرمائی ہے صرف

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۱۰ ص۲۳ کتاب الصلوٰۃ باب فضل صلوٰۃ العشاء

تاکید ہی نہیں بلکہ جو لوگ نماز میں شریک نہ ہوں اور سوتے رہ جائیں انھیں جلاکر پھونک دینے کا تہیہ تک کیا۔ جب دوسروں کے ساتھ نماز صبح کے لیے آپ اتنی سختی فرمائیں تو کیا خود اسی فعل کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ خدا جزاے خیر دے عبداللہ بن رواح صحابی پیغمبرؐ کو کیا خوب کہا ہے[1]۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ — اذا انشق معروف من الفجر ساطع
ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا — بہ موقنات ان ما قال واقع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ — اذا استثقلت بالعابدین مضاجع

ہم میں خدا کے وہ رسول ہیں جو سپیدۂ سحری کے نمودار ہونے کے وقت تلاوت کلام مجید فرماتے ہیں۔

"ہم گمراہ تھے انھوں نے ہماری ہدایت فرمائی اب ہمارے دلوں کا عالم یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے ہر ارشاد کو حرف بحرف صحیح یقین کرتے ہیں۔

جب کہ اور عبادت گذار بستروں پر محوِ خواب ہوتے ہیں ہمارے پیغمبر بستر سے دور عبادت الٰہی میں شب بسر کرتے ہیں۔"

اب ہم حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے باطل ہونے کے قرائن ذکر کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

یہ حدیث چند وجہوں سے باطل ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ علماے کرام نے پیغمبرؐ کے خصوصیات جو مختصات میں یہ بات ذکر کی ہے کہ جب آپ محوِ خواب ہوتے تو آپ کا دل بیدار رہتا۔ بہت سی صریح حدیثیں اس کی صراحت کرتی ہیں[2]۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۸ [2] امام بخاری نے اس مسئلہ کے لیے علیحدہ ایک باب قائم کیا ہے ملاحظہ ہو صحیح بخاری پ ۲ ص ۱۶۹

... پیغمبر کی ... معجزات میں شمار کیا جاتا ہے لہٰذا جب
یہ طے شدہ ہے کہ سوتے میں بھی پیغمبرؐ کا دل بیدار رہتا تھا تو ناممکن ہے کہ پیغمبرؐ سو کر صبح
کی نماز قضا کر جائیں کیونکہ اگر آنکھیں سوتی بھی رہی ہوں گی تو دل یقیناً بیدار رہا ہوگا
اور باتوں سے غافل رہا بھی ہو تو خدا سے تو ہرگز غافل نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ پیغمبرؐ صرف نماز شب پڑھ کر سونے کے لیے لیٹ گئے نماز وتر ابھی نہیں
پڑھی تھی آپ کی کسی بیوی نے کہا حضور بغیر نماز وتر پڑھے سو رہے ہیں تو آپ نے
فرمایا کہ آنکھ میری سوتی ہے مگر دل جاگتا رہتا ہے[1] مطلب یہ کہ نماز وتر فوت نہ ہونے
پائے گی۔ جب نماز وتر کا اتنا دھیان تھا تو پھر نماز صبح کے لیے کتنا دھیان رہنا چاہیے۔

دوسری وجہ اس حدیث کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے وضاحت
کی ہے (جیسا کہ صحیح مسلم[2] میں ہے) کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ جنگ خیبر
فتح کر کے واپس تشریف لا رہے تھے۔ قابل غور یہ ہے کہ ابو ہریرہ جو اس واقعہ کے
بہت دنوں بعد مسلمان ہوئے کیونکر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ میں بھی اس واقعہ میں موجود تھا[3]

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲ ص ۱۷۹ باب کان النبی تنام عینہ ولا ینام قلبہ۔ مسند جلد ۲ ص ۲۵۱
[2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۴ باب قضاء الصلاۃ [3] البتہ ابو ہریرہ اپنی زندگی کے آخری
دنوں میں بیان کیا کرتے کہ "میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ قبول اسلام کے لیے مدینہ پہنچا
پیغمبرؐ ان دنوں خیبر کی طرف تشریف لے گئے تھے اور مدینہ میں سباع بن عرفطہ غفاری کو نگراں
مقرر کر گئے تھے ہم لوگوں نے صبح کی نماز انھیں کے پیچھے پڑھی جب ہم لوگ نماز سے فارغ ہوئے
تو سباع بن عرفطہ نے کچھ زاد سفر ہم لوگوں کو دیا جس کی مدد سے ہم لوگ خدمت پیغمبر میں آئے
اس وقت خیبر فتح ہو چکا تھا مال غنیمت کی تقسیم ہو رہی تھی پیغمبرؐ نے مسلمانوں سے ہم لوگوں
کے متعلق سفارش کی مسلمانوں نے اپنے حصوں میں ہمیں بھی شریک کر لیا جس طرح اور تمام مسلمانوں نے
مال غنیمت میں حصہ پایا ہم نے بھی حصہ پایا" یہ حدیث تنہا ابو ہریرہ نے بیان کی ہے اور

تیسری وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا
لیاخذ کل رجل منکم براس راحلتہ فان ھذا منزل حضرہ الشیطان
قال ففعلنا ہر شخص اپنی سواری کا سر پکڑلے کہ اس جگہ شیطان آموجود ہوا ہے
ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ چنانچہ ہم نے تعمیل حکم پیغمبرؐ کی۔ ہم گذشتہ صفحات میں وضاحت
کر چکے ہیں کہ شیطان پیغمبرؐ کے پاس کبھی پھٹک نہیں سکتا تھا اور یہ بھی ہر شخص
جانتا ہے کہ ابو ہریرہ کو اس وقت تو کھانے کو بھی نصیب نہ تھا دوسروں کے
ٹکڑوں پر گذر اوقات تھی سواری ان کے پاس کہاں سے آتی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ
ثم دعا بالماء فتوضا ثم سجد سجدتین ثم صلی صلاۃ الغداء
پیغمبرؐ نے پانی منگایا وضو کیا دو سجدے کیے پھر نماز صبح پڑھی۔

نماز صبح تو پیغمبرؐ نے اس لیے پڑھی ہو گی کہ فوت ہو گئی تھی آپ نے قضا کی ہو گی
لیکن دو سجدے کرنے کی وجہ ہماری سمجھ میں خاک نہ آئی۔ فاضل نووی شارح صحیح مسلم
بھی اس چیز کو گول کر گئے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ فوج اور سردار فوج کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا کہ کچھ پہرے دار
ہوا کرتے ہیں جب فوج والے سوتے ہیں تو وہ پہرے دار جاگ کر پہرا دیا کرتے ہیں
خصوصاً وہ پہرا تو اس وقت اور سختی کے ساتھ دیا جاتا ہے جب فوج کے ہمراہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) کسی صحابی سے اس مضمون کی روایت وارد نہیں ہوئی لیکن جمہور اہلسنت نے
ابو ہریرہ کو حسب عادت سچا سمجھتے ہوئے اس روایت کو بھی صحیح سمجھ لیا اور بطور مسلمات خیبر میں
ان کی موجودگی بھی بیان کرنے لگے۔ مگر حقیقتاً خیبر میں ان کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں۔
صحیح و درست وہی بات ہے جو ہمارے ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے منقول ہے کہ جب پیغمبر
خیبر سے پلٹ کر آلیے ہیں تب ابو ہریرہ مدینہ پہنچے اور اسلام لائے۔

لشکر میں بہت سے منافق تھے جو ہر وقت سازشیں کرتے رہتے اور پیغمبر کی جان لینے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے لہذا کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبرؐ فوج کے اس معمولی دستور سے بھی پہلوتہی کرنے کے مرتکب ہوں، آپ نے پہرے دار نہ رکھے ہوں جو جاگ کر فوج کی پہرے داری کریں اور اپنے کو بھی خطرے میں ڈالا ہو اور فوج کو بھی۔ پیغمبر اس ضروری تدبیر سے غافل تصور کیے ہی نہیں جا سکتے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر پیغمبر اور فوج والے سو بھی گئے تھے تو کیا پہریدار بھی سو گئے تھے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اس واقعہ میں ایک ہزار چھ سو لشکریوں کے ہمراہ تھے جن میں دو سُو سوار تھے باقی چودہ سُو پیادہ تھے اور یہ بات عادتاً ناممکن ہے کہ اس وقت پوری کی پوری فوج محوِ خواب رہی ہو کوئی بھی نہ جاگا ہو اور نماز صبح کیلئے دوسروں کو نہ جگایا ہو۔ مان بھی لیا جائے کہ سب پر اتنی نیند مسلّط تھی کہ کوئی بھی بیدار نہ ہوا تو کیا دو سو گھوڑوں کے ہنہنانے سے بھی کوئی بیدار نہ ہوا ہو گا، کیا گھوڑے بھی سب کے سب سو رہے تھے اور صبح کے وقت اپنے چارہ گھاس تک سے غافل رہے۔ یہ آخر کس نشہ کی نیند تھی کہ ۱۶ سُو آدمی سب کے سب محوِ خواب، دو سُو گھوڑے وہ بھی نیند میں چور نہ کوئی انسان جاگا نہ حیوان بیدار ہوا۔

(۱۷) گائے اور بھیڑیے کا فصیح زبان عربی میں باتیں کرنا

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی۔ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں:۔

قال صلی رسول اللہ صلاۃ الصبح ثم اقبل علی الناس فقال بینا رجل یسوق بقرۃ

پیغمبر نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھی پھر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا ایک شخص ایک گائے ہنکائے لیے جا رہا تھا کہ

اذ رکبها فضربها۔ فقالت:
انا لم نخلق لهذا انما خلقنا
للحرث! فقال الناس:
سبحان الله بقرة تكلم!
قالؐ فانی اومن بهذا
انا وابو بکر وعمر وما هما
ثم۔ وبينا رجل فی غنمه
اذ عدا الذئب فذهب
منها بشاة فطلبها حتی
استنقذها منه فقال له
الذئب: استنقذتها منی!
فمن لها يوم السبع؟ يوم
لا راعی لها غيری! فقال
الناس: سبحان الله ذئب
يتكلم! قالؐ فانی اومن
بهذا انا وابو بکر وعمر
وما هما ثم۔ [1]

اس پر بیٹھ گیا اور اسے مارا، وہ گائے بولی میں
سواری کے لیے نہیں پیدا کی گئی بلکہ میں کھیتی
کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔ پیغمبرؐ کے پاس بیٹھے
ہوئے لوگوں نے کہا سبحان اللہ گائے بھی کہیں
بولتی ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا گائے کے
بولنے پر میں بھی ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر اور
عمر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ابوبکر و عمر وہاں موجود
نہ تھے۔ نیز آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا ایک شخص اپنی بکریاں
چرا رہا تھا ایک بھیڑیا آیا اور ایک بکری اُٹھائے گیا
وہ شخص اس بھیڑیے کے پیچھے دوڑا اور بھیڑیے کے
مُنہ سے بکری چھین لی، اس پر بھیڑیے نے کہا
تم نے یہ بکری مجھ سے چھین لی؟ یوم السبع اس
بکری کو کون بچائے گا جبکہ میرے سوا کوئی اس
بکری کا نگراں نہ ہوگا۔ پیغمبرؐ کے ارشاد کو سُن کر
لوگوں نے کہا سبحان اللہ بھیڑیا بھی بولتا ہے!
آں حضرتؐ نے فرمایا میں اس پر ایمان رکھتا ہوں
اور ابوبکر و عمر بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ابوبکر
و عمر وہاں موجود نہ تھے۔

ابوہریرہ نت نئی باتیں بیان کرنے کے بڑے شائق تھے اس شوق نے
ایسی ایسی باتیں اُن کی زبان سے نکلوائی ہیں جو دید نہ شنید نہ جن کا عادتاً وقوع میں

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۱۲ ص ۱۷۱ و ص ۱۹۰ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۶ فضائل ابی بکرؓ، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۴۶

آنا ممکن! کیا کیا مزے کی حدیث بیان کی ہے کہ سنیے اور سر دُھنیے - پتھر جناب موسیٰ کے کپڑے لے بھاگا - موسیٰ نے ملک الموت کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں - جناب ایوب پر سونے کی ٹڈی آ کے گری -

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

پالش میں لگائی کرن آفتاب کی

اس حدیث میں ابوہریرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک گائے اور ایک بھیڑیے نے فصیح زبان عربی میں گفتگو کی - کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے - کوئی شخص اس کا تصور بھی کر سکتا ہے - ایسی باتیں اگر ہو بھی سکتی ہیں تو اس وقت جب خداوند عالم کو اپنے پیغمبر کی صداقت اور نبوت کا ثبوت دنیا کو دینا مقصود ہوتا ہے بطور چیلنج اس قسم کے ناممکن و خارق عادت افعال ظہور میں آتے ہیں کہ دیکھو ہمارا پیغمبر اس امر پر قادر ہے کہ ع گنگ کو ماہر انداز تکلم کر دے — لیکن ابوہریرہ نے جس گائے اور بھیڑیے کا ذکر کیا ہے وہاں نہ تو کسی نبی کا ذکر ہے اور نہ نبوت کا نہ کسی چیلنج کا - لہذا بے سبب بے ضرورت خواہ مخواہ قدرت کو اس کرشمہ نمائی کی کیا حاجت لاحق ہوئی -

معجزات و خارق عادت باتیں کھیل ٹھٹھا تو نہیں کہ بے کار فضول ظہور میں آتی رہیں - اور ابوبکر و عمر کا نام جو انھوں نے ضمیمہ کے طور پر اس حدیث میں چپکا دیا ہے اس سے کون سی فضیلت ان دونوں حضرات کی ثابت ہو گئی - کاش ابوبکر و عمر کے زمانے میں ابوہریرہ نے یہ حدیث بیان کی ہوتی اور یہ دونوں حضرات بھی سنے ہوتے تو اس وقت ابوہریرہ کو اپنی قدر و عافیت معلوم ہوتی مگر ابوہریرہ نے اپنی ندرت پسند طبیعت کی سیری کے لیے یہ حدیث اس وقت بیان کی جب کوئی ٹوکنے والا موجود نہ تھا -

(۱۸) ابوبکر کا ۹ھ ہجری میں افسر حج مقرر کیا جانا اور اسی سال ابوہریرہ کا برأت کا اعلان پڑھ کر سنانا

بخاری و مسلم نے حمید بن عبد الرحمان بن عوف سے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ نے ان سے بیان کیا۔

ان ابا بکر الصدیق بعثه فی الحجة التی امره علیها رسول الله قبل حجة الوداع بسنة یوم النحر فی رهط یؤذنون فی الناس ان لا یحج بعد العام مشرك ولا یطوف بالبیت عریان[1]

ابوبکر جس سال افسر حج مقرر ہوئے تھے حجۃ الوداع سے ایک سال قبل تو انھوں نے ابوہریرہ کو قربانی کے دن ایک جماعت کے ساتھ بھیجا تاکہ لوگوں میں یہ اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

بخاری نے انھیں حمید سے اور انھوں نے ابوہریرہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے:-

قال بعثنی ابو بکر الصدیق فی تلك الحجة فی مؤذنین بعثهم یوم النحر یؤذنون بمنی ان لا یحج بعد العام مشرك ولا یطوف بالبیت عریان (قال) ثم اردف النبی بعلی فامره

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ اس حج میں ابوبکر نے مجھے قربانی کے دن اعلان کرنے والوں کے ہمراہ بھیجا تاکہ مقام منیٰ میں یہ اعلان ہم لوگ کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرے۔ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پھر پیغمبرؐ نے علیؑ کو بھی

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۱ صفحہ ۱۹۲ کتاب الحج باب لا یطوف بالبیت عریان صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۱ باب لا یحج بالبیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان ۱۲

ان یوذن ببراءۃ فاذن معنا علی فی اھل منی یوالنحر الحدیث[1]	ساتھ کر دیا اور حکم دیا کہ وہ بھی برائت کا اعلان کریں چنانچہ انھوں نے بروز قربانی اہل منیٰ میں ہمارے ساتھ اعلان کیا۔

شام کی سیاست سے نہ تو یہ بات بعید و تعجب خیز تھی کہ ابو ہریرہ و حمید کو یہ حدیث بیان کرنے پر مجبور کیا گیا ہو نہ یہی امر چنداں باعث حیرت ہے کہ خود ان دونوں نے شامی حکومت کی خوشامد و چاپلوسی میں یہ حدیث گڑھی ہو۔ ابو ہریرہ شام گئے ہی تھے اس لیے کہ اپنے کاروبار کو خوب ترقی دیں اور من گڑھت حدیثیں بیان کر کر کے درہم و دینار سے اپنا گھر بھر لیں اس وقت دنیا شاہان بنی امیہ کے قدموں میں تھی اور وصی و آل نبی پر تہمت تراشی سے بہتر اور نفع بخش تجارت اس زمانہ میں کوئی نہ تھی۔

یہ حمید منجملہ ان لوگوں کے ایک تھے جو معاویہ کے لیے خاص طور سے تیار کیے گئے تھے تاکہ اس قسم کی حدیثیں جہاں تک ہو سکے اختراع کریں اور دنیا کو دکھانے کے لیے عبادت و پرہیزگاری کا لبادہ اوڑھے رہیں[2] اور دشمنان علی سے حدیثیں سن سن کر روایت کریں۔ یہ علی کی دشمنی و عداوت میں بنی امیہ کی کسی فرد سے بھی پیچھے نہیں تھے اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ ہندہ جگر خوارہ جیسی عورتوں ہی کی کوکھ سے پیدا ہوئے تھے۔ ان حمید کی ماں ام کلثوم عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اور ولید بن عقبہ کی حقیقی بہن تھی اور ان کی نانی عثمان بن عفان کی ماں تھی یہ تو مادری سلسلہ نسب تھا

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۳ صفحہ ۱۹۷ تفسیر سورہ برائت [2] حمید نے معاویہ سے حدیث سنی چنانچہ وہ صحیح بخاری میں موجود ہے نعمان بن بشیر سے حدیث سنی وہ صحیح مسلم میں موجود ہے ان کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ ابن زبیر مروان اور انھیں جیسے بہت سے دشمنان علی سے اس نے حدیثیں سنیں اور روایت کی۔

باپ تھے۔ عبدالرحمان بن عوف اُن کا حال کس سے پوشیدہ ہے۔ علی سے دشمنی اور بروز شوریٰ عثمان کی طرفداری دنیا جانتی ہے لہذا کریلا ایک خود کڑوا دوسرے نیم چڑھا۔ حمید و ابوہریرہ نے اس من گڑھت حدیث میں ایکا کرلیا ہو اور دونوں نے مل کر اس حدیث کو شہرت دی ہو تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

ہم جن اسباب سے اس حدیث کو باطل قرار دیتے ہیں اُن میں سے ایک واضح سبب یہ ہے کہ خود انھیں ابوہریرہ نے (بنی امیہ کی حاشیہ نشینی اختیار کرنے کے قبل) یہ حدیث بیان کی تھی[2]

کنت فی البعث الذین بعثهم رسول الله مع علی ببراءة فقال له ولده المحرر: فبم کنتم تنادون ؟ قال: کنا نقول لا یدخل الجنة الا مومن ولا یحج بعد العام مشرك و لا یطوف بالبیت عریان ومن کان بینه وبین رسول الله	پیغمبر نے جن لوگوں کو علی کے ہمراہ اعلان برأت کے لیے روانہ کیا تھا ان لوگوں میں میں بھی تھا۔ ابوہریرہ کے لڑکے محرر نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے جا کر اعلان کیا کیا ؟ ابوہریرہ نے کہا کہ ہم نے یہ اعلان کیا کہ جنت میں مومن ہی جائیں گے اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ خانہ کعبہ کا کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے اور جس کے اور رسول کے درمیان کوئی معاہدہ ہو

[1] عبدالرحمان کی زوجہ ام کلثوم بنت عقبہ حضرت عثمان کی مادری بہن اور ولید کی حقیقی بہن تھی [2] امام حاکم نے مستدرک جلد ۲ تفسیر سورہ برات میں اس حدیث کو لکھا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اس حدیث کے صحت کی صراحت کرتے ہوئے تلخیص مستدرک میں باقی رکھا ہے۔ امام احمد نے مسند جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ میں بھی اس حدیث کو لکھا ہے اُن کی لفظیں یہ ہیں کنت مع علی حین بعثه رسول اللهؐ الی اهل مکه میں حضرت علی کے ہمراہ تھا جبکہ آپ کو آں حضرتؐ نے اہل مکہ کی طرف روانہ کیا۔

عهد فاجله الى اربعة اشهر فنا دیت حتی صحل صوتی -	وہ بس چار مہینے تک باقی رہے گا۔ میں نے اس اعلان کو بہت چیخ کر سنایا یہاں تک کہ میری آواز پھٹ گئی ۔

ابوہریرہ کی یہ حدیث مستند و موثق طریقوں سے ثابت و مسلم ہے اس حدیث میں ابوہریرہ نے کہیں بھی ابوبکر کا نام نہیں لیا بلکہ یہ صراحت کی ہے کہ سورہ برأت کے موقع پر پیغمبر نے جن لوگوں کو بھیجا تھا انھیں علی کی ہمراہی میں۔ علی کو حاکم و افسر اور باقی سب لوگوں کو اُن کا تابع بنا کر بھیجا تھا ۔ اسی افسری کو ابوہریرہ نے مذکورۂ بالا حدیث میں ابوبکر کے سر منڈھا ہے ۔ لہٰذا جب اس موخرالذکر حدیث میں ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ہمیں علی کی معیت میں بھیجا تھا تو پھر مذکورۂ بالا حدیث کے کیا معنی؟ کہ قربانی کے دن اعلان کرنے والوں کے ساتھ ابوبکر نے مجھے بھیجا اور یہ کیوں کہا کہ پھر پیغمبرؐ نے علیؑ کو ساتھ کر دیا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ اعلان کریں

---

[1] علماء نے ابوہریرہ کے اس فقرہ فاجله الى اربعة اشهر کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ امیرالمومنین نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں یہ جملہ تھا ومن كان له عهد من المشركين فاجله الى امده بالغا ما بلغ ومن ليس له امد فاجله الى اربعة اشهر۔ جن مشرکین میں سے جس کسی کے ساتھ رسول نے معاہدہ فرمایا ہے تو جو مدت اس عہدنامہ میں مقرر کی جا چکی ہے اس مدت تک وہ معاہدہ برقرار رہے گا اور جس معاہدہ میں کوئی مدت مذکور نہیں وہ صرف چار مہینہ تک نافذالعمل ہے ۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ اس موسم حج میں تھے بھی نہیں خواہ مخواہ کے دعوے دار ہیں کہ میں بھی علی کے ساتھ بھیجا گیا تھا اسی لیے اعلان کی صحیح لفظیں انھیں یاد نہ رہ سکیں ۔ ابوہریرہ سے یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں وہ اکثر و بیشتر ایسے مواقع پر اپنی موجودگی کا دعویٰ کر دیا کرتے تھے جہاں وہ رہے ہی نہیں اسی لیے بات کچھ ہوا کرتی اور بیان کچھ کر دیا کرتے ۔ جیسا کہ آئندہ ہم مزید وضاحت کریں گے

ایک حدیث میں علی کو افسر حج بناتے ہیں اور ایک میں ابوبکر کو یک بام و دو ہوا، اسی کا نام ہے۔

میں نمبروار اصل حقیقت کی وضاحت کیے دیتا ہوں۔

۱۔ صحیح واقعہ کیا تھا؟ مختصر تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب سورۂ برائت پیغمبرؐ پر نازل ہوئی تو آپ نے ابوبکر کو اسے دے کر بھیجا تاکہ بروز حج سارے مجمع کو پڑھ کر سنا دیں اور اعلان کر دیں کہ "اللہ اور رسول مشرکین سے بے تعلق ہیں اُن سے اب تک جو معاہدے تھے وہ ختم کیے جاتے ہیں اور اس سال کے بعد پھر مکہ میں کوئی مشرک قدم نہ رکھے نہ کوئی شخص خانۂ کعبہ کا برہنہ طواف کرے۔" ابوبکر سورہ کو لے کر زیادہ دور نہ گئے ہوں گے کہ خداوند عالم کی طرف سے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ لا یودی عنك الا انت او رجل منك اے پیغمبر اس کام کو یا تو خود انجام دو یا اسے بھیجو جو تم سے ہو۔ آپ نے علی کو بلایا حکم دیا کہ جلد جاکر ابوبکر سے ملو اور سورۂ برائت لے کر مکہ جاؤ اور خدا ورسول کی طرف سے یہ اعلان تم جاکر کر آؤ اور اس موسم حج[1] کی افسری پیغمبرؐ نے علیؑ کو بخشی انھیں حکم دیا کہ ابوبکر کو اختیار دینا کہ چاہے تمھارے ساتھ تمھاری ماتحتی میں جائیں یا مدینہ لوٹ آئیں۔ علیؑ پیغمبرؐ کے ناقہ عضباء پر سوار ہوئے اور ابوبکر کو راستہ میں جالیا، ابوبکر نے علیؑ سے پوچھا، کیسے آنا ہوا ابوالحسن؟ علی نے کہا پیغمبرؐ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سے آیات لے لوں اور اپنی زبان[2] سے جاکر معاہدہ کی منسوخی کا اعلان کردوں تمھیں اختیار ہے میرے ساتھ چلو یا رسول کے پاس پلٹ جاؤ۔ ابوبکر نے کہا میں پلٹ ہی جاؤں گا۔ علیؑ

---

[1] علامہ طبرسی مجمع البیان جلد ۳ ص ۳ میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے حضرت کو موسم حج کا افسر مقرر کیا اور آپ نے جب جاکر ابوبکر سے سورہ برائت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) ابوبکر کو دیں کہ جاکر حج کے مقام پر مشرکین کو پڑھ کر سنا دو اور قبل
اس کے کہ حج کا وقت آئے آپ انھیں معزول کردیں عمل کا وقت آنے سے پہلے حکم کو
منسوخ کردینے کے کیا معنی؟ یہ تو نہ خدا ہی کے لیے جائز نہ رسول ہی کے لیے جائز کہ ایک
وقت معین کے لیے کوئی حکم دیں اور قبل اس کے کہ وہ وقت آئے اس حکم کو منسوخ کردیں
تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ پیغمبرؐ کا ابوبکر کو جانے کا حکم دینا اور پھر حج کا
وقت آنے سے پہلے اُن کو واپس بلا لینا بتاتا ہے کہ حضرت ابوبکر حقیقتاً صرف مکہ کی
طرف جانے کے مکلف کیے گئے تھے۔ تبلیغ سورہ برائت تو بعد کی چیز تھی اصل حکم انھیں یہ تھا
کہ وہ فقط مکہ کی طرف سورہ برائت لے کر روانہ ہوجائیں۔ تاکہ وہ جب کچھ راستہ طے کرلیں
تو انھیں واپس بلالیا جائے اور اُن کی جگہ علیؑ کو بھیجا جائے اور اس طرح علی کی فضیلت
ظاہر ہو جو شروع ہی میں بھیج دینے پر ہرگز ظاہر نہ ہوتی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھا جائے
کہ خداوند عالم نے بظاہر حالات جناب ابراہیم کو ذبح اسماعیل کا حکم دیا اور جب
ابراہیم آمادہ ذبح ہوئے اسماعیل کو زمین پر لٹایا، خدا کا حکم پہنچا کہ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا
معلوم ہوا کہ فی الحقیقت جناب ابراہیم ذبح کردینے پر مامور نہیں ہوئے تھے بلکہ ذبح کے
ابتدائی مراحل، ذبح کے مقدمات بجالانے پر مامور تھے تاکہ اس قوت قلب کے مظاہرہ کی
وجہ سے ابراہیم و اسماعیل دونوں کے وہ عظیم الشان فضائل آشکارا ہوں جن سے جاہل لوگ
لاعلم تھے لہٰذا جس طرح اس واقعہ کے متعلق "عمل کا وقت آنے سے پہلے حکم کا منسوخ
ہوجانا" نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح ابوبکر کا حکم دیا جانا اور پھر راستہ سے پلٹا لیا جانا بھی نہیں۔
وہاں درحقیقت مقدمات ذبح عمل میں لانے پر ابراہیم مامور تھے۔ یہاں ابوبکر مکہ کی طرف سفر کرنے کے مامور
تھے نہ وہاں ذبح کردینے ہی کا حکم تھا نہ یہاں تبلیغ سورہ برائت ہی کا حکم تھا۔ وہاں خلیل کو مقدمات
ذبح کا حکم دیا گیا تاکہ ابراہیم و اسماعیل کی فضیلت آشکار ہو۔ یہاں ابوبکر کو مکہ جانے کا

باقی حاجیوں کو لے کر مکہ پہنچے اور ابوبکر مدینہ واپس آئے اور خدمت پیغمبر میں آکر عرض کی یا رسول اللہ پہلے تو آپ نے مجھے امتیازی درجہ دیا حج کی افسری اور سورہ براءت کی تبلیغ کا شرف عنایت فرما کر روانہ کیا اور جب میں روانہ ہو گیا تو آپ نے واپس بلا لیا، کیا خطا مجھ سے ہوئی؟ کیا میرے بارے میں قرآن کی کوئی آیت اُتری؟ آں حضرتؐ نے فرمایا، نہیں، البتہ جبرئیل امین خدا کا یہ پیغام میرے پاس لے کر آئے کہ اس کام کو یا تو تم خود انجام دو یا وہ انجام دے جو تم سے ہو۔ اور علی مجھ سے ہیں میری طرف سے علی ہی کاموں کو انجام دے سکتے ہیں۔ یہ مختصر واقعہ ہے اور اس کے متعلق ائمہ طاہرین سے متواتر حدیثیں مروی ہیں (دیکھیے تفسیر قمی اور ارشاد جناب شیخ مفیدؒ)

۲۔ جمہور اہلسنت کی روایتوں سے بھی مذکورہ بالا عبادت کی پوری پوری تائید ہوتی ہے خود حضرت ابوبکر کی یہ صریحی واضح حدیث ہے۔ حضرت ابوبکر بیان کرتے ہیں:۔

قال: ان النبیؐ بعثنی ببراءۃ لاھل مکۃ لایحج بعد العام مشرك ولا یطوف بالبیت	پیغمبر نے مجھے سورہ براءت دے کر روانہ کیا تاکہ میں اہل مکہ کے سامنے جا کر اعلان کر آؤں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹) کی جائے اسی طرح جنگ خیبر کے موقع پر پیغمبرؐ نے اظہار فضیلت علی کے لیے پہلے ابوبکر کو سردار فوج مقرر کر کے بھیجا وہ شکست خوردہ واپس آئے پھر عمر کو بھیجا وہ بھی شکست کھا کر واپس آئے ان دونوں کے واپس آجانے کے بعد پیغمبرؐ نے فرمایا کہ کل میں علم اسے دوں گا جس کے ہاتھوں پر خدا فتحیابی بخشے گا جو اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے اور جسے اللہ و رسول دوست رکھتے ہیں اور پیغمبرؐ نے علم علی کو دیا اور خدا نے علی ہی کے ہاتھوں پر فتح عنایت فرمائی اور آپ کی عظمت و جلالت واضح ہوئی جو شروع ہی میں بھیج دینے پر نہ ظاہر ہوتی۔ ایسے بہت سے واقعات تاریخ میں

عریان ولا یدخل الجنة
الا نفس مسلمة ومن کان
بینه وبین رسول الله مدة
فاجله الی مدته والله بری
من المشرکین ورسوله (قال)
فسرت بها ثلاثا ثم قال
رسول الله لعلی: الحق ابا بکر
فردہ علیّ وبلغها انت
(قال) ففعل علی ذالك
ورجعت الی المدینة فلما
قدمت علی النبیؐ بکیت
الیه وقلت یا رسول الله حدث
فیّ شیءٌ؟ قال: ماحدث
فیك الاخیر ولکنی امرت
ان لایبلغها الا انا اورجل منی۔
(مسند امام احمد جلد ۱ ص۲)

نہ خانہ کعبہ کا کوئی شخص برہنہ طواف کرے اور
اور جنت میں مسلمان ہی جائے گا اور جس کے
اور رسول کے درمیان کوئی معاہدہ پہلے سے
ہے وہ بس مقررہ وقت تک نافذ رہے گا۔ توسیع
نہ ہوگی۔ اور اللہ اور اُس کا رسول مشرکین سے
بری ہیں۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے تین دن
کی راہ طے کی ہوگی کہ پیغمبر نے علی سے کہا کہ
ابوبکر سے جا کر ملو اور انھیں میرے پاس واپس
کردو اور خود جا کر تبلیغ کرو چنانچہ علی نے ایسا
ہی کیا اور میں مدینہ واپس گیا جب میں حاضر خدمت
پیغمبر ہوا تو رو پڑا اور عرض کی یا رسول اللہ
کیا میرے متعلق کوئی نئی بات ہوئی؟ پیغمبر نے کہا
کوئی نئی بات نہیں جو ہوا اچھا ہی ہوا البتہ
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سورہ برائت کی تبلیغ یا تو
خود کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ سے ہو۔

غور کرنے کی بات ہے اگر تبلیغ سورہ برائت ابوبکر ہی کیے ہوتے تو پھر روتے
کیوں، رونا اسی وجہ سے تو ہوا کہ عہدہ پانے کے بعد معزول کردیے گئے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی سے مروی ہے جس میں آپ فرماتے
ہیں "جب سورہ برائت کی دس آیتیں نازل ہوئیں تو پیغمبر نے ابوبکر کو بلایا اور انھیں

ابوبکر سے ملو جہاں بھی ان سے ملاقات ہو جائے نوشتہ اُن سے لے لو اور خود اہلِ مکہ کے پاس جاکر پڑھ کر سنا دو۔ چنانچہ میں ابوبکر سے جا ملا اور اِن سے وہ نوشتہ لے لیا اور ابوبکر پیغمبر کے پاس پلٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی آیت اُتری ہے آپ نے فرمایا نہیں، البتہ جبرئیل یہ حکم لے کر آئے تھے کہ تمھاری طرف سے ادائے فرائض یا تو تم خود کرو یا وہ شخص کرے جو تم سے ہو۔" (مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۱۵۱)

ایک اور مقام پر امیر المومنینؑ نے فرمایا "پیغمبرؐ نے تبلیغ برأت کے لیے ابوبکر کو اہلِ مکہ کی طرف روانہ کیا پھر مجھے اُن کے پیچھے بھیجا اور ارشاد فرمایا نوشتہ ابوبکر سے جا کر لے لو اور تم خود لے کر جاؤ۔ چنانچہ میں نے ابوبکر کو راستہ میں جا لیا اُن سے نوشتہ لے لیا وہ محزون و غمگین مدینہ پلٹ آئے اور آکر خدمتِ پیغمبرؐ میں عرض کی یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی؟ آپ نے فرمایا نہیں البتہ مجھے یہ حکم ہوا کہ یا تو میں خود تبلیغ کروں یا میرے اہلبیت میں سے کوئی مرد کرے۔ (خصائص نسائی صفحہ ۲ مسند امام احمد۔ نیز دیگر محققین و محدثین نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

یہی مضمون ابن عباس کی ایک مشہور حدیث میں ہے انھوں نے ایک مرتبہ امیر المومنینؑ کے دشمنوں کو قائل کرتے ہوئے حضرت کے فضائل اور اسبابِ فضیلت میں ایک طولانی تقریر کی تھی جس میں یہ بھی کہا تھا۔

ثم بعث رسول اللہ ابا بکر	پھر پیغمبرؐ نے ابوبکر کو سورۂ برأت دے کر
بسورۃ التوبہ فبعث علیا	بھیجا اور اُن کے پیچھے فوراً ہی علی کو روانہ کیا
خلفہ فاخذھا منہ و	علی نے اُن سے وہ سورہ جا کر لے لی اور

ھو منی وانا منہ ۱؎ | یا تو میں خود لے کر جا سکتا ہوں یا وہ جو مجھ سے ہو۔

دشمنان و حاسدین علی نے ابن عباس کی زبانی علی کی یہ فضیلت سُن کر چون و چُرا تک نہ کی۔ اگر حضرت ابوبکر اس موسم حج کے امیر ہوتے تو دشمنان علی چپ نہیں رہتے ابن عباس کے آگے سر نہ جھکا دیتے مگر ابن عباس نے بات ہی ایسی کہی تھی جسے جھٹلانا ناممکن تھا۔

ابن عباس جو حبر الامۃ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں انھیں نہ جانے کتنے مواقع ایسے پیش آئے جہاں انھوں نے ببانگ دہل علیؑ کی افضلیت کا تذکرہ کیا اور اعلان حق سے باز نہ رہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ انھیں ابن عباس کی لفظوں میں سنیے "میں ایک مرتبہ مدینہ کے راستوں میں کسی راستہ پر عمر کے ہمراہ چل رہا تھا عمر نے کہا اے ابن عباس میں تو تمھارے صاحب (حضرت علیؑ) کو مظلوم ہی تصور کرتا ہوں" میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ آج مجھ سے بازی نہ لے جاسکیں گے۔ میں نے کہا سرکار! تو ان پر جو ظلم ہوا ہے اس کی تلافی کر دیجیے (یعنی خلافت ان کے حوالہ کر دیجیے) اس پر انھوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے نکال لیا اور غراتے ہوئے آگے بڑھ گئے پھر ٹھہرے، مَیں جلدی سے آگے بڑھ کر جا ملا۔ انھوں نے کہا اے ابن عباس میرا خیال ہے کہ لوگوں نے علی کو جو خلیفہ نہ ہونے دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے انھیں کم سن سمجھا میں نے عرض کیا مگر خدا کی قسم اللہ و رسول نے تو اس وقت بھی

۱؎ مستدرک امام حاکم جلد ۳ ص۳۲ امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت علی کے فضائل کے ضمن میں لکھا ہے اور صحیح قرار دیا ہے علامہ ذہبی نے بھی اس حدیث کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے تلخیص مستدرک میں باقی رکھا ہے۔ امام نسائی نے خصائص نسائی ص۶ میں اور

اُن کو کم سن نہ جانا جبکہ حکم دیا تھا کہ ابوبکر سے جا کر ملو اور سورہ برات لے لو۔ اس پر عمر نے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا اور آگے بڑھ گئے۔[1]

---

[1] اس حدیث کو محمد زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر نے اپنی تاریخ موفقیات میں روایت کیا ہے جسے اس نے متوکل خلیفہ کے بیٹے موفق باللہ کے لیے تحریر کیا تھا یہ خدائی کرشمہ ہے کہ زبیر بن بکار ایسا دشمن علی اپنی اس کتاب میں جو متوکل ایسے عدوئے امیرالمومنینؑ کے بیٹے کے لئے اس نے تالیف کی تھی اس حدیث کو لکھ جائے، ابن بکار کی عداوت علی و اہلبیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں دُنیا جانتی ہے۔ یہ وہی زبیر ہیں کہ اولاد امیرالمومنین میں سے ایک شخص نے قبر رسولؐ و منبر رسول کے درمیان حلف لینے کو کہا تو اس نے جھوٹا حلف اٹھانے میں تامل نہ کیا اور خداوند عالم نے برص میں اسے مبتلا کیا یہ علویوں اور حضرت علی کی بہت منقصت کیا کرتا تھا علویوں نے اسے قتل کرنا چاہا تو بھاگ کر اپنے چچا مصعب بن عبداللہ بن مصعب کے پاس پہنچا اور التجا کی کہ معتصم (خلیفہ) سے امان دلا دیجیے مگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی کیونکہ اس کا چچا علویوں سے ٹکر لینے کا حامی نہ تھا (تاریخ کامل حالات معتصم) زبیر کا باپ بکار یہ حضرت امام رضاؑ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا چنانچہ امام نے اسکے لیے بددعا فرمائی اور یہ اپنے قصر سے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اس کا دادا عبداللہ بن مصعب وہ شخص ہے جس نے ہارون کو یحییٰ بن عبداللہ بن امام حسنؑ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا اور کہا تھا کہ یحییٰ کو قتل کر ڈالیے ان کا خون میری گردن پر۔ ہارون نے کہا میں یحییٰ کو امان نامہ لکھ کر اپنے ہاتھوں سے دے چکا ہوں کیسے قتل کروں۔ عبداللہ نے کہا امان کیسی؟ انھیں کوئی امان نہیں اور یحییٰ کی طرف بڑھ کر اُن سے زبردستی امان نامہ لے کر پھاڑ ڈالا۔ یہ پورا کا پورا خاندان زبیر سے لے کر اس کے مورث اعلیٰ عبداللہ بن زبیر تک سبھی عداوت و بغض علی میں شہرۂ آفاق ہے۔ اسی عداوت ہی کی وجہ سے زبیر بن بکار نے متوکل کے دربار میں رسائی پائی اور متوکل نے اپنے لڑکے موفق کی تعلیم کیلئے اسے مقرر کیا اور دس ہزار درہم، دس صندوق کپڑے اور دس خچر دیے کہ وہ اپنے سامان سمیت سما جائے۔ چنانچہ اس نے

اور حضرت عمر سے کچھ بن نہ پڑا سوا اس کے کہ منہ موڑ لیا اور جلدی سے آگے بڑھ گئے اگر تبلیغ سورہ برأت والے سال موسم حج کے افسر و امیر ابوبکر ہی ہوتے (جیسا کہ ابوہریرہ نے اس حدیث میں کہا ہے) تو حضرت عمر تیزی سے آگے کیوں بڑھ جاتے ابن عباس کو جواب دیتے۔ اُن کی بات کی سختی سے تردید کرتے۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر بھی تو ابوبکر کے ساتھ ساتھ سورہ برأت کی تبلیغ کرنے گئے تھے اور حضرت ابوبکر ہی کے ساتھ پلٹ آئے تھے لہذا انھیں اصل واقعہ کی بخوبی اطلاع تھی وہ ابن عباس کو جھٹلاتے کیونکر؟

حسن بصری سے حضرت علیؑ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا "میں اس شخص کے متعلق کیا لب کشائی کروں جس نے چاروں بزرگیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا پیغمبر نے سورہ برأت کی تبلیغ پر انھیں امین بنایا، غزوہ تبوک کے موقع پر پیغمبر کا قیمتی فقرہ ان کے متعلق اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبوۃ بعدی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمھیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوا اس کے کہ میرے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے پیغمبرؐ نے یہاں صرف نبوت کو مستثنیٰ کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر فضیلت و بزرگی میں پیغمبرؐ کے دوش بدوش تھے سوا نبوت کے اگر اور کسی بات میں علی کم ہوتے تو جس طرح پیغمبرؐ نے نبوت کا استثنا فرمایا تھا اسی طرح اس چیز کا بھی استثنا فرما دیتے۔

پیغمبرؐ کا فرمانا کہ میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا دوسری میری عترت، آپ پر کوئی حاکم نہیں مقرر کیا گیا آپ ہمیشہ حاکم ہی رہے۔ آپ کے علاوہ کوئی حاکم بنایا گیا بھی تو آپ پر نہیں دوسروں پر بنایا گیا"[1]

دنیا جانتی ہے کہ حسن بصری ابوبکر کے کتنے بڑے مخلصین میں سے تھے،

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۳۶۹

سا ئل علی نہیں ابو بکر افسر حج ہوتے تو حسن بصری ہرگز اُن کی افسری کو نہ چھپاتے نہ حق محبت ابی بکر ادا کرنے میں کوتاہی کرتے۔ اور نہ یہ گواہی دیتے کہ علی کبھی محکوم نہیں بنائے گئے۔ اور حضرت ابو بکر کی طرف یہ اشارہ نہ کیے ہوتے کہ اگر آپ کے علاوہ کوئی حاکم بنایا گیا تو دوسروں پر بنایا گیا آپ پر نہیں۔

حسن بصری کی لفظوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انھوں نے تبلیغ سورہ برائت پر امین بنایا جاتا بہت بڑی بات بہت بڑا فضل و شرف اعلیٰ ترین منزلت سمجھی ایسی کہ جس کے لائق و سزاوار علی کے علاوہ کوئی تھا ہی نہیں صحابہ کا عالم یہ تھا کہ جب عہد ابو بکر و عمر میں علی کے فضائل کا تذکرہ کرتے تو اس تبلیغ سورہ برائت کو بھی آپ کے خصوصی فضائل و مناقب میں بیان کرتے اور کوئی بھی معترض نہ ہوتا۔

سعد بن ابی وقاص مشہور صحابی پیغمبرؐ ان کا بیان[1] ہے "پیغمبرؐ نے ابو بکر کو سورہ براءت دے کر بھیجا جب وہ راستے میں تھے آں حضرتؐ نے علی کو بھیجا علی نے سورہ براءت جا کر اُن سے لے لیا اور خود لے کر مکہ گئے اس پر ابو بکر دل میں بہت غمگین ہوئے، پیغمبرؐ نے کہا میری طرف سے ادائیگی یا تو میں کرسکتا ہوں یا وہ جو مجھ سے ہو۔"

انس صحابی پیغمبرؐ کا بیان[2] ہے "پیغمبرؐ نے سورہ براءت دے کر ابو بکر کو روانہ کیا پھر انھیں واپس بلایا اور کہا اس سورہ کو کسی دوسرے کا لے جانا مناسب نہیں یا تو میں لے جاؤں یا میرے اہل میں سے کوئی شخص، چنانچہ آپ نے علیؑ کو بلایا اور انھیں سورہ براءت دے کر روانہ کیا۔

۱؎ خصائص نسائی صفحہ ۲ مسند امام احمد ۱۲ ۲؎ خصائص نسائی صفحہ ۲ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۶

... کے متعلق پوچھا عبداللہ

نے جھڑک دیا اور کہا میں نے تمھیں علی کے متعلق بتایا نہیں؟ یہ مسجد کے اندر پیغمبر کا گھر ہے اور یہ علی کا گھر ہے، رسول اللہؐ نے ابوبکر و عمر کو سورہ براءت دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا[۲] وہ دونوں روانہ ہوئے جا ہی رہے تھے کہ ایک سوار کو آتے دیکھا، دونوں نے پوچھا کون؟ سوار نے کہا میں ہوں علی، اے ابوبکر وہ نوشتہ جو رسول نے تمھیں دیا ہے مجھے دو۔ ابوبکر نے کہا میرے متعلق کیا ہوا علی نے کہا مجھے تو کوئی بات معلوم نہیں! علی نے وہ نوشتہ اُن سے لے لیا اور ابوبکر و عمر مدینہ پلٹ آئے اور آکر پیغمبرؐ سے کہا، ہمارے بارے میں کیا ہوا حضورؐ؟ آں حضرتؐ نے فرمایا، کچھ نہیں، البتہ مجھ سے کہا گیا کہ تمھاری طرف سے تبلیغ یا تو تم کر سکتے ہو یا تم سے کوئی شخص"۔

اس مسئلہ میں بے شمار حدیثیں ہیں اور سبھی صراحۃً بتاتی ہیں کہ ابوبکر راستہ ہی سے مدینہ پلٹ آئے تھے رنجیدہ و ملول ہراساں کہ کہیں میرے متعلق کوئی وحی نہ نازل ہو گئی ہو۔ لہٰذا اس سال ابوبکر کا افسرِ حج ہونا تو کسی طرح درست ہو ہی نہیں سکتا ہاں علی کی دشمنی کی وجہ سے لوگ زبردستی بنا دیں تو بنا دیں۔

۳۔ مشرکین سے کیے ہوئے معاہدوں کو ختم کر دینے سے جو مفید نتائج پیدا ہوئے

---

[۱] مستدرک امام حاکم ج ۳ ص۵۱ [۲] اس موقع پر حضرت عمر حضرت ابوبکر کی ماتحتی میں تھے کم و بیش ۳۰۰ صحابہ اس مہم پر روانہ کیے گئے تھے عبدالرحمان بن عوف بھی تھے۔ چونکہ حضرت عمر حضرت ابوبکر سے بہت گہرے تعلقات رکھتے تھے لہٰذا جب وہ واپس ہوئے تو عمر بھی واپس آگئے باقی اصحاب حضرت علی کے علم کے نیچے آگئے اور حضرت علی اُن تمام اصحاب کو مکہ کی طرف لے کر گئے۔ اس مہم میں جتنے اصحاب موجود تھے انھوں نے ابوبکر کو معزول ہوتے اور دل گرفتہ ہو کر مدینہ واپس جاتے دیکھا ۱۲

جو بلندی مرتبت ظاہر ہوئی اور امیر المومنین کو اس خدمت پر مامور کرنے سے اور وہ بھی ابوبکر کو معزول کر کے جو عز و شرف ملا نیز دیگر خصوصیات جن سے آپ کا افضل امت اور مستحق جانشینی رسول ہونا ثابت ہوتا ہے، کا اجمالی تذکرہ بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پیغمبر اسلام کا مشرکین کے معاہدوں کو منسوخ کرنا اور انھیں حج سے روک دینا یہ اعلان کرنا کہ جنت ان پر حرام ہے اور بیزاری و براءت کا اعلان اپنے دامن میں ہزاروں خوبیاں لیے ہوئے تھا اس میں دین کے مکمل ہونے کا بھی اعلان تھا مسلمانوں کی بھلائی بھی اور حق و صاحبان حق کی قوت کا مظاہرہ بھی اور باطل و اہل باطل کی طاقت شل ہو جانے کا قطعی فیصلہ بھی براءت کے بعد مسلمانوں کو مکمل غلبہ و اقتدار حاصل ہو گیا، شان و شوکت اسلام میں چار چاند لگ گئے، شرک و کفر کا ابال ٹھنڈا پڑ گیا۔ مشرکین کی پیشانیاں خاک سے مل گئیں اور دین کا ہر طرف ڈنکا بجنے لگا۔ خداوند عالم کی مصلحت و مشیت یہی ہوئی کہ یہ ساری باتیں اپنے بندۂ خاص وصی پیغمبر علی ابن ابی طالب کے ہاتھوں انجام پائے تاکہ علی کا نام روشن ہو آپ کی بزرگی کی طرف لوگ متوجہ ہوں آپ کا شہرۂ عالم میں پھیلے اور آپ کی بلندی منزلت کا اعلان عام ہو جائے اور خلافت پیغمبر کی ابھی سے داغ بیل پڑ جائے اور آئندہ سال (حجۃ الوداع میں) جو اعلان عام پیغمبر کرنے والے ہیں[1] اس کی تمہید قائم کر دی جائے چنانچہ اس مقصد میں پوری کامیابی حاصل ہوئی پیغمبر نے علی کے ذمہ یہ مہم سپرد کی اور علی کا نام ہر زبان پر

---

[1] سنہ ۹ ہجری میں سورہ براءت کی تبلیغ اور کفار کے معاہدہ کی منسوخی ہوئی اور آپ کی خلافت کا اعلان سنہ ۱۰ھ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ہوا۔

معاہدہ کو توڑنا ہر کسی کے لیے ممکن نہ تھا بس خود معاہدہ کرنے والا فرمانروا توڑ سکتا تھا یا اس معاہدہ کرنے والے فرمانروا جیسا اس کا نائب وقائم مقام مجاز ہو سکتا تھا جو کمزوری سے بری لغزش سے بے خطر ہو، اپنے احکام میں مستقل مزاج، اپنے افعال میں غیر متزلزل ہو۔ پیغمبرؐ کے فقرہ سے ان مذکورہ صفات پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

جب آپ نے علیؑ کو روانہ کیا کہ جا کر ابوبکر سے سورہ برائت لے لو اور خود لے کر مکہ جاؤ تو آپ نے فرمایا تھا لا بد ان اذھب بھا انا او تذھب بھا انت لازمی ہے کہ ان آیات کو یا تو میں خود لے کر جاؤں یا تم لے کر جاؤ۔ علیؑ نے کہا اگر ایسا ہی ضروری ہے تو میں جا رہا ہوں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا فانطلق فان اللہ یثبت لسانک[1] ویھدی قلبک جاؤ خدا تمھاری زبان کو استواری اور تمھارے دل کو استقامت بخشے۔

یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ وہ مہم جو صرف پیغمبر سے سر ہو سکے یا جو لگ بھگ پیغمبر کے ہو اس سے انجام پا سکے وہ انتہائی زبردست مہم ہی ہو سکتی ہے اور اس عظمت و جلالت اور بلندی منزلت کی حامل ہو گی جس کے ملنے کی تمنا کسی کو خواب میں بھی نہ ہو گی۔ یہ حقیقت اس وقت اور اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جب آپ اس مہم سے ابوبکر کو معزول کر کے پلٹا لینے اور علیؑ کو مقرر کر کے بھیجنے پر اچھی طرح غور فرمائیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کے اس فقرہ لا بد ان اذھب بھا انا او تذھب بھا انت پر بھی ذرا غور کرتے چلیں۔ پیغمبر نے اپنے جانے یا علیؑ کے جانے کو ضروری اس وجہ سے قرار دیا تھا کہ جاءنی جبرائیل فقال لن یودی عنک الا انت او رجل منک ۔ جبریل نے آ کر مجھ سے کہا آپ کی طرف سے ادائے فرائض ہرگز کوئی کر ہی نہیں سکتا یا تو بس آپ کریں گے یا وہ جو آپ کے ہو

---

[1] مسند جلد ا صفحہ ۱۵۰ بہت مشہور حدیث ہے اور حدیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔

دائمی نفی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لہٰذا لن یودی عنک کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے اور علیؑ
کے سوا کوئی بھی شخص کبھی بھی ادائے فرائض نہیں کر سکتا دوسری چیز یہ کہ پیغمبر نے اپنے فقرے
میں مفعول نہیں ذکر کیا صرف لن یودی کہا ہے ہرگز نہیں ادا کر سکتا کیا نہیں ادا کر سکتا؟
اس کا کوئی ذکر نہیں کوئی صراحت نہیں لہٰذا یقینی طور پر عبارت یوں بنتی ہے لن یودی
عنک شیئاً من الاشیاء الا انت او رجل منک کارہائے نبوت فرائض پیغمبری میں سے
کوئی بھی فریضہ یا تو بس پیغمبر انجام دے سکتے تھے یا علی انجام دے سکتے تھے لہٰذا ان دونوں حقیقتوں کے
پیش نظر ہر شخص ایک بات تو یہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ کوئی بھی کارِ نبوت پیغمبر و علیؑ کے علاوہ کوئی
نہیں انجام دے سکتا، دوسرے یہ کہ علیؑ ہر کارِ نبوت کو انجام دینے کی اہلیت کے مالک تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ جملہ عمومی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ تبلیغ سورہ برائت کے محل
وقوع سے مخصوص ہے مطلب یہ ہے کہ تبلیغ سورہ برائت یا تو پیغمبر کر سکتے تھے یا جو
آپ سے ہو لہٰذا جب خاص محل، مخصوص موقع سے مختص تھا تو پھر یہ کہنا کہ علیؑ ہر
کارِ نبوت کو انجام دینے کی اہلیت رکھتے تھے کیونکر صحیح ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مورد و محل کے خاص ہونے سے حکم مخصوص نہیں ہو سکتا
صرف تبلیغ سورہ برائت کے موقع پر یہ جملہ وارد ہونے کی وجہ سے ہرگز لازم نہیں آتا
کہ علی بس تبلیغ سورہ برائت ہی کے اہل تھے۔ علاوہ بریں یہ فقرہ صرف تبلیغ سورہ برائت
کے موقع ہی پر وارد نہیں ہوا بلکہ صحیح حدیثوں سے اور مواقع کا بھی پتہ چلتا ہے اور بھی
کئی مرتبہ پیغمبر نے یہ لفظیں استعمال کیں بغیر کسی امر خاص کی تخصیص کے۔ منجملہ ان
مواقع کے ایک موقع حجۃ الوداع کا تھا جبکہ عرفہ کے دن اپنے ناقہ پر سوار ہو کر پیغمبر نے
ایک اہم تقریر فرمائی اور اثنائے تقریر میں فرمایا علی منی وانا من علی ولا یودی عنی
الا انا او علی۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۹۲ جامع ترمذی سنن نسائی مسند جلد ۴ صفحہ ۱۶۴

[illegible] ہیں اور میں علی سے ہوں اور میری طرف سے ادائیگی
یا تو میں کر سکتا ہوں یا علی کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی خاص موقع نہ تھا نہ یہاں کسی خاص
امر کے انجام دہی کے متعلق پیغمبر فرماتے ہیں بلکہ عمومی حیثیت سے علی الاطلاق اعلان
فرماتے ہیں کہ میرے کام یا تو خود میں کر سکتا ہوں یا علی کر سکتے ہیں۔

اللہ اکبر دیکھنے میں تو ایک مختصر سا فقرہ، مگر اس فقرے کے وزن کا کون
اندازہ کر سکتا ہے۔ پیغمبر کی لفظیں علی کے متعلق ادائے فرائض کی بعینہ وہی
صلاحیت ثابت کرتی ہیں جس صلاحیت کے پیغمبر خود حامل تھے۔ اسی صلاحیت،
علیؑ کی اسی اہلیت کو دیکھ کر پیغمبرؐ نے انھیں اپنے کار نبوت کا شریک اپنے رازوں کا
امین بنایا تھا جیسے کہ ہارون موسیٰ کے کار نبوت میں شریک و رازدار تھے سوا اس کے
کہ ہارون نبی بھی تھے مگر علیؑ نبی نہ تھے بلکہ وصی و وزیر پیغمبر تھے اور پیغمبر ہی کے
سانچے میں ڈھلے تھے۔

یہ وہ بلند منزلت تھی، وہ بام شرف تھا جس پر علیؑ کے سوا خدا و رسول نے
کسی کو جگہ نہ دی فارجع البصر هل ترى من فطور ثم ارجع البصر
كرتين ينقلب اليك البصر خاسئا وهو حسير آنکھیں اٹھا کر ذرا آسمان
کی بلندی کو دیکھو کوئی شگاف اس میں تمھیں نظر آتا ہے پھر دوبارہ دیکھو تمھاری
نگاہ ہی تھک ہار کے پلٹ آئے گی۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کو امت کی سطح سے بلند و بالا
رکھا، اُن کے گوشت کو اپنا گوشت اُن کے خون کو اپنا خون ان کے کانوں کو اپنا
کان ان کی نگاہوں کو اپنی نگاہ اُن کے قلب و روح کو اپنے قلب و روح ظاہر کیا
اور ارشاد فرمایا علی منی وانا من علی علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔
اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہ بھی فرمایا ولا يؤدى عنى الا انا او على یہ کہہ کر ہر پہلو
ہر حیثیت میں اپنا برابر کا شریک و سہیم قرار دے دیا۔ ارباب نظر غور فرمائیں، پیغمبرؐ کا

علی مولاہ سے کم وزن نہیں رکھتا دونوں برابر کے فقرے ہیں جس طرح غدیر والے
فقرہ سے علی کی ولایت وجانشینی پیغمبر ثابت ہوتی ہے بعینہ لا یودی والے فقرے
سے قائم مقامی رسول منکشف ہوتی ہے کیونکہ پیغمبر کی طرف سے ادائیگی کا مطلب
یہ ہے کہ جس طرح پیغمبر احکام الٰہی کے مطابق شرعی قوانین کی تدوین ونفاذ فرماتے
تھے۔ اسی طرح آپ احکام شرع کا نفاذ فرمائیں گے اور جس طرح پیغمبر پر اُترا ہوا
قرآن غلطی سے مبرا تھا اسی طرح آپ ہر خطا سے معصوم تھے۔ لہٰذا جس طرح قرآن
امت والوں کے لیے حجت اور اس کے احکام پر امت والوں کا عمل کرنا واجب
اسی طرح علی حجت اور علی کی اطاعت واجب ولازم۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ
ہر عالم جس نے پیغمبرؐ کے اقوال خواہ پیغمبر کی زبانی سنے ہوں یا جو احادیث پیغمبر سے
صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کے لیے پیغمبر کی طرف سے ادائیگی احکام
جائز ہے (ایسی ادائیگی نہیں جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں بلکہ محض صحیح احکام بتا دینا)
اسی وجہ سے صحابہ اپنے کانوں سے سُنے ہوئے پیغمبر کے ارشادات اپنی آنکھوں سے
دیکھے ہوئے پیغمبرؐ کے افعال دوسروں کو بتاتے تھے اور صحابہ کے بعد جو حضرات
قوتِ اجتہادی کے مالک ہوئے وہ پیغمبرؐ کے صحیح احکام ادلۂ شرعیہ سے استنباط کر کے
لوگوں کو بتاتے آئے۔ لہٰذا اگر حدیث لا یودی عنی الا انا و علی کا وہ مطلب
نہ لیا جائے جو ہم نے بیان کیا یعنی جس طرح پیغمبر احکام الٰہی کے مطابق شرعی قوانین
کی تدوین ونفاذ فرماتے تھے اسی طرح علی احکام شرع کا نفاذ فرمائیں گے تو پھر
اس حدیث کے کوئی دوسرے صحیح معنی ہی باقی نہیں رہتے۔

اس کی تائید پیغمبر کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے علی مع القرآن

ابو ہریرہ
والقرآن مع علی لا یفترقان علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے۔ (مستدرک جلد ۳ صـ۱۲۴ تلخیص مستدرک) رحم اللہ علیا اللھم ادر الحق معہ حیث دار (مستدرک جلد ۳ صـ۱۲۴) خداوند عالم علی پر رحم کرے بار الہا حق کو ادھر گردش دے جدھر علی گردش کریں۔ اسی طرح کے اور بہت سے صریحی احادیث ہیں جو آپ کے معصوم ہونے کی روشن دلیل ہیں۔

۴۔ دشمنان علی کا دغا و فریب، دھوکہ باز وجعل ساز افراد کا علی کے فضائل وخصوصیات کو دوسروں کی طرف منسوب کر دینا اور اس تبلیغ سورہ برأت کی حدیث میں ابوہریرہ کا معاویہ کی خوشامد میں تحریف کرنا بھی عرض کر دیا جائے۔

حاسدین ومعاندین علی خصوصاً معاویہ اور معاویہ والے علی کے مخصوص فضائل و کمالات کو کس کلیجہ سے برداشت کرتے، انھوں نے علی کی ہر فضیلت کو عیب بنا کر دکھانے کی امکانی کوششیں کیں، آپ کے متعلق پیغمبر کے جتنے ارشادات ہیں انھیں بدل ڈالا، اُلٹی پلٹی تحریفیں کیں اور اپنے جعلیوں، فریبیوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر تیار کیا کہ وہ علیؑ کے تمام فضائل وخصوصیات کو مشتبہ اور بگاڑ ڈالیں اور جس قدر ممکن ہو اسی کے ٹکر کی حدیثیں دوسروں کے لیے اختراع کریں، یہ بھی ہوا کہ ان جعلیوں فریبیوں نے معاویہ، بنی امیّہ کی خوشامد و تملق میں اُن کے دربار میں جگہ ملنے کی لالچ میں خود بھی اس قسم کی حرکتیں کی، علی کی آخر خطا کیا تھی؟ سوا اس کے کہ خداوند عالم نے انھیں اپنے نعمتوں سے مخصوص کر کے نوازا، ایمان و جہاد، پیغمبرؐ کی جاں نثاری کی وجہ سے خدا اور رسول نے انھیں وہ درجے مرحمت فرمائے کہ بڑے بڑے محروم رہے، اپنے علم وعمل اور خدا و رسول وامت اسلام کی دلی خیر خواہی کر کے اس مرتبہ پر فائز ہوئے جو کسی کو نصیب نہیں ہوا، اپنے ذاتی

بلند منزل حاصل کی کہ ہر ایک کے دل تڑپ کر رہ گئے۔

خطا تھی اگر علیؑ کی تو یہی خطا تھی، قصور تھا تو یہی تھا، اسی وجہ سے منافقین کے دلوں میں حسد کے بچھو کروٹیں لینے لگے، اس پر مزید یہ کہ معاویہ نے ان لوگوں کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے، ہر ایک کو اپنا زر خرید بنا لیا، ان منافقین نے معاویہ کو خوش کرنے کے لیے دشمنی و عداوت کے طرح طرح کے مظاہرے کیے، حیل و فریب، دغابازی و مکاری کی کوئی صورت اٹھا نہ رکھی، خلافت سے محروم رکھا، پیغمبر کی قرابت کا ذرا بھی لحاظ نہ کیا، محبت کے بدلے جی کھول کر عداوت برتی، ہر ایرے غیرے کو اپنا امیر بنا ناگوارا کیا مگر جو واقعًا مستحق تھا اس کی رتی برابر پروا نہ کی بلکہ اُلٹے خون کے پیاسے ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ منبروں پر لعنت تک کی، معلوم ہوتا ہے انھوں نے پیغمبرؐ کی وہ حدیثیں سُنی ہی نہ تھیں جو پیغمبر نے علی کی عظمت و جلالت کے متعلق ارشاد فرمائیں جبھی تو صحیح و متواتر احادیث فضائل علیؑ کو موضوع قرار دیا۔ صریحی حدیثوں کی من مانی تاویلیں کیں، جن لوگوں نے ان احادیث کی روایت کی تھی انھیں رافضی ہونے کی تہمت لگائی ثقہ و معتمد ترین افراد کو ضعیف سمجھا اور حضرت کے بکثرت مخصوص فضائل کو اپنی حیلہ طرازیوں سے مشتبہ کر دیا، بہترین فضیلتیں مسخ کر دیں اکثر و بیشتر حدیثیں اُدل بدل کر علیؑ کے بجائے دوسروں سے منسوب کر دیں جیسا کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث سورۂ برأت میں کیا ہے۔ واقعہ و حقیقت تو یہ کہ پیغمبرؐ نے ابو بکر کو معزول کر کے علی کو افسر حج مقرر کیا اور علی نے جا کر تبلیغ سورہ برأت کی مگر ابو ہریرہ نے افتراء و جعلسازی کی کہ پیغمبرؐ نے ابو بکر کو افسر حج مقرر کیا اور علیؑ مثل دیگر اصحاب کے متابعت و ماتحتی میں ابو بکر کے گئے یعنی تبلیغ سورہ برأت میں

ابو بکر کی ماتحتی میں گئے اسی طرح علی بھی تھے۔

ابو ہریرہ سے اس قسم کی جسارت وجرأت کوئی تعجب خیز بات بھی نہیں وہ تو برجستہ فوری طور پر حدیث گڑھنے کی مہارت رکھتے تھے بغیر سانس لیے اور پلک جھپکائے جاہل، عقل سے کورے، عوام کے مذاق کے مطابق، سواد اعظم کی پسند کے لائق، غاصب و ظالم ارباب حکومت کے خوشنودی کے موافق وضع کرکے پیش کردیتے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے اس حدیث کو کتنی بے عنوانی سے غارت کیا ہے اور کس کی پگڑی کس کے سر باندھی ہے چونکہ حکومت ابو بکر کے نام لیواؤں کی تھی لہذا ہوا کے رخ کو دیکھتے ہوئے بیان کردیا کہ سورہ برات کی تبلیغ کے موقع پر افسر و امیر ابو بکر تھے، آپ جانتے ہیں کہ کتنی زبردست چال چلی ہے ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کرکے اور ابو بکر کو حاکم بنا کر؟ انھوں نے بڑے بڑے ثقہ اور مستند و معتمد افراد کی زبانوں پر قفل لگادیے اب کس کی شامت آئی تھی کہ ابو ہریرہ کو جھٹلاتا اور اصل حقیقت زبان پر لاکر اپنی جان ہلاکت میں ڈالتا۔

ابو ہریرہ نے اس حدیث کو بیان کرکے حضرت علی کی اس بلند و بالا شانؑ منزلت کو مٹنے کی پُر فریب کوشش کی ہے جو خداوند عالم نے تبلیغ سورہ برأت کے موقع پر مخصوص علی کو مرحمت کی تھی۔ ابو ہریرہ کی اس حدیث سے دو نتیجے برآمد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ تبلیغ سورہ برات کی مہم (جسے حقیقتاً علی نے سر کیا تھا) ابو بکر کے ہاتھوں انجام پائی کیونکہ وہی امیر و حاکم اور اس سال موسم حج کے افسر تھے۔ اور علیؑ اتنی معمولی حیثیت کے تھے کہ ابو بکر نے مہم کی انجام دہی میں صرف علیؑ کو کافی نہ سمجھا بلکہ اُن کے ساتھ ابو ہریرہ کو بھیجا اور اُن جیسے بہت سے دیگر صحابیوں کو بھی

اور دیگر افراد تھے ویسے ہی علیؑ کیونکہ سبھی نے مل کر ابو بکر کی ماتحتی میں یہ مہم انجام دی۔
ابو ہریرہ نے یہ چال چلنے کو چلی، علیؑ کی فضیلت چھین کر ابو بکر کے سر منڈھنے کی کوشش کی مگر کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ خداوند عالم نے ابو بکر کو اس مہم کے انجام دینے کے لائق سمجھا ہی نہیں اسی لیے سورہ براوت ہاتھوں میں دے کر واپس لے لیا تھا اور اُن مستحق ہاتھوں کے سپرد کیا تھا جو واقعاً اہل تھے اس کے لیے ۔ کیونکہ سوا پیغمبر اور وصی پیغمبر حضرت علی ابن ابی طالب کے کوئی اس مہم کو سر کرنے کی اہلیت ہی نہ رکھتا تھا جیسا کہ آپ اوپر پیغمبر کا یہ فقرہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ لابد ان اذھب بھا انا او تذھب بھا انت قال علی فان کان ولابد فسا ذھب بھا انا کوئی چارہ کار ہی نہیں سوا اس کے کہ یا تو میں اس سورہ کو لے جاؤں یا تم لے کر جاؤ۔ علیؑ نے کہا جب ایسا ہے تو میں ہی لے کر جاؤں گا۔ حضرات اہلسنت کی اس کے متعلق اتنی بے شمار حدیثیں ہیں جن کا اندازہ حساب ہی نہیں کیا جا سکتا۔
تماشا یہ کہ جب تک ابو ہریرہ بنی امیہ کے ہاتھوں بکے نہیں تھے اس حدیث کے بیان کرنے میں ابو بکر کی امارت وافسری کا کبھی ذکر نہیں کیا، اُن کا نام تک نہ لیا، متعدد حدیثیں ان کی موجود ہیں جن میں انھوں نے حضرت علیؑ کی امارت بیان کی ہے اور اُن کی ماتحتی میں اپنے ہونے کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ اس مضمون کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ مگر بخدا میرا تو دل کہتا ہے کہ ابو ہریرہ نے دونوں حدیثوں میں جھوٹ بولا اس حدیث میں بھی جس میں ابو بکر کی افسری ذکر کی ہے اور اس حدیث میں بھی جس میں علیؑ کی افسری اور ان کی معیت میں اپنا ہونا بیان کیا ہے وہ اعلان کرنے والوں میں رہے ہی نہ ہوں گے نہ اس سال حج

۵- سیاسی بازیگروں نے احادیث پیغمبرؐ کی جو مٹی پلید کی فریبی و سازشی انسانوں نے حکومت کی خوشامد و چاپلوسی میں جو من گڑھت حدیثیں بنائیں اور حمید و ابوہریرہ کی حدیث کو صحیح قرار دینے کے لیے جو اسناد و طرق گڑھے گئے اُن کا بھی حال سُن لیجیے۔

معاویہ کے عہد میں وضع حدیث بڑا منفعت بخش پیشہ تھا حکومت و ارباب حکومت کے خوشامدیوں کی بہترین تجارت حدیث سازی تھی، ان سوداگروں کو اپنی تجارت چلانے اور غیر محسوس طریقہ پر اپنے کارخانہ کی بنائی ہوئی حدیثوں سے مقبول بنانے کے بڑے گر آتے تھے صرف تھوڑے سے صاحبانِ عقل و بصیرت تھے جو ان کی ملمع سازی و جعل فریب سے باخبر تھے باقی سبھی کھوٹے کو کھرا سمجھنے کے عادی تھے۔ ان کی پشت پناہی میں بہت سی ممتاز و مخصوص ہستیاں تھیں جو ان سوداگروں کی عزت بڑھاتے، بہت سے حافظان حدیث تھے، بہت سے خوشامدی ارباب علم تھے، بہت سے دنیا دار دکھاوے کے زاہد و عابد تھے جیسے حمید بن عبدالرحمان، محمد بن کعب قرظی اور انھیں جیسے افراد کہ ان تاجروں کی من گڑھت حدیثوں کو رواج دیتے ان کی اشاعت میں سرگرمی سے کام لیتے۔ شہروں میں دیہاتوں میں بہت سے سرداران قبائل تھے جو ان تاجروں کی تجارت کو فروغ دینے پر کمربستہ رہا کرتے، ان سب لوگوں کی حالت یہ تھی کہ جب ان جعلیوں فریبیوں کی کوئی حدیث سنتے تو جاہل عوام میں اس کی اشاعت کرتے ان مسلمانوں میں جو بعد وفات پیغمبر لڑائیوں کے نتیجے میں مسلمان ہوئے خوب پروپاگنڈہ کرتے منبروں پر پڑھتے، اسے دلیل و حجت بتاتے اور مسلمات مذہب میں شمار کرتے تھے۔

جو افراد کہ واقعاً ثقہ و معتمد اور حافظان احادیث نبوی تھے اس زمانے میں اُن کو

لب کشائی کی ہمت ہی نہ تھی ان فریبی اور جعلیے اشخاص کو ٹوکنے کی طاقت دل میں لاتے کہاں سے ؟ جبکہ حکومت اُن کی پشت پناہ، ارباب حکومت ان پر مہربان، ان غریبوں کی حالت یہ تھی کہ جب ان جعلیوں کی من گڑھت حدیثوں کے بارے میں کوئی ان سے پوچھتا تو انھیں عوام کے روبرو سچی بات کہنے کی مجال نہ ہوتی کہ کہیں جان کے لالے اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں خصوصاً اگر وہ حدیثیں ابوبکر یا عمر کی فضیلت میں ہوتیں تب تو اور بھی قیامت تھی کسے اپنی زندگی دوبھر ہوتی جو حقیقت کا پردہ چاک کرتا اور سچ بات زبان سے نکالتا مجبوراً یہ کرتے تھے کہ جھٹلاتے تو نہیں مگر اُن کے مقابلے کی حدیثیں بیان کر دیتے، یہی وجہ ہوئی کہ صحیح حدیثیں رفتہ رفتہ ضائع ہوتی چلی گئیں اور باطل و غلط حدیثیں زبان زد عوام و خواص۔

یہ حدیث باطل یعنی حمید بن عبدالرحمان کی حدیث جو زیر بحث ہے ہمیشہ سے دشمنانِ اہلبیت کی توجہوں کا مرکز بنتی آئی، دشمنوں نے اس حدیث کو صحیح بتانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا اس کی تائید میں بہت سی ہم معنی حدیثیں اختراع کی گئیں ان تائیدی حدیثوں کے بڑے بڑے سلسلے ملائے گئے کسی کا سلسلہ خود حضرت علیؑ سے جوڑا گیا کسی کا عبداللہ بن عباس سے کسی کا جابر بن عبداللہ انصاری سے کسی کا امام محمد باقرؑ سے۔ یہ مکر و فریب ان دشمنوں کی خمیر میں داخل تھا اُن کی ساری زندگی انھیں چالوں میں گذری۔ اہلبیت سے ہٹ دھرمی کرنا۔ اُن کے دوستوں کو روحانی اذیت پہنچانا ایسے غیر شعوری طور پر کہ سادہ لوح عوام کو پتہ نہ چل سکے اُن کی عادت بن چکا تھا۔ بعد میں آنے والی نسلیں جو آئیں تو انھوں نے رطب و یابس سبھی حدیثوں کو جمع کیا اور دھوکہ میں مبتلا ہو کر صحیح حدیثوں کے ساتھ ان باطل و صریحی غلط احادیث کو بھی ثابت و مسلم قرار دے لیا۔

حمید کی حدیث کی تائیدی حدیثوں میں جو حدیث کہ حضرت علیؑ کی طرف

شدید ترین ناصبی ہے جس نے اپنے استاد ابو یزید یونس بن یزید بن نجاد ایلی غلام معاویہ بن ابی سفیان سے بنی ہاشم خصوصاً علی کی دشمنی حاصل کی [1]

ابن عباس کی طرف جو حدیث منسوب کر کے بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد میں ابو القاسم مقسم بن مجزاۃ ایسا دشمن اہلبیت ہے جو علانیہ امیر المومنین کی عداوت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ امام حاکم کو اس شخص کے متعلق دھوکہ ہو گیا اور انھوں نے اسے بخاری کے رجال میں خیال کیا چنانچہ مستدرک ج ۳ ص ۵۱ پر اس شخص کی من گڑھت حدیث (درباره امامت ابی بکر) درج کر گئے ہیں حالانکہ مقسم منجملہ ان ضعیف ناقابل اعتبار اشخاص کے ہے جن کی نا اعتباری کی بخاری نے صراحت کی ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی بخاری و ابن حزم سے اس کے نامعتبر ہونے کو نقل کیا ہے۔

ابن سعد نے اپنی طبقات جلد ۵ ص ۳۵۶ پر اس کے حالات میں لکھا ہے کان کثیر الحدیث ضعیفا یہ بہت حدیثیں بیان کیا کرتا اور ضعیف و نامعتبر ہے"۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے ضعیف ہونے ہی کی وجہ سے بخاری و مسلم نے اسے لائق اعتبار نہ جانا نہ اس کی کوئی حدیث اپنے صحیح میں رکھی۔ البتہ بخاری نے عبد الکریم بن مالک جزری سے روایت کی ہے کہ اس نے مقسم کو کہتے سنا کہ ابن عباس نے بیان کیا لا یستوی القاعدون من المومنین سے جو جنگ بدر میں شریک

---

[1] ابو نصر کلاباذی، ابو بکر اصبہانی، ابو الفضل شیانی جو ابن قیسرانی کے نام سے مشہور ہیں سبھوں نے اپنی کتابوں میں اس یونس بن یزید کا ذکر کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ وہ معاویہ ابن ابی سفیان کے غلاموں میں سے تھا ملاحظہ کیجیے ابن قیسرانی کی کتاب ص ۵۸۴ اسی یونس ایلی نے روایت کی ہے کہ جناب ابو طالب بحالت کفر مرے جسے مسلم نے صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۰ میں درج کیا ہے یہ یونس ابو زرعہ کا استاد اور موالی تھا (میزان الاعتدال علامہ ذہبی)

نہ ہوئے، بیٹھے رہے وہ ان مومنین کے برابر نہیں ہو سکتے جو جنگ بدر میں شریک تھے۔

امام بخاری نے ابن عباس کی اس تفسیر کو مقسم کے واسطہ سے صحیح بخاری میں دو جگہ لکھا ہے ایک غزوۂ بدر کے سلسلہ میں (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲) دوسرے سورہ نساء کی تفسیر میں (صحیح بخاری جلد ۳ ص ۸۱)

پوری صحیح بخاری میں سوا اس تفسیر کے اور کوئی حدیث مقسم سے روایت نہیں کی امام بخاری نے مقسم کو ضعیف جاننے کے باوجود یہ تفسیر اس کے واسطہ سے اس لیے لکھی کہ امت کا اجماع ہے کہ اس قسم کی حدیثوں میں تسامح جائز ہے کیونکہ وہ کسی حکم شرعی پر مشتمل نہیں ہوتی۔ مزید براں امام بخاری نے اس تفسیر کو پیغمبر کی طرف نسبت نہیں دی کہ اس صورت میں یہ تفسیر بھی سنن پیغمبر میں سے ہو جاتی جن کی صحت کا امام بخاری نے خاص التزام رکھا ہے (یعنی صحیح بخاری میں صرف وہی سنن پیغمبر انھوں نے درج کیے ہیں جو اُن کے نزدیک صحت کے معیار پر پورے اترتے ہیں لیکن مقسم کی تفسیر کو پیغمبر کی طرف منسوب کر کے بیان ہی نہیں کیا تا کہ شرط صحت کی پابندی ضروری ہوتی)۔

جابر بن عبد اللہ انصاری کی طرف جو حدیث منسوب کر کے بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد میں ابو صالح اسحاق بن نجیح ملطی ہے اور وہ بڑا خبیث، اول نمبر کا لپاڑیا اور حدیث گڑھنے میں دلیر، ماہرین علم حدیث کے نزدیک بالاتفاق پایہ اعتبار سے ساقط۔ علامہ ذہبی نے اس کے حالات لکھتے ہوئے یہ تمام باتیں ذکر کی ہیں۔

جو حدیث کہ امام محمد باقرؑ کی طرف منسوب کر کے بیان کی گئی ہے اس کے سلسلہ اسناد میں محمد بن اسحاق ہیں جنھوں نے اپنی کتاب سیرۃ ابن اسحاق میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرۃ کو اسی قسم کی بے شمار باطل چیزوں سے مزین کیا ہے جس کا نہ کوئی ثبوت کوئی دلیل اُن کے پاس تھی۔

غرضکہ جتنی حدیثیں حمید کی مویدا ختراع کی گئیں سبھی لغو و مہمل ہیں، کیونکہ اُن کا سلسلہ رواۃ درجہ اعتبار سے پست تر ہے اور ان حدیثوں کا مضمون بھی غلط و مہمل اور حدیث صحیح و ثابت کے خلاف و برعکس نیز پیغمبرؐ کے طرز عمل کے بھی سراسر مخالف ہے کیونکہ پیغمبرؐ کا طرز عمل ہمیشہ یہ رہا کہ آپ نے اپنی زندگی بھر علی پر کسی کو افسر و حاکم نہیں بنایا بلکہ علی ہی حاکم ہوا کیے اور ہر جنگ و معرکہ میں وہی علمدار لشکر رہے برخلاف ابوبکر و عمر وغیرہ کے کہ یہ حضرات اکثر دوسرے کی ماتحتی میں رکھے گئے چنانچہ انتقال سے پیشتر پیغمبرؐ نے جو لشکر ترتیب دے کر اسامہ کی ماتحتی میں روانہ کیا تھا اس میں ابوبکر و عمر دونوں ماتحتی میں رکھے گئے تھے، غزوۂ ذات السلاسل میں بھی یہ دونوں حضرات عمرو بن عاص کی ماتحتی میں رہ چکے تھے اس کا ایک قصہ بھی تاریخ کے صفحات پر مذکور ہے[1] مگر علیؑ تمام مدت حیات پیغمبرؐ سوا پیغمبرؐ کے کسی کے تابع و محکوم نہیں بنائے گئے۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کو نہ تو جیش اسامہ میں بھیجا نہ ابن عاص کے لشکر میں رکھا نہ عمر و ابوبکر کی ماتحتی میں جنگ خیبر میں بھیجا بلکہ جب یہ دونوں حضرات شکست کھا کر واپس آئے اور پیغمبرؐ نے علیؑ کو علم لشکر دے کر روانہ کیا تو ابوبکر و عمر کو علیؑ کی ماتحتی میں روانہ کیا اور خداوند عالم نے علیؑ کو فتح عنایت کی۔ اور جب پیغمبرؐ نے خالد بن ولید کو یمن کی طرف لشکر دے کر روانہ کیا تو علی کو دوسرے ایک لشکر کی افسری عنایت فرما کر بھیجا اور حکم دیا کہ راستہ میں خالد اپنے لشکر کے سردار اور علی اپنے لشکر کے سردار رہیں گے مگر وقت جنگ علی دونوں لشکر کے سردار رہیں گے (مسند جلد ۵ صفحہ ۳۵۶)

ابن عباس کا قول ہے کہ علیؑ کو چار ایسی خصوصیتیں حاصل ہیں جو کسی کو حاصل نہ ہو سکیں وہ عرب و عجم میں پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ کے ساتھ

---

[1] امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک جلد ۳ صفحہ ۴۳ میں درج کیا علامہ ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیتے

نماز پڑھی اور علی ہی وہ شخص ہیں جو ہر معرکہ میں علمدار لشکر پیغمبر رہے (مستدرک ج ۳ ص ۱۱۱)

ابھی اوپر حسن بصری کا یہ قول حضرت علیؑ کے متعلق گذر چکا ہے کہ میں اس شخص کے متعلق کیا کہوں جسے چار مخصوص فضیلتیں حاصل ہیں، پیغمبر نے سورہ برات کی تبلیغ پر انھیں امین بنایا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر انت منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ فرمایا۔ اسی سلسلہ میں حسن بصری کہتے ہیں وانه لم یومر علیه امیر قط وقد اموت الامراء علی غیرہ ۔ علی پر کبھی کوئی امیر نہیں بنایا گیا اور اگر علی کے علاوہ دوسرے کو امیر بنایا گیا تو علی پر نہیں بلکہ علی کے علاوہ دوسرے دوسرے لوگوں پر۔

(۱۹) ملائکہ عمر سے کلام کرتے تھے

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے [۱]

لقد کان فی من کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن من امتی منهم احد فعمر [۲]	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا، تم لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسی ہستیاں بھی گذری ہیں جو اگرچہ نبی نہ تھیں مگر ملائکہ اُن سے گفتگو کیا کرتے۔ اگر میری امت میں کسی کو یہ شرف ملتا تو عمر کو (یعنی پوری امت میں عمر ہی اس قابل ہیں کہ ملائکہ ان سے گفتگو کر سکیں)

[۱] صحیح بخاری پارہ ۲ ص ۱۹۴، باب مناقب عمر [۲] علامہ قسطلانی شرح صحیح بخاری ارشاد الساری جلد ۷، ص ۳۴۹ میں تحریر فرماتے ہیں یُکَلَّمُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ اُن سے کلام کرتے تھے۔ نیز پیغمبر کا یہ جملہ فان یکن من امتی منهم احد (میری امت میں سے کوئی اگر ایسا ہوتا جس سے ملائکہ گفتگو کرتے) میں لفظ ان یکن تردید کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ کوئی اس قابل ہے نہیں اگر ہوتا تو عمر ہوتے بلکہ تاکید کے لیے یعنی ہماری امت میں اس

انھیں بخاری نے ابو ہریرہ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے :-

قال انه قد کان فیما مضی قبلکم من الامم محدثون وانه ان کان فی امتی هذه منهم فانه عمر ابن الخطاب [1]

ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ پیغمبر نے فرمایا تم سے پہلے جو امتیں گذریں اُن میں ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جن سے ملائکہ باتیں کیا کرتے ہماری امت میں اگر ایسا کوئی ہو سکتا ہے تو وہ عمر ابن خطاب ہیں -

یہ من گڑھت حدیث ہے ابو ہریرہ کی جب انھوں نے حضرت عمر کے مرنے کے کئی سال بعد ہوا کے رُخ کو دیکھتے ہوئے عوام کو خوش کرنے کے لیے گڑھا تھا کیونکہ غاصب وظالم بنی امیہ کے دل کی تمنائیں اس وقت تک پوری ہو ہی نہیں سکتی تھیں ان کے دلوں کو اس وقت تک چین آ ہی نہ سکتا تھا جب تک ابوبکر و عمر کو انبیاء معصومین کے برابر وہم پلہ نہ کر دکھایا جائے - ابوبکر و عمر کے عہد میں آس پاس کے مُلکوں پر چڑھائی، لڑائیوں میں فتح اور بے شمار لوٹ کا مال ہاتھ آنے کی وجہ سے جاہل عوام میں ان دونوں بزرگوں کو کافی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی - ابو ہریرہ نے زمانہ کے رنگ کو دیکھتے ہوئے حکام وقت کو خوش کرنے کے لیے اس جیسی حدیثیں کثرت سے اختراع کیں اور سچ بات یہ ہے کہ گھاٹے میں رہے بھی نہیں، دل کی جو مُراد تھی وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲) منزلت کا انسان موجود ہے جس سے ملائکہ گفتگو کریں اور وہ عمر ہیں جیسے ہم یہ کہیں اگر ہمارا کوئی دوست ہوتا تو فلاں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ فلاں ہی ہمارا دوست ہے۔ اور جب یہ بات ثابت ہے قول پیغمبرؐ سے کہ سابق امتوں میں جو ملت اسلام سے کم منزلت رکھتی تھیں ایسے لوگ تھے جن سے ملائکہ گفتگو کیا کرتے تو امت اسلام جو تمام امتوں پر فوقیت رکھتی ہے ہر امت سے افضل و بہتر ہے اس میں ایسے افراد بدرجہ اولیٰ ہوں گے جن سے ملائکہ گفتگو کریں ۱۲

[1] صحیح بخاری پارہ ۱۴ ص ۱۷۱ باب مناقب عمر میں بھی یہ حدیث موجود ہے امام نسائی نے بھی مناقب میں اس حدیث کو درج کیا ہے ۱۲

ہاتھ آئی حکام وقت نے حکومت وجاگیر بخشی، عوام کے دلوں میں عزت بڑھی اگر عمر کے عہد میں اس قسم کی حدیثیں گڑھے ہوتے تو اُن کی پیٹھ ہوتی اور حضرت عمر کا دُرّہ مگر وہ تو موقع کے منتظر تھے موقع ملا اور اچھا موقع ملا۔ معاویہ کی حکومت میں میدان صاف تھا کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا وہ جی کھول کے اس قسم کی حدیثیں گڑھتے چلے گئے۔

ارباب علم جانتے ہیں کہ گذشتہ امتوں میں اگر کسی سے ملائکہ نے حقیقتاً یا مجازاً گفتگو بھی کی ہے تو ان سے جو معصوم تھے نبی تھے یا وصی نبی چنانچہ یہ بھی ایسا کہ انبیائے کرام سے ملائکہ واقعاً گفتگو کرتے ہیں اور وصی نبی پر خداوند عالم الہام فرماتا ہے جس کے ذریعہ اس پر امر حق اس طرح روشن وواضح ہوجاتا ہے اور کوئی شبہ باقی نہیں رہتا جیسے کوئی فرشتہ آکر خدا کی جانب سے بتا جائے ورنہ حقیقتاً کوئی کلام کرنے والا نہیں ہوتا وہ تو خداوند عالم صحیح بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت عمر خلیفہ ہی نہیں سب کچھ رہے ہوں مگر نبی یا وصی یا معصوم تو قطعاً نہیں تھے، کوئی بھی مسلمان دنیا کے پردے پر اس کا قائل نہیں ملے گا لہٰذا ملائکہ کا اُن سے کلام کرنا نہ تو حقیقتاً ہی ممکن ہے نہ مجازاً ہی صحیح ہے ملائکہ تو البتہ اس سے کلام کرتے تھے جو اس امت محمدی میں منزلت ہارون پر فائز تھا، جو وصی تھا حضرت محمد مصطفیٰ کا

مزید براں حضرت عمر کی درشت مزاجیوں کو دیکھتے ہوئے (جو عہد رسول وبعد وفاتِ رسول اُن سے ظہور میں آتی رہیں) کسی کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ ملائکہ اُن سے ہمکلام ہوئے ہوں چاہے حقیقتاً چاہے مجازاً

(۳۰) پیغمبرؐ کا ترکہ صدقہ ہے

بخاری[1] و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲ صہ ۱۲۵ کتاب الجہاد باب نفقہ۔ نساء النبی بعد وفاتہ صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۴۴ باب قول النبی لا نورث ما ترکنا فهو صدقة

ان رسول اللہ قال :
لا یقتسم ورثتی دینارا ما ترکت
بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ
عاملی فھو صدقۃ !

پیغمبر نے ارشاد فرمایا میں جو کچھ بھی چھوڑ جاؤں
اس میں سے میری بیویوں کا نان ونفقہ اور میرے
عاملوں کی تنخواہ نکالنے کے بعد جو کچھ بچ رہے
وہ سب کا سب صدقہ ہے میرے ورثہ ایک دینار
بھی اس میں سے نہ پائیں گے ۔

یہ اسی حدیث کا مضمون ہے جسے ابوبکر نے تن تنہا پیغمبر سے روایت کی
ہے اور جس حدیث کی رو سے انھوں نے سیدہ عالم کو باپ کی میراث سے
محروم کیا تھا ۔

ابوبکر کی حدیث کو بخاری ومسلم نے عائشہ کے سلسلہ سے یوں روایت کیا ہے
عائشہ بیان کرتی ہیں[1] :-

ان فاطمۃ بنت النبی
ارسلت الی ابی بکر تسالہ میراثھا
من رسول اللہ فقال ابو بکر :
ان رسول اللہ قال لا نورث
ما ترکنا صدقۃ[2] قالت عائشۃ

فاطمہ بنت پیغمبر نے ابوبکر کے پاس کسی سے
کہلا بھیجا کہ پیغمبر کی میراث مجھے دی جائے[1] ،
ابوبکر نے کہا پیغمبر کہہ چکے ہیں کہ میرا کوئی وارث
نہیں ہوگا ہم جو چھوڑ جائیں صدقہ ہے ۔ عائشہ کہتی ہیں

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۳ ص ۳۷ غزوہ خیبر و صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲ باب قول النبی لا نورث مسند جلد اول ص ۶

[2] اس حدیث کی جناب سیدہ نے سختی کے ساتھ رد فرمائی اور آپ کی اولاد طاہرین نے بھی برابر تردید کی ۔ مزید براں بفرض محال یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی سیدہ کو میراث پدر سے محروم کرنے کا سبب نہیں بن سکتی اس عبارت کے پڑھنے کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں ما ترکناہ صدقۃٌ اور ما ترکناہ صدقۃً پہلی صورت میں ما مائے موصولہ ہوگا اور صدقۃ اس کی خبر ہوگی ، مطلب ہوگا کہ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے ۔ دوسری صورت

منها شيئا

فوجدت فاطمة على ابى بكر

فهجرته فلم تكلمه حتى

توفيت وعاشت بعد النبىؐ

ستة اشهر فلما توفيت

دفنها زوجها على ليلا

نہ ابوبکر نے ایک حبہ بھی میراث پیغمبر سے فاطمہ کو

نہ دیا اس سے فاطمہ ابوبکر سے بیحد ناراض ہو گئیں

اور اُن سے بات تک کرنے کی روادار نہ ہوئیں

مرتے دم تک اُن سے نہ بولیں اور وہ پیغمبر کے

بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جب ان کا انتقال

ہو گیا تو ان کے شوہر علیؑ نے انھیں شب میں دفن کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵)

صدقۃً میں صدقۃٌ حال ہو گا یعنی ہم جو چیز بطور صدقہ چھوڑ جائیں اس کا کوئی وارث نہ ہو گا۔ پیغمبرؐ نے جو چیزیں اپنے بعد چھوڑی تھیں اُن کی قسمیں تھیں بعض تو آپ کے ملک و اختیار میں تھیں اور بعض صدقہ کی حیثیت رکھتی تھیں جسے آپ جہاں چاہتے صرف کرتے جس کو مستحق پاتے دیتے۔ اگر پیغمبر نے واقعاً صدقۃٌ فرمایا تھا تب تو سیدہؑ کو میراث سے محروم کرنے کی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبر فرما گئے ہیں کہ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے لیکن اگر صدقۃً ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیدہؑ باپ کی میراث دیا ئیں۔ صرف انھیں چیزوں سے محروم کیا جا سکتا تھا جو پیغمبر اپنی زندگی میں صدقہ کر چکے تھے لیکن باقی املاک جو آپ کی تھیں وہ تو بہر حال پانے کی حقدار تھیں۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں کوئی دلیل نہیں کہ عبارت میں لفظ صدقہ صدقۃٌ ہی ہے صدقۃً نہیں بلکہ قرینہ غالب یہ ہے کہ صدقہ ہی ہے پیغمبرؐ نے یہ جملہ آیندہ کے لیے بطور وضاحت فرمایا تھا کہ کہیں دنیا والے یہ نہ سمجھ لیں انبیائے کرام کی اولاد انبیاء کی ایک ایک چیز کی مالک ہوتی ہے خواہ اُن کی ملکیت کی ہو یا صدقہ کی اسلیے پیغمبر نے فرما دیا کہ لا نورث ما ترکنا ہ صدقۃً ہم جو چیز صدقہ کردہ چھوڑ جائیں اس کی وارث ہماری اولاد نہیں ہوتی بلکہ فقط اس چیز کی ہوتی ہے جو ہمارے ملک کی ہو

ابو بکر — ابو بکر کو خبر تک نہ کی۔

ملاحظہ فرمائیے کہ اس حدیث میں کتنی وضاحت ہے اس امر کی کہ فاطمہؑ ابو بکر سے رنجیدہ ہوئیں۔ ان پر غضبناک ہیں، اُن سے مرتے دم تک بات نہیں کی، آپ کا غیظ و غضب کوئی ایک مرتبہ کا نہ تھا بلکہ کئی مرتبہ خاطر اقدس کو ملال پہنچا اور آپ مستقل طور پر ابو بکر سے اس واقعہ کے بعد برہم رہیں۔ (جب ابو بکر نے مطالبہ میراث پدر کو اس حدیث سے ٹھکرا دیا جسے نہ کسی نے سُنا نہ کسی نے روایت کی بلکہ خود ابو بکر ایک اکیلے اس کے سننے والے اور روایت کرنے والے ہیں تو) فاطمہؑ نے چادر اوڑھی، سر پر برقعہ ڈالا، خاندان کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ اس طرح برآمد ہوئیں کہ آپ کی چادر زمین پر خط کھینچتی جاتی تھی اور رفتار پیغمبرؐ کی رفتار کا منظر آنکھوں کے سامنے پیش کر رہی تھی آپ ابو بکر کے پاس پہنچیں اور وہ مہاجرین و انصار کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے جب پہنچیں تو آپ کے اور مجمع کے درمیان چادر کھینچ دی گئی، آپ نے ایک گہری آہ کھینچی جس پر وہاں بیٹھے ہوئے لوگ ڈاڑھیں مار کر رونے لگے، مجمع میں تہلکہ مچ گیا، آپ نے ان لوگوں کو تھوڑی دیر کا وقفہ دیا جب چیخیں تھمیں، جوش گریہ کم ہوا تو آپ نے خداوند عالم کی مدح و ثنا سے اپنی تقریر شروع کی۔ اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھیں چھلک گئیں، دل پگھل گئے، اگر سیاست نے لوگوں کے دل پتھر نہ بنا دیے ہوتے تو کایا پلٹ جاتی اور تاریخ کے صفحات پر کچھ اور نظر آتا مگر سیاست نے کب کسی پر ترس کھایا ہے۔

جناب معصومہ کی اس تقریر[2] کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو کہ جناب معصومہ نے

---

[1] جیسا کہ بخاری کے شارحین نے اعتراف کیا ہے دیکھیے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ نیز تحفۃ الباری وغیرہ [2] بزرگان اولاد علی و فاطمہ نسلاً بعد نسل جناب معصومہ کے اس خطبہ کی روایت کرتے آئے ہیں یہاں تک کہ ہم لوگوں تک سلسلہ پہنچا۔ ہم اولاد فاطمہ نے اس خطبہ کو

[illegible] اور ان کے دعوے
کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے، اپنی حقیت میراث پیغمبرؐ پر کلام مجید کی آیتوں سے
اتنے واضح ثبوت پیش کیے جن کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷)

اپنے باپ دادا سے سنا ہمارے باپ دادا نے اپنے باپ دادا سے سنا، اسی طرح ہر زمانہ کے بزرگ اپنے بزرگوں سے سنتے آئے یہاں تک کہ سلسلہ زمانہ ائمہ تک پہنچتا ہے، ائمہ کے زمانہ کے لوگوں نے ائمہ طاہرین سے علیؑ و فاطمہؑ کے پوتے پر دتوں سے سنا۔ بحار الانوار احتجاج طبرسی میں موجود ہے علمائے اہلسنت میں سے علامہ ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری نے اپنی کتاب فدک و سقیفہ میں ایسے طرق و اسناد سے اس خطبہ کو لکھا ہے جن میں بعض کا سلسلہ جناب زینب تک بعض کا امام جعفر صادق تک بعض کا عبداللہ بن حسن بن حسنؑ تک پہنچتا ہے دیکھیے شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۷۸۔ ابو عبداللہ محمد بن عمران مرزبانی نے بھی بسلسلہ اسناد عروہ بن زبیر سے لکھا ہے۔ عروہ نے جناب عائشہ سے سنا اور عائشہ نے جناب معصومہ کی طرف نسبت دے کر بیان کیا ہے۔ شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۹۳ انھیں مرزبانی نے بسلسلہ اسناد جناب زید شہید سے بھی اس خطبہ کی روایت کی ہے انھوں نے اپنے والد جناب امام زین العابدینؑ سے انھوں نے اپنے والد امام حسینؑ سے انھوں نے اپنی مادر گرامی سے نقل کیا ہے۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ صفحہ ۹۴۔ اسی صفحہ پر علامہ ابن ابی الحدید نے جناب زید سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ میں نے مشائخ آل ابو طالب کو اس خطبہ کی روایت کرتے اور اپنی اولاد کو اس خطبہ کی تعلیم کرتے ہوئے دیکھا۔

۵ جناب معصومہ نے ابوبکر سے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی فرمایا تھا کہ ابوبکر تم مر جاؤ گے تو تمھارا کون وارث ہوگا۔ انھوں نے کہا میرے لڑکے لڑکیاں میری بیوی وارث ہوگی۔ آپ نے پوچھا تو پھر تم رسول اللہ کی اولاد اور گھر والوں کو محروم کر کے رسول کے وارث کیسے بن بیٹھے؟

...پر اسقدلال فرماتے ہوئے کہا:۔

"کیا تم لوگوں نے جان بوجھ کر کتابِ خدا سے کنارہ کر لیا ہے۔ کتاب خدا تو بتاتی ہے وورث سلیمان داود سلیمان اپنے باپ دادا کے وارث ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸) ابوبکر نے کہا میں نے تو ایسا نہیں کیا آپ نے کہا یقیناً تم نے ایسا کیا ہے فدک جو رسول کی خاص ملکیت تھی تم نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور خدا کے عام حکم میراث سے جو ہر کہ ومہ کو شامل ہے ہمیں محروم کر دیا" (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص۸۷ کتاب السقیفہ ابوبکر بن عبدالعزیز جوہری) انھیں ابوبکر نے بسلسلہ اسناد جناب ام سلمہ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ جب فاطمہ نے اپنا حق مانگا ابوبکر نے کہا پیغمبر کہہ چکے ہیں کہ "نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا" لہذا تم میراث پانے کے حقدار نہیں البتہ پیغمبر جس طرح خاص خاص لوگوں کی امداد کیا کرتے تھے میں بھی کرتا رہوں گا۔ اس پر معصومہ نے کہا ابوبکر تمھاری بیٹیاں تو تمھارے مرنے پر میراث پائیں مگر رسول کی بیٹی باپ کی میراث سے محروم رکھی جائیگی (مسند جلد ۱ ص۱ کتاب سقیفہ جوہری شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص۸۱) اور بسلسلہ اسناد ام ہانی بنت ابی طالب سے مروی ہے کہ جناب معصومہ نے ابوبکر سے پوچھا تم مرو گے تو تمھارا کون وارث ہوگا؟ انھوں نے کہا میری اولاد، میرے گھر والے۔ آپ نے فرمایا تو پھر ہمیں محروم کر کے تم کیسے رسول اللہ کے وارث ہو گئے۔ ابوبکر نے کہا آپ کے باپ نے کوئی چیز میراث میں چھوڑی ہی نہیں معصومہ نے کہا چھوڑی کیوں نہیں سہم اللہ جسے خداوند عالم نے خاص کر ہمیں بخشا ہے اور وہ ہماری مخصوص جاگیر ہے اس وقت تم قبضہ کیے بیٹھے ہو ابوبکر نے کہا میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ وہ (فدک) آذوقہ ہے جو خدا نے ہمیں بخشا ہے جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو یہ سارے مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہو جائے گی۔ ابو الطفیل سے بھی ایسی ہی روایت موجود ہے۔ اس باب میں بے شمار متواتر حدیثیں ہیں خصوصاً بطریق اہلبیت طاہرین تو اور زیادہ چنانچہ ایک جناب معصومہ ہی کا خطبہ ہے جس کا ہم نے اوپر اشارۃً تذکرہ کیا ہے۔ جناب معصومہ کا ایک دوسرا مشہور خطبہ خلافت کے مسئلے پر ہے جوہری نے کتاب السقیفہ اور فدک میں عبداللہ بن حسن بن حسن سے نقل کیا ہے (نہج البلاغہ جلد ۴ ص...

زکریا پیغمبر کے تذکرہ میں بیان کرتی ہے فهب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث

من آل یعقوب واجعله رب رضیا زکریا نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی خداوندا

اپنے پاس سے مجھے والی و وارث مرحمت فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا

بھی اور بار الٰہا اسے پسندیدہ قرار دے" اسی کتاب کا کہنا ہے واولوا الارحام

بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله - صاحبان رحم میں بعض بعض سے ازروئے

کتاب خدا زیادہ حقدار ہیں - یہی کتاب کہتی ہے یوصیکم الله فی اولادکم

للذکر مثل حظ الانثیین تمھارے اولاد کے بارے میں خدا کا حکم یہ ہے

کہ لڑکے کا دوہرا حصہ ہے بہ نسبت لڑکی کے - اسی کتاب میں ہے کتب علیکم

اذا حضر احدکم الموت ان ترك خیرا الوصیة تم پر واجب و لازم

کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے تو والدین قریبی

رشتہ داروں کے لیے وصیت چھوڑ جائے" پھر جناب سیدہؑ نے حاضرین سے پوچھا

"کیا خداوند عالم نے تم لوگوں پر کوئی خاص آیت نازل کی ہے جس کی میرے پدر بزرگوار

کو خبر تک نہ کی یا تم قرآن کے مفہوم و معنی سے بہ نسبت میرے باپ اور شوہر کے

زیادہ واقفیت رکھتے ہو یا تم اس کے قائل ہو کہ دو ملتوں والے باہم وارث نہیں ہو سکتے"!

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۹) عبداللہ بن حسن بیان کرتے ہیں کہ جب جناب معصومہ کا مرض بہت شدت اختیار

کر گیا تو آپ کے پاس مہاجرین و انصار کی عورتیں آئیں اور پوچھا کس حال میں ہیں آپ اے دختر پیغمبر

آپ نے فرمایا کہ میں اس حال میں ہوں کہ تمھاری دنیا سے بیزار تمھارے مردوں سے متنفر ہوں الخ

یہ خطبہ اہل بیت علیہم السلام کے بیحد بلیغ تبرکات سے ہے - ابوالفضل احمد بن ابی طاہر نے بھی اپنی

مشہور کتاب بلاغات النساء ص۲۳ میں بسلسلہ اسناد جناب معصومہ سے روایت کر کے لکھا ہے - ہمارے

اصحاب سوید بن غفلہ بن عوسجہ جعفی سے روایت کرتے ہیں اور اس نے جناب معصومہ سے روایت کی ہے۔

علامہ مجلسی نے بحار میں اور علامہ طبرسی نے احتجاج میں بھی اس خطبہ کو درج کیا ہے -

[illegible] زکریا والی آیتوں سے کتنا قوی استدلال فرمایا وورث سلیمان داؤد سلیمان داؤد کے وارث ہوے۔ اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ پیغمبر کی اولاد پیغمبر کی وارث ہوئی فھب لی من لدنک ولیا یرثنی زکریا پیغمبر تمنا و آرزو کرتے ہیں سوال کرتے ہیں کہ بار الٰہا مجھے کوئی فرزند عنایت فرما جو میرے بعد میرا وارث ہو۔

بات بنانے والوں نے بات یہ بنائی کہ ان آیتوں میں وراثت سے مراد وراثت مال و جائداد نہیں بلکہ وراثت حکمت و نبوت ہے۔ سلیمان وارث حکمت و نبوتِ داؤد ہوے زکریا نے نبوت و حکمت کے لیے وارث کی دعا کی تھی۔ مگر خدا کی قسم سیدہ مفہوم و مراد قرآن سے زیادہ واقف و خبیر تھیں بہ نسبت اُن لوگوں کے جو آیت نازل ہونے کے وقت موجود بھی نہ تھے بلکہ مدتوں بعد پیدا ہوے اور اب خلافت مآب افراد کی حمایت میں زبردستی کی تاویلیں کرتے ہیں اور حقیقی معنی کو چھوڑ کر جو لفظ کے سنتے ہی فوراً ذہن میں آتے ہیں بغیر کسی قرینہ کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا حقیقی معنی نہیں مجازی معنی مراد ہوتے وراثت سے مراد وراثت حکمت و نبوت ہی تنہا ہوتی تو کیوں نہیں ابوبکر نے اس روز یہ بات بنائی۔ سیدہ کے مطالبہ میراث پر یہی جواب ابوبکر نے کیوں نہیں دے دیا۔ ابوبکر اور اُن کے حوالی موالی صحابہ کو تو یہ بات سوجھی نہیں[1] سوجھی بھی تو اب ان مدتوں بعد دنیا میں آنے والوں کو۔

---

[1] حضرت ابوبکر اور اُن کے حوالی موالی سے اس دن کوئی جواب تو بن نہ پڑا ہاں ہٹ دھرمی پر اُتر آئے ابوبکر نے معصومہ کی بات کا جواب یہ دیا کہ دختر پیغمبر خداوند عالم نے اپنے خلائق میں محمد مصطفےٰ کے علاوہ کوئی ایسی مخلوق نہیں پیدا کی جو مجھے محمد مصطفےٰ سے زیادہ محبوب ہو میری تو تمنا تھی کہ جس دن پیغمبر کا انتقال ہوا آسمان پھٹ پڑتا۔ خدا کی قسم عائشہ کا نادار ہو جانا مجھے زیادہ محبوب ہے

([illegible] صفحہ ۱۹۲)

علاوہ اس کے ایسے روشن قرائن موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ لفظیں یہاں حقیقی معنوں ہی میں مستعمل ہوئی ہیں وراثت سے مراد وراثت حقیقی ہے نہ کہ وراثت مجازی جیسا کہ سید[1] مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب شافی میں صراحت فرمائی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱) بہ نسبت اس کے کہ آپ پر ناداری کی مصیبت پڑے کیا آپ کا خیال ہے کہ میں ہر کالے گورے کو اس کا حق دوں گا اور آپ ہی کا حق مار لوں گا حالانکہ آپ دختر پیغمبر ہیں۔ یہ مال پیغمبر کا ذاتی مال نہ تھا یہ تو مسلمانوں کا مال تھا جس سے آپ لوگوں کی امداد کرتے راہ خدا میں خرچ کرتے اب جبکہ پیغمبر کا انتقال ہو گیا تو میں سب کا مالک و مختار ہوا ہوں اسی طرح اس پر متصرف ہوں گا جس طرح پیغمبر متصرف رہا کیے جناب معصومہ نے فرمایا (اچھی بات ہے) خدا کی قسم آج سے پھر کبھی تم سے بات نہ کروں گی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے میری بیزاری ہے خدا کی قسم میں تم پر بد دعا کروں گی خدا سے۔ ابوبکر نے کہا میں آپ کے لیے دعا کروں گا۔ جب معصومہ کی وفات کا وقت آیا۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ ابوبکر میرے جنازے پر نہ آئیں۔ (نہج البلاغہ جلد ۴ ص۸) ملاحظہ فرمایئے جناب معصومہ تو ابوبکر کی پیش کردہ حدیث کا معارضہ فرماتی ہیں۔ جناب داؤد و زکریا کے متعلق کلام مجید کی آیتوں سے اور ابوبکر آپ کے معارضہ پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مال پیغمبر کا تھا ہی نہیں۔ جناب معصومہ نے ان کی بات تسلیم نہیں کی اس لیے کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کے حالات سے بہ نسبت اوروں کے زیادہ واقف تھیں۔

۲ جناب علم الہدیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ جناب زکریا نے فرزند کی تمنا میں پروردگار سے دعا کی تھی انی خفت الموالی من ورائی میں اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں لہذا مجھے ایک جانشین فرزند عنایت فرمایا۔ جناب زکریا کے رشتہ دار و قرابت دار بیوقوف و بدکار تھے اگر جناب زکریا کے کوئی فرزند نہ پیدا ہوتا تو وہی بیوقوف و بدکار رشتہ دار زکریا کے وارث ہو جاتے اور جناب زکریا کو ڈر تھا کہ ہمارے ترکہ کو یہ لوگ فسق و فجور کی نذر کر ڈالیں گے اسی ڈر کی وجہ سے آپ نے فرزند کی دعا کی تھی۔ جناب زکریا کا خوف و ہراس اپنے رشتہ داروں سے ڈرنا بتاتا ہے کہ وراثت مال مقصود تھی نہ کہ حکمت و نبوت

پھر جناب معصومہ نے اپنی تقسیت میراث پدر پر آیات میراث اور آیہ وصیت کے عموم سے ثبوت پیش کیے اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ، یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین، کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر الوصیۃ ان تمام آیتوں کی لفظیں بالکل عام اور امت مسلمہ کی ہر ہر فرد کو شامل ہیں جو بھی مسلمان ہے سبھی کے لیے یہ احکام ہیں کسی کا استثنا نہیں۔ جب تک کلام مجید کی کوئی آیت یا احادیث پیغمبر میں سے کوئی حدیث ان آیات کی مخصص نہ مل جائے جو یہ بتائے کہ یہ حکم عام نہیں خاص ہے فلاں کے لیے ہے فلاں کے لیے نہیں مگر کلام مجید کی تمام آیتیں ایک ایک کر کے دیکھ جائیے پیغمبر کی صحیح احادیث ایک ایک کر کے پڑھ جائیے مگر کوئی آیت کوئی حدیث آپ کو نہیں ملے گی جو ان آیات کے عموم کے برخلاف ہو۔ ان آیات کے احکام کی مخصص ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) یعنی آپ اپنے اموال وجائداد کے لیے وارث کے طلبگار تھے نہ کہ نبوت کے وارث کے اس لیے کہ نبوت وحکمت نہ تو بدکاروں کو ملتی ہے اور نہ اس کی بربادی کا ڈر ہوتا ہے اگر جناب زکریا کے فرزند بھی ہوتا تو نبوت آپ کے بدکار رشتہ داروں کو مل نہیں سکتی تھی لہذا حکمت و نبوت کی تباہی کا جناب زکریا کو ڈر تو ہوگا نہیں مال وجائداد ہی کی تباہی کا ڈر ہوگا اسی لیے آپ نے پروردگار سے سوال کیا کہ مجھے ایک فرزند عطا کر تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کے بہ نسبت میرے اموال وجائداد کی وراثت کا زیادہ حقدار ہو۔ نیز جناب زکریا نے اپنے جانشین فرزند کے لیے یہ شرط بھی پروردگار سے کی تھی کہ واجعلہ رب رضیا پروردگارا میرے جانشین فرزند کو پسندیدہ بنا۔ یہ شرط بھی بتلاتی ہے کہ جناب زکریا کے پیش نظر وراثت مال ہی تھی اس لیے کہ اگر نبوت ہی کا فقط وارث خدا سے مانگتے تو پھر یہ شرط لغو ومہمل تھی کیونکہ نبی تو خود ہی پسندیدہ ہوتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص یہ دعا مانگے کہ خداوندا ہمارے لیے ایک نبی کو مبعوث کر اور اسے صادق بنا کر بھیجنا جھوٹا نہیں۔

جو سابق اسلام تھے، داماد پیغمبر تھے، پیغمبرؐ کے اپنے چچا کے بیٹے تھے، پیغمبر کے یہ ایسے تھے جیسے ہارون موسیٰ کے لیے جو ولی پیغمبر تھے وصی پیغمبر تھے ہمراز پیغمبر تھے سبھی باتیں پیغمبر کی انھوں نے سنیں مگر یہ میراث والی حدیث ہی نہیں سُنی - کیا پیغمبرؐ نے جان کر علیؑ سے یہ حدیث چھپائی تھی - اپنے رازوں کے خزینہ دار، بلاؤں میں سینہ سپر، اپنے علم کے دروازے، اپنے حکمت کے در، اپنے امت کے سب سے بہتر منصف کو اس کی خبر ہی نہ کی -

جناب عباس پیغمبر کے چچا جو ایک اکیلے بزرگ خاندان بچ رہے تھے کیا انھوں نے بھی پیغمبر کی یہ حدیث نہ سُنی - تمام بنی ہاشم جو ملجا و ماویٰ تھے پیغمبرؐ کے کیا اُن میں سے بھی کسی متنفس نے یہ حدیث نہ سُنی بعد وفات پیغمبر مطالبہ فاطمہ پر ابوبکر کی زبانی سننے کا اتفاق ہوا ــــ ازواج پیغمبر امہات المومنین وہ بھی اس حدیث سے جاہل رہیں انھیں بھی معلوم نہ ہوا کہ پیغمبر اپنی میراث صدقہ قرار دے گئے ہیں ناواقفیت ہی کے بنا پر تو انھوں نے عثمان کو بھیجا تھا کہ جا کر ہمارا حصہ بھی مانگو - (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۸۲ کتاب سقیفہ و فدک ابوبکر جوہری)

کیا قیامت ہے کہ پیغمبر سے جتنے قریبی تعلق رکھنے والے افراد تھے سبھی اس حدیث سے ناواقف ولاعلم نکلے کسی ایک نے بھی ابوبکر کے بیان کرنے سے پہلے نہ سنا کس طرح مان لیا جائے، کیونکر جائز سمجھا جائے کہ جسے میراث پانی تھی جس کا براہ راست تعلق تھا اس کو تو پیغمبرؐ نے یہ حدیث سُنائی نہیں اور سنائی تو اسے جو کسی طرح پیغمبر کا وارث ہو ہی نہیں سکتا - کیا پیغمبر یوں ہی اونٹ پٹانگ تبلیغ احکام الٰہی کیا کرتے تھے کہ جس کو بتانا چاہیے اس کو تو بتایا نہیں اور جس کو اُن احکام سے کوئی سروکار نہ ہو اس کو بتاتے پھریں -

والے باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے"، یہ فقرہ قیامت کا فقرہ تھا۔

مطلب یہ کہ کلام مجید میں جتنی آیتیں میراث کے متعلق نازل ہوئیں سبھی عام ہیں امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کو شامل ان میں کوئی تخصیص نہیں۔ اُن آیات کے احکام سے کوئی مستثنیٰ نہیں البتہ لے دے کے تمام آیات و احادیث میں صرف ایک استثنا ملتا ہے اور وہ یہ کہ دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، باپ مسلمان ہے اور بیٹا عیسائی تو بیٹا باپ کی میراث نہیں پا سکتا لہٰذا تم ہمیں جو ہمارے باپ کی میراث سے محروم کر رہے ہو تو کیا اس بنا پر کہ معاذ اللہ میں اپنے باپ کے مذہب پر نہیں میں مسلمان نہیں کیا تم یہ کہنے کی جرأت رکھتے ہو کہ میں ملت اسلامیہ سے خارج ہوں؟

مختصر یہ کہ معصومہ کے مطالبہ میراث پدر پر ابو بکر نے یہ حدیث پیش کر کے معصومہ کو انتہائی غیظ و غضب میں مبتلا کر دیا، یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے بیان کرنے والے ایک اکیلے ابو بکر ہیں اُن کے عہد میں کسی بھی شخص نے اس حدیث کو پیغمبر کی زبان سے سننے کا اقرار نہیں کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابو بکر کے ساتھ ساتھ مالک بن اوس بن حدثان[1] نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں علی و عباس نے اپنا نزاعی مقدمہ عمر کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیا اس وقت اُن کے پاس عثمان، عبدالرحمان بن عوف، زبیر، سعد بھی بیٹھے ہوئے تھے (صحیح بخاری پارہ ۲ ص۱۲۴) حضرت عمر نے ان حضرات سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ لوگ جانتے ہیں نا؟ کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا ہے لا نورث ما ترکنا لا صدقہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے" حضرت عمر کے یہ پوچھنے پر

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص۹۱

مجمع میں ایک عجیب اضطرابی کیفیت دوڑ گئی، فرمانروائے وقت ایک بات کا اقرار لینا چاہتا ہے حاضرین کو دلی منشا بھی معلوم ہے بسوا بجا! درست! کہنے کے چارہ کار ہی کیا تھا، زمانے کے رنگ کو دیکھتے ہوئے کوئی گنجائش ہی نہ تھی سوا اس اقرار کے کہ سرکار! حضرت ابوبکر بھی سچے تھے اور حضور بھی سچے ہیں، پیغمبر نے ایسا ہی فرمایا تھا۔

ابوبکر و عمر خلافت، تاب افراد تھے جو چاہیں کہیں، کس کو جان دوبھر تھی جو انھیں جھٹلاتا مگر یہ ابوہریرہ تو اس وقت کسی شمار و قطار میں نہ تھے، نہ تین میں تھے نہ تیرہ میں، اُن کی باتوں پر تو کوئی کان بھی اس وقت دھرتا نہ تھا کوئی لائق اعتنا سمجھتا ہی نہ تھا، اپنی گفتار میں یہ متہم بھی تھے۔ ان بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی میں ان کی مجال ہی نہ تھی کہ حدیث بیان کریں نہ اُن کی اتنی بساط تھی کہ خلیفہ وقت کی نظریں جس سے برگشتہ تھیں اس کی طرفداری میں لب کشائی کر سکیں۔ اسی وجہ سے اس وقت اُن کے ہونٹوں نے جنبش تک نہ کی۔ ہاں جب بڑے بڑے بزرگان صحابہ دنیا سے اُٹھ گئے اور نئے نئے شہر مفتوح ہوئے شام و مصر، افریقہ، عراق، فارس و ہند وغیرہ اور وہاں کے باشندے مسلمان ہوئے اور مسلمان نئے دَور میں داخل ہوئے تو اس وقت بنی امیہ نے ابوہریرہ کے نام کو اچھالنا شروع کیا اُن کے فضل و شرف کے پروپاگنڈے کیے گئے اور اس طرح انھیں گوشۂ گمنامی سے نکال کر بام شہرت پر لا بٹھایا، اب دنیا ان کے قدموں میں تھی، موقع بہترین تھا جو چاہیں کہیں کس کے مُنہ میں زبان تھی جو انھیں جھٹلاتا۔ یہ جاہل عوام میں ایسی ایسی حدیثیں وضع کرکے بیان کرتے جس سے بنی امیہ کے دلوں میں اُن کی محبت زیادہ ہو، وہ اور زیادہ ان پر مہربان ہوں۔ اس حدیث کو بھی ابوہریرہ نے حکام وقت کی خوشامد و چاپلوسی میں اختراع کیا کیونکہ اس سے جمہور مسلمین اور سواد اعظم کے محبوب خلیفہ کی تائید ہوتی تھی،

(۲۱) ابوطالب کا کلمہ شہادتین جاری کرنے سے انکار کرنا

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں :-

قال رسول اللہ لعمہ ابوطالب قل لا الہ الا اللہ اشہد لک بہا یوم القیامۃ قال: لولا ان تعیرنی قریش یقولون انما حملہ علی ذالک الجزع لاقررت بہا عینیک فانزل اللہ تعالیٰ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء۔

(صحیح مسلم جلد ۱ ص۳۱)

پیغمبرؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا آپ لا الہ الا اللہ کہیں میں قیامت کے دن آپ کے ایمان کا گواہ بن جاؤں۔ ابوطالب نے کہا اگر قریش کے یہ کہنے کا ڈر نہ ہوتا کہ ابوطالب نے موت کی کشاکش میں کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا تو میں ضرور کلمہ توحید زبان پر جاری کرکے تمھاری آنکھیں خنک کرتا۔ اس پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی انک لا تہدی الخ اے پیغمبرؐ آپ جسے چاہیں اس کی ہدایت نہیں کر سکتے خدا جسے چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔

دوسری جگہ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں :-

قال رسول اللہ لعمہ عند الموت: قل لا الہ الا اللہ، اشہد لک بہا یوم القیامۃ فابی قال: فانزل اللہ تعالیٰ انک لا تہدی من احببت الخ

پیغمبرؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے اُن کے وقت مرگ، فرمایا آپ لا الہ الا اللہ کہیں تاکہ میں بروز قیامت آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں تو ابوطالب نے انکار کیا اس پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی انک لا تہدی الخ

جناب ابوطالب رحمہ اللہ نے بعثت پیغمبرؐ کے دسویں برس ہجرت سے تین برس پہلے مکہ میں انتقال کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعثت کے نویں برس انتقال کیا۔ بعض کا

خیال ہے کہ آٹھویں سال۔ بہر حال یہ طے شدہ ہے کہ بعثت کے جس سال میں بھی انھوں نے انتقال کیا ہو ابوہریرہ کے حجاز آنے کے دس برس پہلے یقیناً آپ کا انتقال ہوا۔ اب جائے انصاف ہے کہ جب ابوہریرہ کا وجود ہی نہ تھا ابوطالب کے مرنے کے دس برس بعد وہ مکہ میں وارد ہوئے تو ابوہریرہ کو کیسے معلوم کہ پیغمبرؐ نے ابوطالب سے کب کلمہ زبان پر جاری کرنے کو کہا اور کب انھوں نے انکار کیا۔ ابوطالب و پیغمبرؐ باہم گفتگو کر رہے تھے تو ابوہریرہ اس وقت موجود کب تھے جو انھوں نے بغیر کسی واسطے وحوالے کے اس نشست اور باہمی گفتگو کی روایت کر دی اور وہ بھی یوں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا چشم دید واقعہ تھا۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دونوں کو باتیں کرتے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔

یہ حدیث منجملہ انھیں احادیث کے ہے جو دشمنان آل ابوطالب کی خوشامد میں جعلیوں نے اختراع کیں اور اموی سلطنت نے خزانے لٹا دیے اس حدیث کے پروپاگنڈے میں۔ ہمارے علمائے اعلام نے بحث ایمان ابوطالب پر بڑی گراں قدر کتابیں لکھ ڈالی ہیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا ہے جو حضرات اصل حقیقت سے واقف ہونا چاہیں وہ ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں [1]

(۲۲) دعوت عشیرہ

بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے ابوہریرہ بیان کرتے ہیں:۔

جب خداوند عالم نے پیغمبرؐ پر آیہ انذار	قال قام رسول اللہ حین انزل اللہ

---

[1] دفتر اصلاح کھجوا (بہار) نے حال میں حضرت امیرالمومنینؑ کی عظیم الشان سوانح عمری شائع کی ہے۔ یہ سوانح عمری کئی جلدوں میں ہے اور ہر جلد تحقیقات کا گنج گراں مایہ ہے اس کی چوتھی جلد میں ایمان جناب ابوطالب پر سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے۔

فقال: یامعاشر قریش لا اغنی عنکم من اللہ شیئا یا بنی عبد مناف لا اغنی عنکم من اللہ شیئا یا عباس لا اغنی عنك من اللہ شیئا یا صفیہ لا اغنی عنك من اللہ شیئا یا فاطمہ بنت محمد سلینی من مالی ما شئت لا اغنی عنك من اللہ شیئا۔

… پیغمبرؐ کے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈرائیے) نازل کی تو رسالت مآب کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ اے قبیلہ قریش میں تمھیں خدا سے بچا نہیں سکتا۔ اے بنی عبد مناف میں تمھیں بھی خدا سے بچا نہیں سکتا اے چچا عباس میں آپ کو بھی خدا سے بچا نہیں سکتا۔ اے پھوپھی صفیہ میں آپ کو بھی خدا سے بچا نہیں سکتا۔ اے میری پارۂ جگر فاطمہ! تم میرے مال و اسباب سے جو چاہو مانگ لو مگر میں تمھیں خدا سے بچا نہیں سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت بعثت کے ابتدائی دنوں میں مکہ میں اسلام کے پھیلنے کے قبل نازل ہوئی تھی جبکہ ابوہریرہ یمن میں تھے وہ اس آیت کے نازل ہونے کے تقریباً ۲۰ برس بعد اسلام لائے اور حجاز میں پہنچے۔ ابوہریرہ نے ہوا کے رخ پر چلتے ہوئے اور اموی سیاست کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کہ علی و اہلبیت پیغمبرؐ کی عداوت و مخالفت اموی سیاست کا مقصد اولین تھا، اس حدیث کی خوب مٹی پلید کی ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب آیہ وانذر نازل ہوا تو پیغمبرؐ نے اپنے اعزا و اقارب کو جمع کیا ان میں پیغمبرؐ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے۔ پیغمبرؐ نے انھیں خدا کی طرف دعوت دی اس روز آپ نے اُن کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی اس میں یہ بھی کہا تھا:۔

فایکم یوازرنی علی امری ھذا علی ان یکون اخی ووزیری ووصیی ووارثی وخلیفتی فقال

تم میں کون ایسا ہے جو میرے کار نبوت میں میرا بوجھ بٹائے اور میرا بھائی، میرا وزیر، میرا وارث، میرا خلیفہ ہو۔ حضرت علی جو مجمع میں

علی و ھواذذاك اصغرھم! انا یا نبی الله اکون وزیرك علیه فاخذ رسول الله[1] حینئذ برقبته فقال ان ھذا اخی ووزیری ووصیی ووارثی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوه[1]

سب سے کم سن تھے، انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کا بوجھ بٹانے کے لیے تیار ہوں اس پر پیغمبرؐ نے اُن کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ یہ میرا بھائی ہے میرا وزیر ہے میرا وصی ہے میرا وارث ہے اور تم میں میرا جانشین ہے تم اس کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

ملاحظہ فرمائیے بات کیا تھی اور پیغمبرؐ کی تقریر کا اہم جز کیا تھا اور ابوہریرہ نے کتر بیونت کر کے کیا بیان کر دیا حالانکہ ان کا وجود بھی اس وقت وہاں نہ تھا اس واقعہ کے ۲۰ برس بعد وہ مسلمان ہوئے اور یمن سے حجاز میں آئے۔

(۲۳) مسجد میں پیغمبرؐ کے سامنے حبشیوں کا ناچ

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے :-

قال بینما الحبشة یلعبون فی المسجد عند النبی بحرابهم دخل عمر فاهوی الی حصی فحصبهم بها فقال النبی دعهم یا عمر[2]

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ اس اثنا میں کہ حبشی مسجد میں پیغمبرؐ کے پاس اپنے اسلحہ سے کھیل کود رہے تھے حضرت عمرؓ آپہنچے انھوں نے جو حبشیوں کو اُچک پھاند کرتے دیکھا تو جھک کر ڈھیلے اٹھائے اور ان حبشیوں کو مارنا شروع کیا، پیغمبرؐ نے کہا، عمر، جانے بھی دو۔

میں عرض کرتا ہوں کہ پیغمبرؐ کو لہو و لعب سے کیا نسبت اور عبث افعال سے

---

[1] یہ بہت مشہور حدیث ہے حدیث و تفسیر و تاریخ کی ہر کتاب میں موجود ہے [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۲۰ کتاب الجہاد والسیر باب اللہو بالحراب ۱۲

کیا عقل کا پیغمبر حلال و حرام الٰہی کی جو مکمل معرفت رکھتے تھے وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی۔
کسی سمجھ میں کب یہ بات آسکتی ہے کہ پیغمبرؐ جاہلوں کو اپنے سامنے کھیل تماشے کی
اجازت دیں اور وہ بھی خانۂ خدا کے اندر، پیغمبرؐ کے اوقات فالتو اوقات نہ تھے،
آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دینی یا دنیوی مہمات کی انجام دہی میں بسر ہوتا تھا فضول
وقت گذارنے کی نوبت کب آئی - پھر خداوند عالم کو کب گوارا ہو سکتی تھی یہ بات کہ
مسجد میں بجائے عبادت، عبث افعال بجالائے جائیں فضولیات و مہملات سے مسجد
بھری رہے - کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا (بہت بڑی
بات ہے جو ان کے لب و دہن سے نکل رہی ہے یہ تو جھوٹ ہی بکتے ہیں)

(۲۴) عمل کا وقت آنے سے پہلے حکم کا منسوخ ہو جانا

بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:-

قال بعثنا رسول اللہ فی بعث فقال ان وجدتم فلانا وفلانا فاحرقوھما بالنار (قال) ثم قال رسول اللہ لنا حین اردنا الخروج انی امرتکم ان تحرقوا فلانا وان النار لا یعذب بھا الا اللہ تعالی فان وجدتموھما فاقتلوھما - (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۱۴)

ابو ہریرہ ناقل ہیں کہ پیغمبرؐ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم فلاں اور فلاں کو پانا تو ان دونوں کو آگ میں جلا ڈالنا، پھر جب ہم روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ فلاں اور فلاں کو آگ میں جلا ڈالنا لیکن آگ کے ذریعہ خدا ہی جلا سکتا ہے لہذا تم اگر ان دونوں کو پاؤ تو جلانا نہیں بلکہ دونوں کو قتل کر ڈالنا۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث قطعاً باطل ہے کیونکہ کسی کام کا حکم دینا اور اس
کام کے کرنے کا وقت آنے سے پہلے اس کام سے منع کر دینا نہ خدا کے لیے جائز ہے

... ہے۔ لہذا پیمبر نے جبکہ
ارشاد فرمایا فلاں فلاں کو جلا دینا تو آپ نے اپنے جی سے نہیں کہا بلکہ وحی خدا کی ترجمانی کی وما ینطق عن الھوی الا وحی یوحی پیمبر اپنے جی سے کوئی کلام کرتے ہی نہ تھے لہذا آپ نے جلانے کا جو حکم دیا تو گویا خدا نے حکم دیا اور جب خدا نے حکم دیا تو کیونکر ممکن ہے کہ عمل کا وقت آنے سے پہلے ہی حکم منسوخ کرے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خداوند عالم معاذ اللہ جاہل تھا ایک کام بے سوچے سمجھے کرنے کو کہہ دیا اور بعد میں جب کچھ خیال ہوا تو منع کر دیا۔

(۲۵) ایک کام کا اتنے مختصر وقت میں انجام دینا جتنے وقت میں اس کام کے کرنے کی گنجائش نہ ہو

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال خفف علی داود القران فکان یامر بدابته فتسرج فیقرا القران قبل ان تسرج۔ (صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۶۴ و پارہ ۳ صفحہ ۱۰۱)

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ جناب داؤد کے لیے قرآن بہت سہل کر دیا گیا تھا، چنانچہ آپ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیتے اور قبل اس کے کہ زین کسی جائے آپ پورا قرآن پڑھ ڈالتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث دو وجہوں سے محال و ناممکنات سے ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ قرآن حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ پر نازل ہوا آپ سے پہلے تھا ہی نہیں داؤد پڑھتے کیونکر۔ بعض لوگوں نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن سے مراد زبور و توریت ہے، ابوہریرہ نے زبور و توریت کو قرآن کی لفظ سے اس وجہ سے ذکر کیا کہ جس طرح قرآن علی سبیل الاعجاز نازل ہوا اسی طرح توریت و زبور بھی۔ لہذا قرآن سے مراد پڑھنے کی چیز ہے نہ کہ خاص کر یہ قرآن جو ہمارے پیغمبرؐ پر نازل ہوا[1]

مگر یہ جواب غلط ہے کیونکہ ابوہریرہ کے فقرہ کی زبردستی کی تاویل ہے ابوہریرہ نے توریت وزبور مراد لی ہی نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ زین کسنے کی مدت ہرگز اتنی گنجائش نہیں رکھتی کہ اس میں پورا قرآن کوئی پڑھ جائے چاہے قرآن سے وہ قرآن مراد لیجیے جو ہمارے پیغمبر پر نازل ہوا یا توریت وزبور مراد لیجیے اور یہ طے شدہ ہے کہ اتنے کم وقت میں جس میں کسی کام کرنے کی گنجائش ہی نہ ہو اس کام کو انجام دینا قطعاً ناممکن ہے اس میں تو معمولی عقل والے کو بھی تامل نہ ہوگا۔

اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اس حدیث کی شرح میں جو عبارت آرائی کی ہے اس کی رکاکت خود ظاہر ہو جاتی ہے۔ ارشاد الساری میں وہ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث ثبوت ہے اس کا کہ خداوند عالم اپنے جس بندے کے لیے چاہتا ہے زمانے کو بھی اسی طرح سمیٹ دیتا ہے جس طرح مکان کو اس نے اکثر سمیٹا ہے"۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ نووی (شارح مسلم) کہتے تھے کہ بعض خدا کے خاص بندے رات بھر میں چار قرآن ختم کرتے تھے اور دن کو چار۔ اور میں نے ابوطاہر کو ۸۶۷ھ میں دیکھا اور ان کے متعلق سنا کہ وہ رات دن میں دس قرآن ختم کیا کرتے تھے بلکہ مجھ سے شیخ الاسلام برہان ابن ابی شریف نے بیان کیا کہ وہ ۱۵ قرآن رات دن میں ختم کیا کرتے تھے۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں یہ توفیق ربانی ہے وہ جسے چاہے سرفراز کرے"۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قطعاً ممکن ہی نہیں۔ ہاں اگر اتنی بڑی دنیا کو ایک انڈے میں اس طرح سمو دینا ممکن ہو جائے کہ دنیا کی وسعت بھی باقی رہے اور انڈے کی تنگی بھی نہ وہ گھٹے نہ یہ بڑھے تو شاید علامہ قسطلانی کا خواب شرمندۂ تعبیر بھی ہو جائے۔

ارباب عقل جانتے ہیں کہ زمانے کا سمٹنا اور جگہ کا سمٹنا دونوں کی کوئی حقیقت نہیں نہ کبھی زمانہ سمٹا نہ مکان سمٹا اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ زمانہ بھی سمٹ سکتا ہے اور مکان بھی سمٹ سکتا ہے تو اس جگہ یہ کہنا کیونکر ممکن ہے کہ زمانہ ہی سمٹا، زمانے کے سمٹنے سے شکلیں اور بڑھ جائیں گی، بڑی پیچیدگی پیدا ہو جائے گی۔ ہاں اگر یہ کہیے کہ کلام سمٹ گیا، قرآن ہی اتنا سکڑ سمٹ گیا کہ رات بھر میں دس قرآن ختم ہو گئے تو آپ کے مقصد کے شاید زیادہ موافق ہو اگرچہ یہ بھی قطعاً باطل ہے کلام کا سمٹنا بھی ممکن نہیں۔

یہ کہنا بھی حماقت ہوگا کہ جناب داؤد کا یہ فعل آپ کا معجزہ تھا اس لیے کہ انبیا کے معجزات خارق عادت ہوا کرتے ہیں مگر یہ تو خارق عقل ہے عقل کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔

(۲۶) ایک کنیز جو چوہا بن گئی

بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے :-

قال فقدت امة من بني اسرائيل لا يدري ما فعلت واني لا اراها الا الفار اذا وضع لها البان الابل لم تشرب واذا وضع لها البان الشاء شربت۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۲۹ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵۳۶)

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی ایک کنیز کھو گئی پتہ نہیں وہ کیا ہو گئی، میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ وہ چوہا بن گئی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ چوہے کو اونٹ کا دودھ دیا جائے تو نہیں پیتا اور بکری کا دودھ دیا جائے تو فوراً پی جائے۔

اس بیہودگی و یاوہ گوئی کی کوئی انتہا ہے؟ کوئی پاگل بھی اس نکتے پر توجہ دے سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بخاری و مسلم ابوہریرہ جیسے فاسد العقل بکواسی انسان پر پردہ ڈالتے اور ان کی مجذوبانہ بڑ پر بھی اپنا سر دھنتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے ابوہریرہ کے دعوے کو اور اس کی دلیل کو دعویٰ کرتے ہیں کہ کنیز گم ہو گئی اور میرا خیال ہے کہ

...میں پہنا بکری کا پہنا ہے۔ اے سبحان اللہ

اگر یہ ابوہریرہ اسلام کے دامن کو داغدار کردینے والے نہ ہوتے تو ہم اُن کی باتوں کو خاطر میں بھی نہ لاتے لیکن مقدس و پاکیزہ شریعت اسلام پر جو بھی لب کشائی و تہمت تراشی کرے مسلمان کا فریضہ ہے کہ اپنی پوری طاقت سے اس کی مدافعت کرے ------

انھیں بیہودگیوں اور یاوہ گوئیوں سے اسلام پر سب سے زیادہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔

(۲۷) ابوہریرہ کو لوگوں نے جھٹلایا تو انھوں نے عذر پیش کیا کہ ہم نے فضل سے سُنا تھا

امام مسلم نے عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے واسطہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں :۔

سمعت ابا هريرة يقص في قصصه من ادركه الفجر جنبا فلا يصم : فذكرت ذالك لعبد الرحمان بن الحرث لابيه فانكر ذالك فانطلق عبد الرحمان فانطلقت معه حتى دخلنا على عائشة وام سلمة فسا لهما

میں نے ابوہریرہ کو کہتے سُنا وہ اپنے افسانوں[1] کے سلسلہ میں یہ بھی کہتے تھے کہ جو شخص حالت جنب میں صبح کرے تو پھر وہ روزہ نہ رکھے۔ میں نے اپنے باپ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے سختی سے تردید کی، ہم دونوں اُٹھے اور جناب عائشہ اور ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے پوچھا دونوں نے کہا پیغمبر خود حالت[2] جنابت میں صبح کرتے تھے

---

[1] اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالملک جنھوں نے ابوہریرہ کی یہ حدیث روایت کی ہے ابوہریرہ کو کتنا سبک سمجھتے ہیں جبھی تو انھیں فسانہ گو بنایا اور فسانہ گو اسی کو کہتے ہیں جو لوگوں کو قصے کہانیاں پڑھ کر سنائے اور اُن سے پیسے وصول کرے۔ اکثر فسانہ گو یاوہ گو ہوتے ہیں [2] ہمارے پیغمبر اجل و ارفع ہیں ان اجنبیات باتوں سے پیغمبر حالت جنب میں صبح کریں اور پھر روزہ کے دنوں میں آ...

عبد الرحمان عن ذالك قال!
فكلتاهما قالت كان النبي يصبح
جنبا من غير حلم ثم يصوم قال
فانطلقنا حتى دخلنا على مروان
وهو والى المدينة من قبل معاويه
فذكر ذالك له عبد الرحمان فقال
مروان عزمت عليك الا ماذهبت
الى ابي هريرة فرددت عليه
ما يقول قال فجئنا ابا هريرة
فذكر عبد الرحمان له ذالك!
فقال ابو هريرة اهما قالتا لك؟
قال نعم قال هما اعلم۔ ثم
رد ابو هريرة ما كان يقول في
ذالك الى الفضل بن عباس فقال
سمعت ذالك من الفضل ولم اسمعه
من النبي قال فرجع ابو هريره
عما كان يقول [1]

پھر روزہ بھی رکھتے تھے۔ ہم لوگ وہاں سے
اٹھ کر مروان کے پاس آئے جو ان دنوں معاویہ
کی طرف سے حاکم مدینہ تھا اس سے اس واقعہ کا
ذکر کیا کہ ابو ہریرہ یہ کہتے ہیں اور عائشہ اور ام سلمہ
یہ فرماتی ہیں مروان نے کہا میں تمھیں حکم دیتا ہوں
کہ تم ابھی ابو ہریرہ کے پاس جاؤ اور اُن کے
قول کی تردید کرو چنانچہ ہم لوگ ابو ہریرہ کے
پاس آئے اور ماجرا بیان کیا ابو ہریرہ نے پوچھا
کیا جناب ام سلمہ و عائشہ نے واقعاً تم لوگوں سے
یہ بات کہی؟ ہم نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا تو وہ
دونوں یقیناً زیادہ علم والی ہیں پھر ابو ہریرہ نے
اپنی بات کو فضل بن عباس کے سر منڈھ دیا۔
انھوں نے کہا کہ میں نے یہ فضل سے سنا تھا
پیغمبر سے نہیں۔ پھر ابو ہریرہ اپنے قول سے
پلٹ گئے اور وہ بھی یہی کہنے لگے کہ بحالت جنب
صبح کرنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

---

[1] مروان نے درحقیقت ابو ہریرہ ہی کی خیر خواہی کی ان دونوں آدمیوں کو ابو ہریرہ کے پاس
بھیج دیا تاکہ ابو ہریرہ کو اپنی غلطی معلوم ہو جائے اور قبل اس کے کہ یہ خبر پھیلے لوگوں کو اُن کے
غلط فتویٰ اور پیغمبر پر اتہام باندھنے کا علم ہو یہ اپنے فتوے سے باز آ جائیں اور ذلت و رسوائی سے
بچ جائیں۔ [2] صحیح مسلم جلد اول ص۲۱۴ کتاب الصوم

... ہیں کہ فضل بن عباس ابوبکر کے زمانہ ہی[1]
میں وفات پا چکے تھے اور یہ قصہ معاویہ کے شاہی[2] زمانہ کا ہے اسی وجہ سے ابوہریرہ
نے موقع کو غنیمت سمجھا اور غریب فضل کے سر سارا الزام تھوپ دیا اگر فضل زندہ ہوتے تو
ابوہریرہ کی مجال نہ ہوتی ۔

(۲۸) دو متناقض حدیثیں

بخاری نے بطریق ابوسلمہ ابوہریرہ سے روایت کی وہ ناقل ہیں کہ پیغمبر نے فرمایا[3]

لا عدوی ولا صفر[4] ولا ھامہ[5]
قال فقال اعرابی یا رسول اللہ
فما بال الابل تکون فی الرمل
کانہا الظباء فیخالطہا البعیر

چھوت چھات نہیں نہ ماہ صفر کی منحوسیت کی
کوئی حقیقت ہے، نہ اُلّو غریب کا کوئی قصور
ہے ۔ اس پر ایک اعرابی نے سوال کیا حضور
اگر چھوت کی کوئی حقیقت نہیں تو کیا وجہ ہے کہ

---

[1] یہی صحیح بھی ہے بعض کہتے ہیں کہ عہد خلافتِ عمر میں مرے بہرحال دونوں صورتوں میں فضل اس واقعہ کے قبل یقیناً وفات پا چکے تھے اس پر تمام اہل سیر و تواریخ کا اتفاق و اجماع ہے ۔ دیکھیے استیعاب اصابہ، طبقات، اسد الغابہ وغیرہ حالات فضل بن عباس

[2] جبکہ منجانب معاویہ مروان حاکم مدینہ تھا جیسا کہ خود حدیث کی صریحی لفظیں ہیں ۔

[3] صحیح بخاری پارہ ۲۴ صفحہ ۱۵ آخر کتاب الطب صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ [4] بعض لوگ وہم کرتے ہیں کہ ماہ صفر یا ماہ صفر کا آخری چہارشنبہ آفتوں کا دن ہے غالباً اسی وہم کو دُور کیا گیا ہے [5] ھَامَہْ ایک پرندہ ہے ۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مرنے والے کی روح بعض کہتے ہیں کہ اس کی ہڈیاں ہامہ پرندہ بن جایا کرتی ہیں ۔ اسلام نے اس واہیات عقیدے کو زائل کیا ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے اس حدیث میں ہامہ سے مراد اُلّو ہے جسے لوگ منحوس سمجھتے ہیں اسی وہم کو دُور کیا گیا ہے ۔

الاجوب يجربها فقال رسول الله فمن اعدى الاول ؟	ایک اونٹ بھلا چنگا ہوتا ہے پھر اس کے پاس ایک خارش زدہ اونٹ آجاتا ہے اس کی وجہ سے وہ اچھا اونٹ بھی خارش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا تو پھر اس خارش زدہ کو خارش کہاں سے ملی۔

امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فوراً ہی انھیں ابوسلمہ کے واسطے سے دوسری حدیث روایت کی ہے یہ حدیث بھی انھوں نے ابوہریرہ ہی سے سُنی۔ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں:۔

قال النبیؐ لا یردن ممرض علی مصح فقال ابوسلمہ یا اباھریرہ الم تحدث انہ لاعدوی قال فانکر حدیثہ الاول ورطن بالحبشیۃ ۔	پیغمبرؐ نے فرمایا بیمار کو تندرست کے پاس نہ لایا جائے (کیونکہ اس سے تندرست بھی بیمار پڑ جائے گا) ابوسلمہ نے کہا اے ابوہریرہ تم پہلے یہ حدیث نہیں بیان کر چکے ہو کہ چھوت چھات کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس اعتراض پر ابوہریرہ بوکھلا گئے، پہلی حدیث کا صاف انکار کر گئے اور لگے ہکلا کر باتیں کرنے ۔

میں اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ دروغ گو را حافظہ نباشد ۔

(۲۹) دو شیر خوار جو غیب کی خبریں بتاتے تھے

بخاری[1] و مسلم نے ابوہریرہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں ابوہریرہ نے یہ بھی بیان کیا ہے:۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۶۱ کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم و ج ۱ ص ۱۴۳ و ج ۲ ص ۱۸۴ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۷ کتاب البر والصلۃ والآداب

يقال له جريج كان يصلي فجاءته
امه فدعته فقال اجيبها
او اصلي؟ فقال امه اللهم
لا تمته حتى تريه وجوه المومسات
(قال وكان جريج في صومعته)
فتعرضت له امراة فابى فاتت
راعيا فامكنته من نفسها
فولدت غلاما فقالت من
جريج فاتوه فكسروا صومعته
وانزلوه وسبوه فتوضا وصلى
ثم اتى الغلام فقال من
ابوك يا غلام فقال الغلام
ان ابى هو الراعي! قالوا
نبني صومعتك من ذهب
قال لا الا من طين (قال
ابو هريرة) وكانت امراة
ترضع ابنا لها من بني اسرائيل
فمر بها رجل راكب ذوشارة
فقالت اللهم اجعل ابني

پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں پکارتی ہوئی آئی جریج
نے دل میں کہا کہ میں ماں کے پکارنے پر جاؤں
یا نماز پڑھوں۔ اس کی ماں نے بددعا کی کہ خداوندا
اس کو تو اُس وقت تک دنیا سے نہ اُٹھا جب تک تو
اسے بازاری عورتوں کا سامنا نہ کرادے۔ ابو ہریرہ کہتے
ہیں کہ جریج اپنے صومعہ (عبادت خانہ) میں تھا
کہ ایک عورت اس کے پاس بُری نیت سے آئی مگر
جریج نے اسے ٹھکرادیا وہاں سے وہ ایک چرواہے
کے پاس گئی اور اُس سے مُنہ کالا کرایا اس سے
ایک بچہ پیدا ہوا، لوگوں سے اس عورت نے
یہ کہا کہ یہ بچہ جریج کے نطفہ سے ہے۔ اس پر
لوگ جریج پر ٹوٹ پڑے اس کا صومعہ ڈھا دیا
اسے نکال باہر کیا خوب گالیاں دیں۔ جریج نے
وضو کیا[1]، نماز پڑھی پھر اس بچے کے پاس آیا
اور کہا لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس لڑکے نے
کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ جن لوگوں نے
جریج کا صومعہ ڈھا دیا تھا وہ بہت نادم ہوئے
اور انھوں نے کہا کہ ہم تمھارا صومعہ سونے سے
بنا دیں گے۔ جریج نے کہا، نہیں، بنے گا تو مٹی ہی کا

---

[1] ابو ہریرہ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اسلام سے پہلے وضو تھا ہی نہیں۔

مثله فترك ثديها
واقبل على الراكب فقال:
اللهم لا تجعلنی مثله ثم
اقبل على ثديها يمص قال
(ابوهريرة) كانی انظر الی
النبیؐ يمص اصبعه! ثم
مرت ام الغلام بامة
فقالت اللهم لا تجعل
ابنی مثل هذه فترك
الغلام ثدی امه فقال
اللهم اجعلنی مثلها!
فقالت له امه لم ذاك؟
فقال لها الراكب جبار
من الجبابرة وهذه
الامة يقول لها الناس
سرقت و زنيت ولم تفعل۔

بنے گا۔ پھر ابوہریرہ نے بیان کیا کہ ایک عورت
اپنے بچے کو جو بنی اسرائیل سے تھا دودھ پلا رہی تھی
کہ ایک شان و شوکت والا شخص گھوڑے پر سوار ادھر سے
گذرا، اس عورت نے کہا خداوندا میرے اس
بچے کو بھی اسی جیسا بنانا، اس پر بچے نے ماں کا
پستان چھوڑ دیا اور اس سوار کی طرف مُنہ کر کے کہا
خداوندا تو مجھے اس شخص جیسا نہ بنانا پھر پستان
ماں کا مُنہ میں لے کر دودھ پینے لگا۔ ابوہریرہ کہتے
ہیں کہ جیسے یہ منظر اب تک میری آنکھوں کے سامنے
ہے کہ پیغمبر اپنی اُنگلیاں چوس رہے ہیں۔ پھر اس
بچے کی ماں کا گذر ایک کنیز کے پاس سے ہوا اس نے
کہا خداوندا میرے اس بچے کو اس کنیز جیسا نہ بنانا
بچے نے پھر ماں کے سینے سے مُنہ ہٹا لیا اور کہا خداوندا
مجھے تو اس کنیز ہی جیسا بنانا۔ اس پر ماں نے پوچھا
یہ کیوں؟ اس بچے نے جواب دیا اس لیے کہ وہ
گھوڑے کا سوار جابروں میں سے ایک جابر انسان ہے
اور یہ کنیز اس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ اس نے
چوری کی، زنا کیا، حالانکہ غریب بالکل بے قصور
ہے اس نے نہ چوری کی نہ زنا کیا۔

میں کہتا ہوں کہ جریج نبی نہ تھا۔ اسی طرح یہ دونوں بچے بھی آئندہ چل کر
نبی نہ ہوئے لہذا ان کے ذریعہ خارق عادت افعال کا ظہور ناممکن ہے کیونکہ

... ہیں وہ بھی اس وقت جب
انبیا کو اپنی نبوت کا ثبوت پیش کرنا ہوتا ہے اور دوسروں کو عاجز و بےبس ثابت کرنا ہوتا ہے جیسا کہ طے شدہ ہے۔ ان دونوں شیر خواروں کا بولنا اور ان کا غیب کی خبریں بتانا فطرتِ انسانی کے بالکل خلاف ہے وہ فطرتِ انسانی جس پر خداوند عالم نے تمام لوگوں کو پیدا کیا فطرة الله التی فطر الناس علیها لا یتدیل لخلق الله۔

(۳۰) پیغمبر کا زکاۃ فطرہ کی حفاظت پر انھیں معیّن کرنا اور شیطان کا متواتر تین راتیں اُن کے پاس آنا زکوۃ کی رقم چرانے کیلئے

امام بخاری نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

وکلنی رسول اللہ ص بحفظ زکاة رمضان فاتانی آت فجعل یحثو من الطعام فاخذته وقلت واللہ لارفعنك الی رسول اللہ قال انی محتاج وعلی عیال ولی حاجة شدیدة قال فخلیت عنه فاصبحت فقال النبی ص یا ابا هریرة ما فعل اسیرك البارحة؟ فقلت یا رسول اللہ شکا حاجة شدیدة وعیالا فرحمته

پیغمبر نے مجھے زکوۃ رمضان کی حفاظت پر مقرر کیا۔ رات کے وقت ایک آنے والا آیا اور غلّہ سمیٹنے لگا۔ میں نے اسے پکڑا اور قسم خدا کی کھائی کہ میں تجھے پیغمبر کے پاس ضرور پکڑ کرلے چلوں گا اس شخص نے کہا میں بے حد نادار ہوں، میرے عیال بھی ہیں اور مجھے شدید احتیاج لاحق تھی اس پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح کو پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا، پیغمبرؐ نے پوچھا ابوہریرہ رات کا تمھارا قیدی کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے اپنی شدید ناداری اور عیال کی تکلیف ظاہر کی مجھے ترس آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا اس نے تمھیں دھوکا دیا

فخليت سبيله قال اما انه قد
كذبك وسيعود قال فرصدته
فجاء يحثو من الطعام فاخذته
فقلت لارفعنك الى رسول الله
قال دعني فاني محتاج وعلي
عيال لا اعود فرحمته فخليت
سبيله فاصبحت، فقال لي رسول الله
يا ابوهريره ما فعل اسيرك البارحة
قلت يا رسول الله شكا حاجة شديدة
وعيالا فرحمته فخليت سبيله قال
اما انه قد كذبك وسيعود قال
فرصدته الثالثة فجاء يحثو من
الطعام فاخذته فقلت
لارفعنك الى رسول الله
قال دعني اعلمك كلمات
ينفعك الله بها اذا اويت
الى فراشك فاقرا اية الكرسي
فانك لن يزال عليك
من الله حافظ ولا يقربنك
شيطان حتى تصبح
فخليت سبيله فلما

وہ جلد ہی پھر تمھارے پاس آئے گا ابو ہریرہ
کہتے ہیں کہ میں تاک میں رہا چنانچہ واقعًا وہ آیا
اور پھر غلّہ اٹھانے لگا میں نے پھر پکڑا اور کہا میں
تجھے پیغمبرؐ کے پاس لے کر چلوں گا۔ اس نے کہا
مجھے معاف کردو میں بڑا ضرورتمند ہوں، میرے
عیال بھی ہیں اب میں پھر نہ آؤں گا۔ میں نے اس پر
پھر رحم کھایا اور اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی پیغمبرؐ نے
مجھ سے پوچھا ابو ہریرہ گذشتہ رات تمھارے
قیدی نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا حضور اس نے
پھر شدید ناداری اور عیال کی تکلیف کا اظہار کیا
اور مجھے ترس آگیا میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پیغمبرؐ نے
فرمایا اس نے پھر تمھیں دھوکا دیا وہ اب بھی
تمھارے پاس آئے گا چنانچہ میں پھر تاک میں لگا رہا
اور وہ تیسری مرتبہ آکر پھر غلّہ اٹھانے لگا۔ میں نے
اسے پکڑا اور کہا تجھے رسول کے پاس لے چلوں گا
اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تمھیں ایسے کلمات تعلیم
کردیتا ہوں جس سے خداوند عالم تمھیں بے شمار
فائدہ بخشے گا۔ جب تم بستر خواب پر جانے لگو تو
آیۃ الکرسی پڑھ لو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خداوند عالم
کی جانب سے ہمیشہ تمھارا ایک نگہبان رہے گا
اور شیطان تمھارے پاس صبح تک نہ بھٹکے گا۔ میں نے

ما فعل اسیرک البارحة فحکیت له القصة فقال اتعلم من تخاطب منذ ثلث لیال یا اباهریرة قلت لا قال م ذالك شیطان [1]

[illegible] پیغمبر نے پوچھا کل شب تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے پورا قصہ سنایا۔ پیغمبرؐ نے پوچھا جانتے ہو تم نے تین راتیں کس سے باتیں کیں؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔ پیغمبر نے فرمایا وہ شیطان تھا۔

میں کہتا ہوں یہ ایسی مہمل و بیہودہ بکواس ہے جس پر کوئی سڑی اور دیوانہ ہی کان دھرے گا۔ ابوہریرہ نے اس حدیث کو بیان کرنے میں وہ زبردست قلابازی کھائی ہے کہ گہری خندق میں جاگرے کیونکہ انھوں نے بیان کیا مجھے چور پر ترس آ گیا اور ترس جبھی آیا ہوگا جب چور کو انھوں نے سچا سمجھا ہوگا اور جب چور کو سچا سمجھا ہوگا تو یقیناً پیغمبرؐ کو جھوٹا جانا ہوگا کیونکہ ایک مرتبہ نہیں تین مرتبہ پیغمبر نے کہا "اس نے جھوٹ کہا، اس نے تمھیں دھوکا دیا" مگر ابوہریرہ نے ہر مرتبہ ترس کھا کر اُسے چھوڑ دیا اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ چور نے جب اپنی ناداری اور عیال کی تکلیف بیان کی تو انھوں نے اسے سچا سمجھا اس پر تینوں مرتبہ ترس کھا گئے اور پیغمبرؐ کو جھوٹا جانا کہ ہر مرتبہ چھوڑ دیا۔ ابوہریرہ نے اس حدیث میں دوسری ٹھوکر یہ کھائی ہے کہ انھوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں تجھے رسول کے پاس لے جا کر رہوں گا مگر قسم توڑ دی اور پیغمبر کے پاس لے کر نہیں گئے بلکہ اسے چھوڑ دیا اور پہلی مرتبہ دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ ترس کھا کھا گئے ــــ کیا قسم توڑنا اور وہ بھی خدا کی قسم ابوہریرہ کے رائے میں جائز و مباح تھا۔ تیسری زبردست

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹ ۱۲ [2] جیسا کہ خود ابوہریرہ کی لفظیں اسی حدیث میں ہیں وکلنی رسول اللہ بحفظ زکاۃ الرمضان پیغمبر نے مجھے زکوٰۃ رمضان کی حفاظت سپرد کی۔ علمائے [illegible] ۱۲

یعنی یہ کھائی کہ ابوہریرہ تقسیم کے محافظ نہیں مقرر ہوئے تھے بلکہ بنا بر ان کے دعوے کے زکاۃ کی حفاظت انھیں سپرد کی گئی تھی اور وہ بھی زکاۃ فطرہ لہٰذا ابوہریرہ نے چور کو اس میں چرانے کیسے دیا؟ اگر کوئی شخص کسی چیز کا محافظ قرار دیا جائے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اس کی حفاظت میں ایک مرتبہ نہیں پے در پے لاپروائی برتے کیا یہ امانت میں خیانت کا مصداق نہیں۔ ابوہریرہ اپنے شیاطین کے متعلق نادر نادر حدیثیں ہم سے بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ اُن کی سبھی باتیں نرالی ہوتی ہیں مگر شیطانوں کے متعلق تو عجیب و غریب چیزیں ہمیں سناتے ہیں کبھی یہ کہا کہ شیاطین غلّہ اپنے عیال کے واسطے چُراتے ہیں۔ کبھی یہ بیان کیا کہ شیاطین جب اذان سنتے ہیں تو ضرطہ کرتے ہیں، کبھی یہ کہا کہ وہ مسجد کے ستون سے اس طرح سے باندھ دیے جاتے ہیں کہ لوگ انھیں بندھا ہوا دیکھیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی مزخرفات و فضولیات جنھیں کوئی بھی عقل والا کبھی سچ نہ جانے۔

(۳۱) پیغمبرؐ کی دعا سے مادرِ ابوہریرہ کا مسلمان ہونا اور پیغمبرؐ کا دعا فرمانا کہ خداوندا ابوہریرہ اور ان کی ماں کی محبت مومنین کے دلوں میں پیدا کر اور مومنین کی محبت ان دونوں کے دل میں

مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے :۔

قال کنت ادعوامی الی الاسلام وھی مشرکۃ فدعوتھا یوما فاسمعتنی فی رسول اللہ ما اکرہ فاتیت رسول اللہ و انا ابکی قلت یا رسول اللہ اسمعتنی

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی ماں کو جو مشرک تھیں اسلام کی طرف دعوت دیا کرتا۔ ایک دن میں نے پھر انھیں اسلام کی دعوت دی، اس پر میری ماں نے پیغمبرؐ کو سخت و سُست الفاظ کہے جو مجھے بہت ناگوار گذرے۔ میں رسولؐ کی خدمت میں

یهدیها فقال اللهم اهد
ام ابی هریرة فخرجت مستبشرا
فلما بلغت الباب فاذا هو
مجاف فسمعت امی وطأ قدامی
فقالت مکانك یا ابا هریرة و
سمعت خضخضة الماء فاغتسلت
ولبست درعها وعجلت عن
خمارها ففتحت الباب ثم
قالت یا ابا هریرة اشهد ان
لا اله الا الله واشهد ان
محمدا عبده ورسوله
قال فرجعت الی رسول الله
وانا ابکی من الفرح فقلت
یا رسول الله ابشر قد
استجاب الله دعوتك فهدی
ام ابی هریرة فحمد الله واثنی
علیه وقال خیرا قال
قلت یا رسول الله ادع الله
ان یحببنی انا وامی الی

دوڑتا ہوا آیا اور عرض کی یا رسول اللہ میری
ماں نے آپ کے متعلق بڑی سخت وسست باتیں
مجھے سنائیں آپ خدا سے دعا کیجیے کہ خداوند عالم
میری ماں کی ہدایت کرے۔ آپ نے دعا فرمائی کہ
خداوندا ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے" میں
خوش خوش پیغمبر کے پاس سے گھر کو روانہ ہوا جب
میں دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ خلاف معمول وہ بند ہے
میری ماں نے میرے پاؤں کی چاپ سُنی تو کہا
ابوہریرہ ٹھہرے رہو۔ میں نے پانی گرنے کی آواز
سُنی، میری ماں اصل میں نہا رہی تھیں جب وہ
نہا چکیں تو لباس پہنا، اوڑھنی سر پر ڈالی پھر
دروازہ کھولا اور کہا اے ابوہریرہ اشھد ان
لا اله الا الله اشھد ان محمد عبدہ ورسولہ
ابوہریرہ کہتے ہیں میں یہ سُن کر پھر رسول اللہ کی
خدمت میں حاضر ہوا اور مارے خوشی کے میری
آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے عرض کی
یا رسول اللہ مبارک ہو خداوند عالم نے آپ کی دعا
قبول فرمائی اور میری ماں کی ہدایت فرمائی۔
آنحضرتؐ حمد و ثنائے الٰہی بجا لائے اور کلمات خیر
فرمائے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ سے

الینا قال: فقال رسول اللہ اللھم حبب عبیدک ھذا وامہ الی عبادک المومنین وحبب الیھم المومنین فما خلق مومن لیسمع بی ولا یرانی الا احبنی [1]

بندگان مومنین کے دلوں میں میری اور میری ماں کی محبت پیدا ہو اور مومنین کی محبت ہم لوگوں کے دل میں - اس پر آں حضرتؐ نے دعا فرمائی خداوندا اپنے اس بندے (ابوہریرہؓ) اور ان کی ماں کو اپنے بندگان مومنین کا محبوب بنا اور مومنین کو ان دونوں ماں بیٹوں کا محبوب قرار دے کیونکہ جو ایمان والا کبھی بغیر مجھے دیکھے میری باتیں سُنے گا وہ یقیناً مجھے محبوب رکھے گا -

اس حدیث پر ہمیں کئی اعتراضات ہیں -

پہلا تو یہ کہ اس حدیث کو سوا ابوہریرہ کے کسی بھی دوسرے نے بیان نہیں کیا لہٰذا جس طرح اور بہت سی عجوبۂ روزگار حدیثیں ابوہریرہ نے بیان کیں جن کا راوی سوا ابوہریرہ کے کوئی نہیں اسی طرح یہ حدیث بھی انھیں نوادر سے ہے -

دوسرا اعتراض یہ کہ جب مادر ابوہریرہ اتنی پکی مشرکہ تھیں کہ اسلام کا نام سننے پر چراغ پا ہو جاتیں پیغمبر کو گالیاں تک دینے میں جھجکتی نہ تھیں تو آخر یہ یمن سے ہجرت کرکے مدینہ آئی تھیں کس لالچ میں یمن جو اُن کا وطن تھا جہاں اُن کے عزیز اقارب تھے اسے کیوں چھوڑ کر ابوہریرہ کے ساتھ مدینہ آ رہیں جو مرکز تھا پیغمبر کا وہ کیوں نہیں وطن ہی میں بت پرستی میں مشغول رہیں جیسا کہ اس زمانے میں یمن کے اکثر لوگ حالت شرک میں تھے اسلام پوری طرح وہاں پھیلا نہیں تھا کیا وجہ بتائی جا سکتی ہے اُن کے مدینہ آنے کی کیوں آئیں، کس لالچ میں آئیں - مادر ابوہریرہ کے متعلق اور بھی کوئی حدیث اس

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ باب فضائل ابی ہریرہ - مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۹، طبقات ابن سعد قسم ثانی [illegible]

حدیث کے علاوہ ہے؟ ابوہریرہ کے سوا کسی دوسرے نے بھی اُن کی ماں کا کسی
حدیث میں ذکر کیا ہے۔ اگر سوا ابوہریرہ کے کسی بھی شخص نے مادر ابوہریرہ کے
متعلق کوئی بات بتائی ہو تو ہمیں بتایا جائے۔ خدا شاہد ہے کہ پیغمبر کے ہزاروں
ہزار صحابی تھے مگر کسی صحابی نے بھی کبھی مادر ابوہریرہ کا نام تک زبان پر نہیں لیا
ہاں تاریخ میں صرف ایک شخص کا نام ملتا ہے جو ابوہریرہ کی ماں کا نام زبان پر
لایا اور وہ حضرت عمر ہیں جب انھوں نے ابوہریرہ کو بحرین کی حکومت سے
معزول کیا تو انھوں نے ابوہریرہ کو گالی دے کر کہا کہ تمھاری ماں امیمہ نے تمھیں
(پائخانہ کے راستہ سے) اسی لیے جنا ہے کہ تم گدھے ہی چراتے رہو۔ لے دے کے
بس ایک حضرت عمر مادر ابوہریرہ کا نام لینے والے ملتے ہیں لیکن حضرت عمر کے
اس جملہ سے اتنا تو البتہ معلوم ہوا کہ ان کی ماں کا نام امیمہ تھا اور اس کے
علاوہ کچھ خاک نہیں معلوم ہوتا۔ رہ گئے مورخین و ارباب سیر جنھوں نے صحابہ
کے حالات لکھے ہیں انھوں نے مادر ابوہریرہ کا جو کچھ بھی حال لکھا بس فقط ابوہریرہ
کی زبانی انھیں کا بیان اور کسی دوسرے کے حوالے سے ایک لفظ بھی نہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ابوہریرہ مساکین صفہ میں سب سے زیادہ خستہ حال اور
نادار شخص تھے، راستے میں بیٹھ کر بھیک ملنے کے منتظر رہتے جیسا کہ شروع میں ہم
ان کے حالات کے سلسلہ میں ذکر کر چکے ہیں وہیں آپ کے ابوہریرہ کا یہ فقرہ بھی
ملاحظہ کر چکے ہیں رایتنی وانی لاخر فیما بین منبر رسول اللہ الی حجرۃ
عائشۃ مغشیا علیہ میں اپنے کو دیکھتا تھا کہ میں منبر رسولؐ اور حجرہ عائشہ
کے درمیان غش میں اوندھے منہ پڑا رہتا تھا آنے والے آتے اور اپنا پیر میری
گردن پر رکھ کر گذر جاتے لوگ خیال کرتے کہ میں دیوانہ ہوں حالانکہ مجھ میں کچھ بھی

تھا کہ وہ اور تمام اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے نہ کسی کے یہاں جاتے نہ کسی پر
اپنا بوجھ ڈالتے کیونکہ اُن کا کوئی گھر ہی نہ تھا جہاں وہ جاتے، وہ مسجد میں رات کو
سوتے اور دن کو اسی کے سائے میں رہتے، مسجد کا سائبان رات اور دن دونوں کا
ٹھکانہ تھا اور ابو ہریرہ تمام ساکنین صفہ میں سب سے زیادہ مشہور تھے، جب تک پیغمبرؐ
زندہ رہے صفہ ہی میں رہے وہاں سے ہٹے ہی نہیں، لہٰذا ابو ہریرہ جب اتنے نادار
تھے کہ بھیک پر گذر ہوتا، اور مسجد میں رات دن کا رہنا تو ان کے گھر کہاں سے آیا
جس کا انھوں نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا اگر
صحیح مان بھی لیا جائے تو یقیناً یہ پیغمبرؐ کا معجزہ اور آیات اسلام سے ایک آیت
اور اہل حق کی دلیلوں میں سے ایک دلیل شمار کیا جائے گا کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی
دعا کو فوری طور پر قبول فرمایا اور مادرِ ابو ہریرہ کی ہدایت کی، ان کی حقیقت و ماہیت
تبدیل کر دی کہ کہاں تو وہ کفر میں اتنی راسخ، گمراہی میں اتنی ڈوبی ہوئی اور کہاں
بہ یک چشم زدن وہ پاکیزہ خصال مومنین میں سے ہو گئیں، شرعی[1] آداب سے آراستہ
و پیراستہ اور یہ ظاہر ہے کہ معجزات و آیات نبوت سب کے سب حد تواتر تک پہنچے ہوئے
ہیں جن کی چھوٹے بڑے سبھی صحابہ نے روایت کی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے بڑے
واقعہ کو پیغمبرؐ کے اس معجزہ کو اور کسی بھی صحابی نے کیوں نہیں بیان کیا تنہا ابو ہریرہ
ہی کیوں ناقل ہیں ؟

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اگر ابو ہریرہ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ پیغمبرؐ نے ابو ہریرہ
اور ان کی ماں کے متعلق دعا فرمائی کہ خداوندا ان دونوں کو مومنین کا محبوب بنا

---

[1] آداب کا پتہ ابو ہریرہ کے بیان ہی سے ملتا ہے کہ اُن کی ماں نے غسل کیا اور دروازہ
کھولنے سے پہلے لباس پہنا، جلدی سے سر پر اوڑھنی ڈالی۔

... تو یقیناً اہل بیت نبوت جو راس و رئیس مومنین اور قائدین ملت و دین تھے ابوہریرہ کو دوست رکھتے لیکن تماشہ یہ ہے کہ تمام ائمہ اثنا عشر اور علمائے اہل بیت ابوہریرہ کو بہت سُبک سمجھا کیے ان کی حدیثوں کو درجۂ اعتبار سے ساقط جانا کیے، ابوہریرہ نے تن تنہا جن حدیثوں کو بیان کیا ہے ان میں سے کسی حدیث کو انھوں نے قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ امیرالمومنینؑ[1] نے تو یہاں تک فرمایا کہ تمام لوگوں میں سب سے بڑا دروغ گو یا پیغمبرؐ پر سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا ابوہریرہ دوسی ہے۔ اگر ابوہریرہ مومنین کو ایسے ہی محبوب ہوتے جیسا کہ اُن کا دعویٰ ہے تو حضرت عمر بحرین کی حکومت سے[2] معزول کرتے ہوئے اُن سے یہ کیوں کہتے "اے دشمنِ خدا و کتاب خدا تم نے اللہ کا مال چُرایا ہے الخ جو شخص خدا اور کتابِ خدا کا دشمن ہو وہ مومنین سے محبت رکھنے والا یا مومنین کا محبوب کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر نے ایک مرتبہ عہدِ پیغمبرؐ میں اُن کے سینے پر اتنے زور کا دوہتڑ[3] مارا تھا کہ یہ چاروں شانے چت گر پڑے تھے اور بعدِ پیغمبرؐ ایک مرتبہ دُرّہ سے زد و کوب کی تھی اتنی کہ اُن کی پیٹھ لہو لُہان ہو گئی تھی اور اُن سے دس ہزار روپیے زبردستی چھین لیے جو انھوں نے مال مسلمین سے چُرائے تھے اور چھین کر بیت المال میں واپس کر دیے اور ایک[4] مرتبہ اور انھیں مارا تھا یہ کہتے ہوئے "تم بہت کثرت سے حدیثیں روایت کرتے ہو میرا اندازہ ہے کہ تم پیغمبرؐ پر تہمت باندھتے ہو" ایک مرتبہ

---

[1] اس کے بارے میں بے شمار حدیثیں ائمہ طاہرین سے مروی ہیں ابوہریرہ کے بارے میں امیرالمومنینؑ کا یہ فقرہ امام ابوجعفر اسکافی نے بھی لکھا ہے دیکھئے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۳۶۰ [2] معزولی کا واقعہ شروع کے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے [3] صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴

غیظ و غضب کے عالم میں کہا یہ حدیثیں بیان کرنا چھوڑ و ورنہ میں تمھیں سرزمین دوس تمھارے وطن کی طرف بھیج دوں گا یا بندروں کی زمین پر[1]

یہ تو حضرت عمر کا سلوک رہا ابو ہریرہ کے ساتھ اس کے علاوہ عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ کے درمیان نیز عائشہ اور ابو ہریرہ کے درمیان بھی اسی قسم کے مزے مزے کے واقعات ہیں جن کو دیکھتے ہوئے کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ عائشہ یا ابن عباس ابو ہریرہ کو محبوب رکھتے تھے یا ابو ہریرہ ان دونوں سے محبت رکھتے تھے۔

ہاں آخر زمانہ میں ابو ہریرہ اور آل ابی العاص آل ابی معیط، آل ابی سفیان میں باہمی محبت کا پتہ ملتا ہے۔ ابو ہریرہ کی اس حدیث نے ان لوگوں کے دلوں میں ابو ہریرہ کی بڑی محبت پیدا کر دی تھی کیونکہ انھیں ابو ہریرہ کے ذریعہ دلی مراد ہاتھ آئی ابو ہریرہ سے ان کے منصوبوں میں انھیں بڑی مدد ملی اور ابو ہریرہ کے دل میں ان لوگوں کی محبت یوں پیدا ہوئی کہ ان لوگوں نے مال و زر سے انھیں مالا مال کر دیا، گمنامی سے نکال کر بام عزت پر لا کھڑا کیا، اُن کے انعام و اکرام کی بارش سے سوکھے دھان میں پانی پڑ گیا مروان بن حکم حکومت مدینہ کے زمانے میں جب کبھی مدینہ سے باہر جاتا تو انھیں اپنا قائم مقام مقرر کر جاتا تھا[2]۔ مروان ہی نے ابو ہریرہ کی شادی اُن کی ولیہ نعمت یعنی مالکن سرہ بنت غزوان سے کر دی۔ اگر ابو العاص اور ابو سفیان کی اولاد ابو ہریرہ پر شفیق نہ ہوتی تو ابو ہریرہ کو سرہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی مجال نہ تھی۔ جب ابو ہریرہ مرض موت میں مبتلا ہوئے تو یہ مروان ان کے ساتھ سلوک کرتا، روپیہ پیسہ سے

---

[1] ابن عساکر نے اس حدیث کی روایت کی ہے کنز العمال جلد ۵ ص ۲۳۹ پر بھی موجود ہے دیکھیے حدیث ۴۸۵۱ [2] جیسا کہ ابو ہریرہ کے حالات میں علامہ ابن سعد نے طبقات میں ابن قتیبہ نے معارف میں، امام احمد نے مسند میں لکھا ہے۔ ہم شروع میں "ابو ہریرہ پر بنی امیہ کے احسانات" کے تحت تفصیل سے لکھ چکے ہیں [3] دیکھیے اصابہ حالات سرہ۔

مدد کرتا اور اُن پر بڑا مہربان تھا، جب عیادت کے لیے جاتا تو اُن کو صحت کی دعائیں دیتا۔ آخری گھڑیوں میں مروان عیادت کے لیے گیا جب واپس جارہا تھا تو راستہ میں کسی نے آکر خبر دی کہ ابو ہریرہ چل بسے[1]۔ جب جنازہ اُٹھایا گیا تو مروان جنازے[2] کے آگے آگے تھا اور فرزندان عثمان جنازہ اُٹھائے ہوئے تھے، قبرستان بقیع تک لے گئے وہاں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے نماز پڑھائی اور اپنے چچا معاویہ کو خبر مرگ ابو ہریرہ لکھ بھیجی۔ امیر معاویہ نے حکم بھیجا کہ ابو ہریرہ کے ورثہ کو دس ہزار روپے دیے جائیں اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

یہ تھی محبت والفت بنی امیّہ کی ابو ہریرہ کے ساتھ اور ایسے ایسے احسانات تھے اُن کے ابو ہریرہ پر جس سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ ابو ہریرہ انھیں بنو امیہ کے ہو رہے تھے۔

کہیں مومنین سے مراد ابو ہریرہ نے انھیں بنی امیہ کو تو نہیں لیا؟ جن کی محبت ابو ہریرہ کے دل میں تھی اور ابو ہریرہ بھی جن کے محبوب تھے۔

(۳۲) ابو ہریرہ کا غلام

بخاری[3] نے بسلسلۂ اسناد ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:۔

قال: لما قدمت علی النبیؐ	ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں پیغمبرؐ کی
قلت فی الطریق ؎	خدمت میں روانہ ہوا تو میں نے راستہ میں یہ شعر پڑھا
یالیلة من طولها وعنائها	(رات جو اتنی طولانی اور مصیبتیں اپنے دامن میں لیے
علی انها من دارة الکفر نجت	ہے مگر باوجود اس کے اسی رات نے دار کفر سے مجھے نجات دلائی)

---

[1] طبقات ابن سعد حالات ابو ہریرہ [2] طبقات حالات ابو ہریرہ [3] صحیح بخاری

قال: وابق غلام لی فی الطریق فلما قدمت علی النبیؐ فبایعته فبینا انی عنده اذ طلع الغلام فقال لی النبی: یا ابا ھریرہ ھذا غلامك؟ قلت: ھو لوجه الله فاعتقته۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ راستے میں میرا ایک غلام بھاگ گیا۔ میں پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی میں آپ کی خدمت میں ابھی بیٹھا ہی تھا کہ وہ غلام آتا نظر پڑا پیغمبرؐ نے فرمایا ابوہریرہ یہ رہا تمھارا غلام! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے راہِ خدا میں اسے آزاد کیا۔

ابوہریرہ اپنی حدیثوں سے پاگل بنائے دیتے ہیں، کہاں تو ان کا یہ بیان کہ میں یتیمی کے عالم میں پلا بڑھا، فقر و فاقہ کے عالم میں ہجرت کی، صرف پیٹ بھر کھانے پر فلاں فلاں کی چاکری کی، وہ جب کہیں جاتے تو میں اونٹ ہنکاتا اور جب کہیں وہ ٹھہرتے تو خدمت بجالاتا اور کہاں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہجرت کے موقع پر اُن کے ایک غلام بھی تھا جسے انھوں نے راہِ خدا میں آزاد کیا۔ بظاہر یہ حدیث انھوں نے اپنی آخری زندگی میں بیان کی ہوگی جبکہ مروان و آل ابوسفیان کے نعمتوں کی بارش ان پر روز و شب ہوا کرتی تھی، اس وقت وہ اپنا اگلا زمانہ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کا بھول گئے جبکہ وہ بھوک سے نڈھال، چیتھڑے بدن میں، آنتیں قل ہو اللہ پڑھتی ہوئی، پیٹ میں آگ لگی ہوئی، راستے میں پڑے ہوئے بھیک مانگا کرتے تھے جیسا کہ خود انھیں کا بیان ہے۔

واللہ الذی لا الہ الا ھو ان کنت لا عتمد علی لبدی من الجوع وان کنت لا شد الحجر علی بطنی من الجوع خدائے وحدہٗ لا شریک کی قسم بھوک کے مارے اپنا کلیجہ پکڑے رہتا تھا اور پیٹ پر پتھر باندھے رہتا تھا۔ ابتدائی اوراق میں انھیں ابوہریرہ کا بیان گذر چکا ہے جس میں انھوں نے

بھیک کے لیے راستہ پر بیٹھنے کا تذکرہ کیا ہے۔

ایک اور حدیث میں انھوں نے بیان کیا کہ میں اپنے کو دیکھتا تھا کہ میں منبر رسولؐ اور حجرۂ عائشہ کے درمیان بیہوش پڑا ہوں آنے والے آتے ہیں اور میری گردن پر پیر رکھ دیتے ہیں، لوگ سمجھتے تھے کہ میں دیوانہ ہوں حالانکہ میں دیوانہ نہ تھا۔ مجھے تو بھوک بدحواس بنائے ہوئے تھی" —— اسی طرح کے اور بہت سی صریحی بیانات ان کے ایسے ہیں جن سے صاف صاف آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انھیں نہ کسی ذلت سے دُکھ ہوتا نہ کسی بے شرمی سے رنج پہنچتا، اُن کی انتہائی تمنّا و آرزو یہ رہا کرتی کہ پیٹ بھر جائے لہٰذا انصاف کیجیے کہ جب افلاس کا یہ عالم تھا تو غلام کہاں سے آیا؟

اگر ہم ابوہریرہ سے پوچھیں کہ محض آتے ہوئے دیکھ کر پیغمبر نے کیسے پہچان لیا کہ یہ ابوہریرہ کا غلام ہے تو شاید ابوہریرہ سے کوئی جواب بن نہ پڑے کیونکہ پیغمبر نے پہلے نہ تو ابوہریرہ ہی کو دیکھا تھا نہ ابوہریرہ کے غلام ہی کو۔ شاید ابوہریرہ بڑی عظمت و جلالت والے تھے کہ ان کے اور ان کے غلام کے بارے میں وحی کا نازل ہونا ضروری ہو گیا اور خود جبریل امین نے آکر خبر دی ہو پیغمبر کو کہ یہ ہے ابوہریرہ کا غلام!

(۳۳) خیر و خیرات کے اچھے انجام کے متعلق ابوہریرہ کا ایک خیالی قصّہ

امام مسلم ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں :۔

قال: بينا رجل بفلاة من الارض فسمع صوتا فى سحابة: اسق حديقة فلان فتنحى ذالك السحاب فافرغ ماءه كله فى تلك الحديقة واذا رجل قائم فى الحديقة	ایک مسافر جنگل میں جا رہا تھا اس نے بادل کے اندر سے یہ آواز آتے سنی ۔ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر! چنانچہ وہ بادل ہٹ کر باغ کی طرف چلا گیا اور اپنا سارا پانی اس باغ میں برسا دیا۔ یہ مسافر دیکھتا کیا ہے کہ ایک شخص باغ میں کھڑا ہے کدال سے

يحول الماء بمسحاته - فقال له: يا عبد الله ما اسمك: قال: فلان للاسم الذى سمعه فى السحابة فقال له. لم تسألنى عن اسمى: قال: انى سمعت صوتا فى السحاب الذى هذا ماءه يقول له: اسق حديقة فلان لاسمك فما تصنع فيها؟ قال: اما اذا قلت هذا فانى انظر الى ما يخرج منها فاتصدق بثلثه۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۳۳)	پانی کے لیے راستہ بنا رہا ہے - مسافر نے اس شخص سے پوچھا اے بندۂ خدا تمھارا نام کیا ہے تو اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل سے سنا تھا۔ اس شخص نے پوچھا بھائی میرا نام کیوں پوچھتے ہو؟ مسافر نے کہا یہ بادل جو تمھارے باغ پر برسا ہے اس کے اندر سے میں نے ایک آواز آتے سُنی، کوئی تمھارا نام لے کر کہہ رہا تھا کہ اس کے باغ کو سیراب کر۔ تو آخر اس باغ میں کرتے کیا ہو۔ اس شخص نے کہا جب تم یہ بات کہتے ہو تو سُنو۔ میں اس بات کی سختی سے پابندی کرتا ہوں کہ جو کچھ اس باغ کی پیداوار ہوتی ہے اس کا ایک تہائی خیرات کر دیتا ہوں۔

یہ بالکل فرضی قصہ ہے - عادتاً اس قسم کی باتیں واقع ہونا ممکن ہی نہیں، قوانین فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن ابوہریرہ کو اس بات کی کیا پروا، فطرت جائے جہنم میں انھیں تو پیغمبر کی طرف اپنی عادت کے مطابق جھوٹی حدیثیں منسوب کرنے سے غرض ہے۔

(۳۴) ایک فرضی قصہ جس میں وفائے عہد کے حسن انجام کا تذکرہ ہے

بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے:۔

انه ذكر رجلا من بنى اسرائيل ان يسلفه الف دينار فقال ائتنى بالشهداء اشهدهم فقال	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ایک دوسرے اسرائیلی سے ایک ہزار اشرفیاں قرض مانگیں۔ جس نے

كفى بالله شهيدا قال فأتني
بالكفيل: قال كفى بالله وكيلا
قال: صدقت فدفعها اليه الى
اجل مسمى فخرج فى البحر فقضى
حاجته ثم التمس مركبا يركبها
يقدم عليه للاجل الذى اجله
فلم يجد مركبا فاخذ خشبة
فنقرها فادخل فيها الف دينار
وصحيفة منه الى صاحبه ثم
زجج موضعها ثم اتى بها الى البحر
فقال اللهم انك تعلم انى كنت
تسلفت فلانا الف دينار فسألنى
كفيلا فقلت: كفى بالله كفيلا
فرضى بك، وسألنى شهيدا
فقلت: كفى بالله شهيدا. فرضى
بك وانى جهدت ان اجد مركبا
ابعث اليه الذى له فلم
اقدر، وانى استودعكها فرمى
بها فى البحر حتى ولجت فيه
ثم انصرف فخرج الرجل
الذى كان اسلفه ينظر

مانگی تھیں اس نے گواہ مانگے۔ اس نے کہا بس
خدا میرا گواہ ہے پھر اس نے ضامن طلب کیا تو اس نے
کہا خدا ہی میرا ضامن ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا
سچ کہتے ہو۔ یہ کہہ کر ایک مدت کے وعدے پر اشرفیاں
دے دیں۔ وہ شخص سمندری سفر پر روانہ ہوا اپنا کام
پورا کیا پھر اس نے کشتی تلاش کی کہ اس پر سوار ہو کر
واپس ہو اور قرض دینے والے کا روپیہ وقت کے اندر
ادا کر دے لیکن کوئی کشتی نہیں ملی تو اس شخص نے
ایک لکڑی لی اس میں سوراخ کیا اور اس میں وہ ہزار
دینار اور ایک خط اس شخص کے نام رکھ کر وہ سوراخ
بند کر دیا اور اس لکڑی کو سمندر میں پھینک دیا اور
خداوند عالم سے عرض کیا بار الٰہا تو جانتا ہے کہ
میں نے فلاں شخص سے ہزار دینار قرض لیے تھے
اس نے ضامن مانگا تو میں نے کہا اللہ ہی میرا
ضامن ہے۔ اس نے گواہ مانگے تو میں نے کہا
اللہ ہی گواہ ہے، وہ شخص راضی ہو گیا اور اس نے
اشرفیاں مجھے قرض دے دیں، اب میں کشتی کی
تلاش میں ہوں تاکہ اس کا قرضہ جا کر ادا کر دوں
تو کوئی کشتی نہیں ملتی، لہٰذا میں یہ رقم تیرے ہی
حوالے کرتا ہوں یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر
میں ڈال دی اور چلا گیا، ادھر یہ آدمی جس نے

لعل مركبا قد جاء بماله فاذا بالخشبة التى فيها المال فاخذها لاهله حطبا فلما نشرها وجد المال والصحيفة (صحیح بخاری پارہ ۹ صفحہ ۲۶ باب الکفالۃ فی القرض والدیون وغیرہ)	قرض دیا تھا وہ سمندر کے کنارے پہنچا کہ شاید کوئی کشتی آتی ہو اور اس کا مال اس پر آتا ہو دفعۃً اس نے وہی لکڑی دیکھی جس میں دینار بند تھے ایندھن کیلئے یہ لکڑی اس نے سمندر سے نکال لی۔ جب وہ لکڑی پھاڑی گئی تو اس میں سے ہزار دینار اور خط نکل پڑا۔

یہ حدیث اتنی بعید العقل ہے کہ کوئی اس پر اعتبار کر ہی نہیں سکتا۔ مزید براں ہزار دینار سمندر میں ڈال دینے کی نہ تو شرع اجازت دے سکتی ہے نہ عقل، اگر مال اس کا واپس نہ مل جاتا تو شخص مقروض اس طرح ادائے قرض سے بری الذمہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر صاحب عقل وخرد اس قسم کی حرکت کو حماقت و دیوانگی ہی قرار دے گا۔

اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل یا اور کسی قوم میں ایسا واقعہ ہوا بھی تو رسول اللہؐ اس واقعہ کو اُس وقت تک بیان نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ آخر میں یہ فقرہ بھی نہ بڑھا دیتے کہ تم لوگ بھی اس پر عمل نہ کرنے لگنا۔ کیونکہ اگر رسول اللہ بغیر اس فقرہ کے بڑھائے ہوئے یہ حدیث بیان کرتے تو اپنی امت کو فریب میں مبتلا کر دیتے ہر شخص یہ سمجھنے لگتا کہ قرض کی ادائیگی یوں بھی ممکن ہے کہ کسی لکڑی میں قرض کی رقم رکھ کر اور خط لکھ کر دریا میں ڈال دیا جائے۔ اور پیغمبر کا فریب دینا، دھوکہ میں مبتلا کرنا قطعی محال ہے۔ لیکن ابو ہریرہ کو یہ سب باتیں جائز تھیں اپنی تجارت کو نفع بخش بنانے کے لیے پیغمبر کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر دینا کوئی مضائقہ کی بات نہ تھی۔

---

(۴۵) تیسرا فرضی قصہ جس میں کفران نعمت اور شکر نعمت کا انجام ذکر کیا گیا ہے

بخاری نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے[1] :-

قال ان ثلاثة من بنی اسرائیل ابرص واقرع واعمی بدا[2] الله ان یبتلیهم فبعث الیهم ملکا فاتی الابرص فقال: ای شی احب الیك ؟ قال: لون حسن وجلد حسن فقال ای المال احب الیك ؟ قال: الابل فاعطی ناقة عشراء فقال؟ یبارك لك فیها۔ واتی الاقرع فقال ای شی احب الیك ؟ قال: شعر حسن و قد قذرنی الناس قال فمسحه فذهب واعطی شعرا حسنا قال: فای المال احب

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک مبروص تھا دوسرا گنجا تیسرا نابینا، خدا کی مشیت ہوئی کہ ان کی آزمائش کی جائے چنانچہ اس نے ان کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجا وہ فرشتہ پہلے مبروص کے پاس آیا اور پوچھا تمھاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے، اس نے کہا خوبصورت رنگ، خوبصورت جلد کہ لوگ میرے مبروص ہونے کی وجہ سے مجھ سے گھناتے ہیں۔ اس فرشتہ نے اس شخص کے جسم پر اپنا ہاتھ پھیرا اس کا برص جاتا رہا اور خداوند عالم نے خوبصورت رنگت اور خوبصورت جلد عنایت فرمائی۔ پھر فرشتہ نے پوچھا مال دولت میں تمھیں کس چیز کی خواہش ہے اس نے کہا اونٹ، اس فرشتہ نے ایک اچھی نسل کا ناقہ دیدیا اور کہا خدا تمھیں برکت دے۔ پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تمھیں سب سے

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲ ص۱۷۱ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل [2] بدا کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بات خداوند عالم کے علم میں ازل سے تھی لیکن لوگوں پر ظاہر نہ تھی پھر خداوند عالم کا ارادہ ہوا کہ اس بات کو لوگوں پر ظاہر کرے۔ یہی وہ بدا ہے جس کے شیعہ قائل ہیں اور مخالفین اس پر طعنہ دیتے ہیں۔ جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ اُن کے پیرو مرشد ابوہریرہ کی حدیث ان کے لیے قابل غور ہے۔

اليك؟ قال: البقر فاعطاه
بقرة حاملا، وقال
يبارك لك فيها۔
واتی الاعمی فقال ای
شی احب اليك قال
يرد الله الی بصری! قال
فمسحه فرد الله اليه
بصره قال فای المال
احب اليك؟ قال الغنم،
فاعطاه الله شاة والدا
فانتج هذان وولد هذا
فكان لهذا واد من ابل
ولهذا واد من بقر ولهذا
واد من الغنم ثم انه
اتی الابرص فی صورته
وهيئته (التی كان
الابرص اولا عليها) فقال له
رجل مسكين تقطعت بی
الحبال فی سفری فلا بلاغ
اليوم الا بالله ثم بك، اسالك
الذی اعطاك اللون الحسن

زیادہ کیا پسند ہے، اس نے کہا خوبصورت بال۔
لوگ میرے گنجے پن کی وجہ سے مجھ سے گھناتے ہیں۔
اس فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے
خوبصورت بال دیدیے پھر مال کو پوچھا کہ کون سا مال
تمھیں چاہیے۔ اس نے کہا گائے۔ فرشتہ نے
ایک گابھن گائے دے دی اور کہا خدا تجھے اس میں
برکت دے۔ پھر اندھے کے پاس آیا اس سے پوچھا
تمھاری تمنا کیا ہے۔ اس نے کہا یہ کہ خدا میری
آنکھیں مجھے پلٹا دے۔ اس فرشتہ نے ہاتھ پھیرا
اس کی آنکھیں پلٹ آئیں۔ پوچھا مال کون سا
چاہیے اس نے کہا بکریاں۔ خدا نے اسے ایک
بچہ دینے والی بکری دے دی۔ تینوں کے یہاں
جانوروں کی نسل بڑھی اور گلّے کے گلّے ہو گئے۔
پھر کچھ دنوں کے بعد وہ فرشتہ اس کے شخص کے
پاس جو پہلے مبروص تھا مبروص کی شکل میں آیا اور
کہا، میں مرد نادار ہوں مسافت بہت طولانی طے
کرنی ہے آج کے دن میں اپنی منزل پر پہنچ ہی نہیں سکتا
جب تک تم میری مدد نہ کرو۔ میں اس خدا کے نام پر
جس نے تمھیں خوبصورت رنگ، خوبصورت جسم
اور اتنا مال دیا ہے ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں
تاکہ میں اس پر سوار ہو کر منزل مقصود تک جا سکوں

والجلد الحسن والمال كثيرا
اتبلغ عليه فى سفرى، فقال له:
ان الحقوق كثيرة - فقال له
كانى اعرفك الم تكن ابرص
يقذرك الناس فقيرا؟
فاعطاك الله - فقال: ورثت
هذا كابرا عن كابر: فقال
ان كنت كاذبا فصيرك الله
الى ماكنت واتى الاقرع
فى صورته وهيئته - فقال
له مثل ما قال لهذا فرد عليه
مثل ما رد عليه هذا فقال:
ان كنت كاذبا فصيرك الله
الى ماكنت واتى الاعمى فى
صورته، فقال: رجل مسكين
وابن سبيل تقطعت بى الحبال
فى سفرى، فلا بلاغ اليوم
الا بالله ثم بك اسالك
بالذى رد عليك بصرك
شاة اتبلغ بها فى سفرى فقال
كنت اعمى فرد الله بصرى

اس شخص نے کہا دوسروں کے حقوق مجھ پر بہت
زیادہ ہیں (تمھیں دینے کی گنجائش نہیں) اس فرشتہ
نے کہا میرا خیال ہے میں تمھیں پہچانتا ہوں تم وہی
فقیر تو نہیں ہو جسے برص تھا اور لوگ گھناتے تھے
خدا نے تمھیں یہ دولت بخشی۔ اس نے کہا یہ مال تو
میرے باپ دادا کے زمانے سے چلا آرہا ہے میں نے
اپنے باپ کے مرنے کے بعد میراث میں پایا میرے
باپ نے دادا کے مرنے پر پایا تھا۔ فرشتے نے کہا
اگر تم جھوٹے ہو تو خدا کرے تم پھر اگلی حالت پر پلٹ
جاؤ۔ اس کے بعد فرشتہ گنجے کی شکل میں گنجے کے
پاس آیا اس سے بھی یہی باتیں ہوئیں اور اس نے
بھی اسی طرح اس کا سوال رد کیا۔ گنجے سے بھی
فرشتے نے یہی کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو خدا تمھیں
اسی سابق حال پر پلٹا دے۔ پھر وہ اندھے کے
پاس آیا اس سے کہا میں مرد فقیر ہوں مسافر ہوں
سفر جاری رکھنے کا سامان نہیں تم ہی مدد کرو تو
میں اپنی منزل پر پہنچ سکوں گا، میں اس خدا کا واسطہ
دے کر جس نے تمھاری آنکھیں پلٹائیں تم سے ایک
بکری کا سوال کرتا ہوں کہ میں اس کے ذریعہ (اسے
بیچ کر) اپنے سفر کو جاری رکھ سکوں۔ اس شخص نے
کہا میں اندھا تھا خدا نے مجھے دوبارہ آنکھیں دیں

و فقيرا اغناني لحد ما شئت فوالله لا اجهدك اليوم بشئ اخذته لله: فقال امسك مالك فانما ابتليتهم فقد رضي الله عنك وسخط على صاحبيك -

فقیر تھا مالدار کیا، جو چاہو لے لو - تم جو کچھ بھی لوگے میں روکوں گا نہیں - فرشتہ نے کہا تم اپنا مال اپنے پاس رکھو میں نے اصل میں تم لوگوں کو آزمایا تھا خداوند عالم تم سے خوش ہوا اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہوا -

یہ حدیث بھی ابوہریرہ کی من گڑھت حدیثوں میں سے ہے جسے انھوں نے خوب بنا سنوار کر پیش کیا ہے جیسے آج کل قصے کہانیاں لوگ لکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی ایک افسانہ ہے جس میں شکر نعمت و کفران نعمت کا انجام خوشنما پیرایہ میں بیان کیا ہے -

(۳۶) چوتھا فرضی قصہ جس میں ظلم کا انجام بُرا ہونا ذکر کیا ہے

بخاری و مسلم نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے -

قال دخلت امراءة النار في هرة ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاكل من خشاش الارض [1]

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک عورت محض ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں گئی اس نے اس بلی کو باندھ رکھا نہ اسے کھانے کو دیا نہ اسے آزاد کیا کہ وہ ادھر اُدھر سے اپنا پیٹ بھرے -

یہ حدیث منجملہ ان حدیثوں کے ہے جس کی جناب عائشہ نے سختی کے ساتھ تردید [2] کی - جناب عائشہ نے جب ابوہریرہ کی یہ حدیث سُنی تو آپ نے جو جملہ کہا اس میں

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲ صـ ۱۲۹ کتاب بدءالخلق صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۴۲۵ باب سعۃ رحمۃ اللہ ۱۲

[2] ابوہریرہ کی یہ تردید جناب عائشہ کی طرف سے کافی مشہور ہے - شارحین بخاری و مسلم نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے - دیکھیے ارشاد الساری جلد ، صـ ۸۴

... ان المومن اکرم علی اللہ من ان یعذبہ فی ھرۃ فاذا حدثت عن رسول اللہ فانظر کیف تحدث" مومن خداوند عالم کے یہاں زیادہ عزت رکھتا ہے اس سے کہ ایک معمولی بلی کے بارے میں اس پر خداوند عالم عذاب فرمائے۔ جب رسول اللہ کی طرف کوئی حدیث منسوب کرکے بیان کرو تو ذرا سوچ سمجھ کر"——

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ایک فرضی قصہ من گڑھت کہانی ہے جس میں ابوہریرہ نے ظلم وسرکشی کے انجام بد کو بیان کیا ہے۔

(۳۷) پانچواں فرضی قصہ مہربانی کا انجام اچھا ہونے کے متعلق

امام بخاری ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں:[1]

قال غفر لامرأۃ مومسۃ مرت بکلب علی راس رکی یلھث (قال) وکاد یقتلہ العطش فنزعت خفھا واوثقتہ بخمارھا فنزعت لہ من الماء فشرب فغفر لھا بذالک	ابوہریرہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے ایک زن فاحشہ کو بخش دیا صرف اتنی سی بات پر کہ وہ ایک کتے کی طرف سے گذری جو کنویں کے پاس کھڑا ہانپ رہا تھا اور پیاس سے جاں بلب تھا اس عورت نے اپنے موزے اتارے اسے اپنی اوڑھنی میں باندھا اور کنویں میں لٹکا کر پانی بھرا اور کتے کو پلایا، خداوند عالم نے اسے بخش دیا۔

(۳۷) ایک اور ایسا ہی فرضی قصہ

بخاری ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں[2]

قال بینما رجل یمشی فی طریق	ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص راستہ میں

[1] صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۰۱ اور صفحات میں بھی بخاری کے موجود ہے ۱۲ [2] صحیح بخاری ج ۴ صفحہ ۱۰۰ کتاب الادب وج ۲ صفحہ ۳۵ کتاب المساقاۃ ۱۲

اشتد علیه العطش فوجد بئرا فنزل فیها فشرب ثم خرج فاذا کلب یلهث یاکل الثری من العطش قال فنزل الرجل البئر فملاخفه ثم امسکه بفیه فسقی الکلب فشکرالله له وغفر له بذالک

چلا جارہا تھا کہ اس پر پیاس کا غلبہ ہوا ایک کنواں نظر آیا اس میں اُتر کر پانی پیا، جب باہر آیا تو ایک کتے کو دیکھا کہ کھڑا ہانپ رہا ہے اور مارے پیاس کے مٹی چاٹ رہا ہے وہ شخص پھر اس کنویں میں اُترا اپنے موزوں میں پانی بھر کر اس کتے کو پلایا۔ خداوند عالم نے اُس کے اس کام کی قدر کی اور اسے بخش دیا۔

یہ دونوں حدیثیں آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابو ہریرہ کی خیال آرائیاں ہیں مہربانی و نیکی واحسان کے اچھے انجام کو انھوں نے افسانوی رنگ میں بیان کیا ہے۔

(۳۹) خداوند عالم نے ایک کافر زیاں کار کو بخش دیا

امام مسلم نے معمر سے روایت کی ہے معمر کہتے ہیں کہ مجھ سے امام زہری نے کہا کہ میں دو عجیب وغریب حدیثیں سناؤں۔ مجھ سے حمید بن عبدالرحمان نے کہا اُن سے ابو ہریرہ نے بیان کیا انھوں نے پیغمبر سے سُنا:۔

قال اسرف رجل علی نفسه، فلما حضره الموت اوصی بنیه فقال: اذا انا مت فاحرقونی ثم اسحقونی ثم اذرونی فی الریح فی البحر فوالله لئن قدر علی ربی لیعذبنی عذابا ما عذب به احدا ففعلوا ذالک به فقال الله

پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص زیاں کار تھا جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا پھر میری خاک کو پیس کر ہوا میں سمندر کی طرف اُڑا دینا کہ خدا کی قسم اگر میرا جسم میرے پروردگار کے ہاتھ لگ گیا تو وہ ایسا عذاب کرے گا جیسا کسی پر نہیں، لڑکوں نے ایسا ہی کیا خداوند عالم نے زمین کو حکم دیا کہ

للارض ردی ما اخذت فاذا هو قائم فقال له ما حملك علی ما صنعت قال مخافتك یا رب فغفر له بذالك۔

اس شخص کا جو جو ریزہ جہاں جہاں پہنچا ہو حاضر کر چنانچہ خداوند عالم نے اسے پھر اصلی حالت پر بنا کر کھڑا کر دیا اور اس سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا اس شخص نے جواب دیا تیرے خوف سے اس جواب پر خدا کو رحم آگیا اور اسے بخش دیا۔

زہری کہتے ہیں کہ انھیں حمید بن عبد الرحمان نے ابو ہریرہ سے روایت کر کے یہ حدیث بھی بیان کی کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا۔

قال دخلت امراۃ النار فی ھرۃ ربطتھا فلاھی اطعمتھا ولاھی ارسلتھا تاکل من خشاش الارض۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۴)

پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا۔ ایک عورت جہنم میں محض اتنی سی بات پر چلی گئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا نہ اسے کھانے کو دیا نہ آزاد کیا کہ وہ ادھر ادھر سے اپنا پیٹ بھرے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ عورت بلی ہی کی وجہ سے جہنم میں گئی تو بقول جناب عائشہ خداوند عالم کے نزدیک زیادہ محترم تھی اس سے کہ خدا اس پر ایک بلی کی وجہ سے عذاب کرے۔

اور اگر وہ کافر تھی تو اپنے کفر کی وجہ سے جہنم میں گئی نہ کہ بلی کی وجہ سے۔

رہ گیا وہ کافر تو بنا بر مقتضائے حدیث وہ مغفرت کے قابل کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اس نے اپنی زندگی ہی تک کی سرکشی و کفر پر اکتفا نہیں کی بلکہ مرا بھی تو تمرد و سرکشی پر خدا کی رحمت سے مایوس اور اپنے خیال کے مطابق ایسی جگہ بھاگنے کی کوشش کی جہاں قدرت اسے پا ہی نہیں سکے اسی لیے اس نے

اپنے لڑکوں کو ایسی وحشیانہ عمل کی وصیت کی کہ میری لاش جلا دینا، میری راکھ سرمہ کر کے ہوا میں اُڑا دینا لہذا وہ ایسا کافر تھا جو خدا کی رحمت سے مایوس بھی تھا اور قدرت خدا کا منکر بھی اور کافر مستحق مغفرت نہیں نہ مغفرت کا سزاوار ہے۔ کسی مسلمان کو بھی اس سے اختلاف نہیں مزید براں اس حدیث کا اسلوب بھی قصہ کہانی کا اسلوب ہے جس میں افسانوی طرز پر انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے خواہ انسان اپنے نفس پر کتنا ہی زیادتی کرنے والا کیوں نہ ہو نیز یہ کہ ایمان رکھنے کے باوجود انسان عذاب خدا سے قطعی محفوظ نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں حقیقتیں ابو ہریرہ کی روایات وخیالی قصوں کے بغیر بھی ظاہر و واضح ہیں کیونکہ قرآن مجید نے خود ہی کہہ دیا ہے ولا تیأسوا من روح اللہ انہ لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ خدا کی رحمت سے کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ کیا وہ خدا کی تدبیروں سے بے خوف ہو گئے۔ خدا کی تدبیروں سے گھاٹے میں رہنے والے ہی اپنے کو بے خوف سمجھتے ہیں۔ اصل بحث پیرایہ بیان سے ہے۔ ابو ہریرہ جیسے عجیب و غریب اور نرالے ڈھنگ سے حدیثیں بیان کرتے ہیں پیغمبرؐ کے طرز کلام سے ان کو کوئی لگاؤ ہی نہیں ہوتا۔

مزید براں اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ کوئی کافر زیاں کار تھا اور اس نے اپنے بیٹوں سے ایسی وصیت کی اور یہ بھی فرض کیا جائے کہ محض یہی وصیت اس کافر کے لیے سبب مغفرت بن گئی تب بھی ناممکن ہے کہ پیغمبرؐ نے بغیر اپنی طرف سے کوئی تنبیہی فقرہ بڑھائے اس حدیث کو یوں ہی بیان کر دیا ہو۔ کیونکہ اگر پیغمبر اس حدیث کو یوں ہی بیان فرماتے جیسا کہ ابو ہریرہ نے نقل کیا ہے تو اس صورت میں پیغمبرؐ

اپنی امت کے زیاں کار افراد کو بہکانے کا باعث قرار پائیں گے۔ گنہگار مسلمانوں کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ جب کافر ایسی وصیت سے ناجی ہوگیا تو ہم لوگ بھی ایسی وصیت کرکے آتش دوزخ سے بچ سکتے ہیں اور پیغمبر کا امت کو دھوکہ دینا غلط فہمی میں مبتلا کرنا قطعاً محال و ناممکن ہے۔

(۴۰) ایک گنہگار بار بار توبہ کرتا اور بار بار گناہ۔ خداوند عالم کا اس سے کہنا کہ میں تو تجھے بخش چکا جو تیرا جی چاہے کر

قال ابوهريرة اذنب عبد ذنبا فقال اللهم اغفر لى ذنبى فقال الله تبارك وتعالى: اذنب عبدى ذنبا فعلم ان له ربا يغفر الذنب ويأخذ بالذنب. قال: ثم عاد فاذنب. فقال: اى رب اغفر لى ذنبى. فقال تبارك وتعالى: عبدى اذنب ذنبا فعلم ان له ربا يغفر الذنب ويأخذ بالذنب: ثم عاد فاذنب فقال اى رب اغفر لى ذنبى. فقال تبارك وتعالى اذنب عبدى

ایک بندے نے گناہ کیا پھر اس نے خداوند عالم سے عرض کیا خداوندا میرے گناہ کو بخش دے، خداوند عالم نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اس بندہ نے پھر دوہرا کے گناہ کیا اور گناہ کرنے کے بعد بارگاہِ الٰہی میں عرض کی خداوندا میرے گناہ کو معاف کردے۔ خداوند عالم نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا اور یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ اس بندے نے پھر تہرا کے گناہ کیا اور گناہ کے بعد عرض کیا خداوندا میرے گناہ کو معاف کردے۔ خداوند عالم نے فرمایا

ونبا تعلمان له ربا يغفر الذنب ويا خذ بالذنب اعمل ماشئت فقد غفرت لك۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۵۶ کتاب التوبہ)

میرے بندے نے گناہ کیا اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ معاف بھی کر دیتا ہے اور گناہ پر سزا بھی دیتا ہے۔ میرے بندے جو تیرا جی چاہے کر میں تو تجھے بخش چکا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث بھی پہلی حدیثوں کے طرز پر ابو ہریرہ کی ماغی عیاشیوں کی پیداوار ہے۔ اس قسم کی حدیثوں میں انھوں نے خداوند عالم کی ہمہ گیر بخشش و مغفرت اور رحم و کرم کو قصہ کہانی کے پیرایے میں بیان کیا ہے۔ خداوند عالم کی رحمت عام اور مغفرت بے حساب کون نہیں جانتا مسلمان تو مسلمان یہود و نصاریٰ، کافر و مشرک سبھی اس کی رحمت بے پایاں کا دل سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ ابو ہریرہ کی من گڑھت کہانیوں سے اس کی شانِ رحمت کچھ اور نمایاں نہیں ہو جاتی وہ تو آفتاب کی طرح روشن ہے، آفتاب کو چراغ دکھانا عین حماقت ہے۔

مگر آپ اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ خداوند عالم اور کسی شخص کے درمیان کسی قلبی لگاؤ، کسی باہمی رابطہ الفت و محبت کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے، خدا کو کسی سے بھی ایسی محبت نہیں جس کی وجہ سے وہ ناجائز چیز کو اس کے لیے جائز کر دے جس چیز سے جن و انس سبھی کو محروم کیا ہو اس کے لیے مباح کر دے، ملاحظہ فرمائیے ارشاد الٰہی ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین وما منکم من احد عنه حاجزین۔

لہذا کیونکر ممکن ہے کہ خداوند عالم اس شخص کو جو بار بار توبہ کرتا ہے اور پھر توبہ توڑ کر گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اتنا محبوب رکھے کہ اسے گناہ کرنے کی کھلم کھلا اجازت دیدے اعمل ما شئت فقد غفرت لك۔ تیرا جو جی چاہے کر میں تو تجھے بخش چکا۔ ایسا شخص آخر کس وجہ سے اتنی بڑی مہربانی کا مستحق ٹھہرا جو انبیاء و مرسلین کو بھی نصیب نہ ہو سکی۔

ابوہریرہ نے نہ جانے ایسے ایسے کتنے خیالی قصے کہانیاں بنائیں جسے وہ سرکش و ستم پیشہ افراد کو سناتے تاکہ اُن کے جرائم انھیں سُبک معلوم ہوں اور اپنے مہلک و جہنم میں لے جانے والے افعال کے خیال سے اُن کا دل نہ میلا ہو جیسے ان کی یہ حدیث :-

سمعت رسول الله يقول: حضر ملك الموت رجلا يموت فلم يجد فيه خيرا وشق عن قلبه فلم يجد فيه شيئا ثم فك عن لحييه طرف لسانه لاصقا بفكه يقول لا اله الا الله فغفر الله له[1]

میں نے پیغمبر کو ارشاد فرماتے سنا کہ ملک الموت ایک مرتے ہوئے شخص کے پاس آئے، اس میں کوئی بھلائی و نیکی انھوں نے نہ پائی، اس کے دل کو چیر کر دیکھا اس میں بھی کوئی بھلائی نہ ملی پھر انھوں نے اس کی دونوں داڑھوں کو الگ کیا، دیکھا کہ اس کی زبان کا کنارہ ایک ڈاڑھ سے چپکا ہوا ہے اور وہ کہہ رہا ہے لا الٰہ الا اللہ، اس پر خدا نے اسے بخش دیا

انھیں مہملات و مزخرفات سے یہ حدیث بھی ہے :-

اقيمت الصلوة وعدلت الصفوف فلما قام رسول الله في مصلاه ذكر انه جنب۔

(صحیح بخاری پارہ اول ص۴۱ باب اذا ذکر فی المسجد انہ جنب)

نماز کی تیاری ہوئی صفیں جمیں، جب رسول اللہؐ اپنی جائے نماز پر کھڑے ہوئے تو یاد آیا کہ وہ جنب ہیں۔

خدا سمجھے ان ابوہریرہ سے اور اُن لوگوں سے جو رسول اللہ کے لیے اس قسم کی نازیبا باتوں کو جائز سمجھتے ہیں پیغمبر تو ہر لمحہ اور ہر آن پاک و پاکیزہ رہتے تھے

---

[1] خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد ۹ ص۱۲۵ پر حالات سعد بن عبد الحمید میں اس حدیث کو درج کیا ہے۔

اور آپ وضو پر وضو جو فرماتے تو وہ نور علی نور کا مصداق ہوتا۔ اس حدیث کے مضمون سے تمام انبیا پاک، پاکیزہ اور معصوم ہیں اس قسم کی رکاکتیں تو صدیقین اور صالح مومنین کی شان سے بھی بعید ہیں چہ جائیکہ انبیائے کرام؟

انھیں حدیثوں میں سے ان کی وہ حدیث[1] ہے جس میں پیغمبرؐ نے منع فرمایا ہے کہ مجھے موسیٰ سے افضل نہ کہنا نیز یہ حدیث[2] کہ جس شخص نے یہ کہا کہ پیغمبرؐ (محمد مصطفیٰ) یونس بن متی سے بہتر ہیں وہ جھوٹا ہے۔

حالانکہ تمام امت اسلامیہ کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ ہمارے پیغمبر جملہ انبیا سے افضل ہیں اور آپ کا افضل ہونا واضح نصوص، صریحی احادیث سے ثابت ہے اور یہ بدیہیات اسلام سے ہے۔

نیز ان کی یہ حدیث[3] بانہ لن یدخل احد اعملہ الجنۃ (قال) قالوا ولا انت یا رسول اللہ۔ قال: ولا انا! کسی کا عمل ہرگز اسے جنت میں نہ لے جائیگا لوگوں نے کہا، آپ کے اعمال بھی یا رسول اللہ؟ آں حضرتؐ نے فرمایا، ہاں میرے اعمال بھی۔

اس حدیث کو دیوار پر پھینک مارنا چاہیے کیونکہ یہ کتاب الٰہی کی آیات کے مخالف ہے کتاب الٰہی تو کہتی ہے ان ھذا کان لکم جزاء وکان سعیکم مشکورا یہ جنت کی نعمتیں تمھیں تمھارے اعمال کی جزا میں دی گئی ہیں اور تمھاری کوششیں قابل شکر گذاری ہیں۔

اسی طرح انکی یہ حدیث[4] کہ جو بھی نبی آیا اس نے بکریاں چرائیں — یہ حدیث جتنی غلط اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے محتاج توضیح نہیں۔

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲ ص۲ [2] صحیح بخاری پارہ ۲ ص۸۲ کتاب تفسیر القرآن [3] صحیح بخاری پارہ ۲۳ ص۶ کتاب المرضیٰ باب تمنی المریض الموت [4] صحیح بخاری پارہ ۲ ص۲۲ کتاب الاجارہ

کی عمر ان کی حدیث جناب ابراہیم کے متعلق کہ انھوں نے اپنا ختنہ ۸۰ برس کی عمر میں بسولے[2] سے کر لیا تھا۔

نیز ان کی یہ حدیث[3] کہ جناب عیسیٰ نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا، آپ نے اس سے پوچھا کہ تم چوری کرتے ہو؟ اس نے کہا، نہیں۔ خدا کی قسم نہیں۔ اس پر جناب عیسیٰ نے اس چور کو سچا اور اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھا۔

نیز یہ حدیث کہ "جب خداوند عالم نے آدم کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا جس پر اُن کی پیٹھ سے ذروں کی طرح وہ تمام روحیں ٹپک پڑیں جن کو خداوند عالم روز قیامت تک صلب آدم سے پیدا کرنے والا تھا، پھر خداوند عالم نے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور قرار دیا۔ اس کے بعد ان سب کو آدم کے سامنے پیش کیا، آدم نے پوچھا خداوندا یہ کون لوگ ہیں؟ خدا نے کہا یہ تمھاری اولاد ہیں۔ جناب آدم اُن میں ایک شخص کی پیشانی کے نور کو دیکھ کر بیحد متعجب ہوئے۔ پوچھا خداوندا یہ کون ہے؟ خدا نے کہا یہ تمھارے فرزند داؤد ہیں۔ آدم نے پوچھا ان کی عمر تو نے کیا قرار دی؟ کہا ۶۰ برس آدم نے کہا خداوندا میری عمر سے ۴۰ برس نکال کر ان کی عمر میں اضافہ کر دے تاکہ پورے سو برس ان کی عمر ہو جائے۔ جب جناب آدم کی مدت حیات پوری ہوئی ملک الموت اُن کی روح قبض کرنے آئے تو آدم نے کہا ابھی تو میری عمر کے ۴۰ برس باقی ہیں۔ ملک الموت نے یاد دلایا کہ آپ نے اپنے فرزند داؤد کو اپنی عمر سے ۴۰ برس نہیں دیے تھے؟ جناب آدم نے انکار کیا کہ میں نے تو

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۴ صفحہ ۶۵ کتاب الاستیذان باب الختان [2] ابو ہریرہ کے خیال میں جناب نوح کا بسولا تھا جس سے جناب نوح نے کشتی تیار کی تھی اُن کے مرنے کے بعد سلسلہ بسلسلہ میراث میں جناب ابراہیم کے ہاتھ آیا۔ [3] صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۶۸ باب واذکر فی الکتاب مریم

نہیں دیا۔ آدم نے اسی اپنے دل سے پھر جانے کی وجہ سے اولاد آدم بھی ایک بات
کہہ کر انکار کر بیٹھتی ہے "۔[1]

اسی جیسی ان کی وہ حدیث[2] ہے جناب آدم و موسیٰ کے متعلق جس میں ابوہریرہ
نے ان دونوں بزرگوں کو باہم حجت و تکرار کرتے دکھلایا ہے اس طرح کہ ان دونوں
حضرات کا فرقہ قدریہ جبریہ سے ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس بحث و تکرار میں جناب آدم
نے جناب موسیٰ پر بہت سے ایسے الزامات لگائے جو انبیاء کی شان سے بعید تر ہیں اور
انبیائے کرام کا ان سے پاک و صاف ہونا واجبات ہے ہے۔

غرضکہ کہاں تک ذکر کیا جائے نہ جانے کتنی ایسی حدیثیں انھوں نے بیان کی ہیں
جو خارق عادت بھی ہیں اور خارق فطرت بھی، اوپر کی حدیثیں آپ نے ملاحظہ فرمائیں
اب صرف دو حدیثیں اور ذکر کر کے ہم اس فصل کو ختم کرتے ہیں۔

ابوہریرہ کی ایک حدیث ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ "جب
علاء بن حضرمی چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ بحرین کو روانہ ہوا تو یہ بھی اس کے ساتھ
تھے یہ لوگ روانہ ہو کر سمندر کی ایک ایسی خلیج پر پہنچے جس میں ان لوگوں کے سوا کوئی
نہ سما سکا نہ ان سے پہلے نہ ان سے بعد۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ علاء نے لجام فرس
ہاتھ میں لی اور سطح آب پر چل کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے سارا لشکر چل پڑا خدا کی
قسم نہ تو ہم لوگوں کے پیر بھیگے نہ جرابیں اور نہ گھوڑوں کی ٹاپیں تر ہوئیں"۔[3]

---

[1] امام حاکم نے مستدرک جلد ۲ ص ۳۲۵ کتاب التفسیر میں آیت واذاخذ ربک من بنی آدم الخ کی شرح
کرتے ہوئے یہ حدیث لکھی ہے اور صحیح قرار دیا ہے علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں باقی رکھا اور صحیح قرار
دیا ہے [2] جسے امام بخاری نے صحیح بخاری پارہ ۲ ص ۱۶۳ باب وفات موسیٰ میں درج کیا ہے [3] حیوۃ الحیوان
علامہ دمیری بسلسلہ تذکرہ بعوض۔ صاحب استیعاب صاحب صابہ نے بھی اس قصہ کی طرف حالات علاء
بن حضرمی کے تذکرہ میں اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ مشہور قصہ ہے۔

تھے چاہیے تھا کہ اس غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ کو چاروں ہزار اشخاص بیان کرتے اور یہ حدیث تمام متواتر حدیثوں کا سرتاج ہوتی مگر حیرت بالائے حیرت کہ ایسا غیر معمولی واقعہ جو چار ہزار اشخاص کو پیش آیا مگر بیان کیا تو صرف ایک ابو ہریرہ نے۔

دوسری حدیث حدیث مزود[1] کے نام سے مشہور ہے جس میں ابو ہریرہ نے بیان کیا ہے کہ "اسلام لانے کے بعد مجھ پر تین شدید ترین مصیبتیں پڑیں جیسی مصیبت کبھی نہیں پڑی۔ ایک تو رسول اللہ کا مرنا، دوسرے عثمان کا قتل ہونا، تیسرے مزود (توشہ دان) سے محروم ہونا۔ لوگوں نے پوچھا جناب یہ مزود کیا شئے ہے؟ انھوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ رسول اللہ کے ساتھ سفر میں تھے آں حضرتؐ نے پوچھا ابو ہریرہ تمھارے پاس کچھ ہے، میں نے عرض کیا حضور میرے توشہ دان میں ایک کھجور پڑی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ۔ میں نے کھجور نکالی اور پیغمبر کے پاس لایا، رسالت مآب نے اسے چھوا اور اس کے متعلق دعا فرمائی پھر فرمایا دس آدمی کو بلا لاؤ، میں دس آدمی کو بلا لایا۔ ان دسوں نے ایک کھجور میں سے پیٹ بھر بھر کے کھایا پھر دوسرے دس آدمی آئے انھوں نے پیٹ بھر کے کھایا یہاں تک کہ پورا لشکر اس ایک کھجور سے شکم سیر ہوگیا اور وہ کھجوریں کی توں میرے توشہ دان میں بچ رہی، آں حضرتؐ نے فرمایا اے ابو ہریرہ تمھیں جب کسی چیز کی خواہش ہو اس توشہ دان میں ہاتھ ڈال کر نکال لینا چنانچہ میں پیغمبر کی زندگی تک اس توشہ دان سے کھاتا رہا پھر ابو بکر کی زندگی تک کھایا کیا پھر عمر کی زندگی میں کھایا کیا پھر عثمان کی پوری زندگی تک کھایا جب عثمان قتل ہو گئے تو میرا سارا مال واسباب لوٹ لیا گیا اور وہ توشہ دان بھی لٹ گیا۔ میں تمھیں بتاؤں

---

[1] حدیث مزود کو امام احمد نے مسند میں دو طریقوں سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے دوسرے دو طریقوں سے بدایہ ونہایہ ابن کثیر جلد ۶ ص ۱۱۶ پر بھی موجود ہے۔

میں نے اس توشہ دان سے کتنی کھجوریں کھائیں دو سو وسق سے زیادہ کھجوریں کھائی ہونگی"۔
(ایک وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے یعنی ایک ہزار پچاس من کھجوریں کھا گئے)

میں کہتا ہوں کہ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ پیغمبر نے اپنی زندگی کے اکثر دنوں میں بے شمار لوگوں کو تھوڑے سے کھانے سے شکم سیر کیا ہے اور یہ آپ کے معجزات اور آپ کی نبوت کے علامات میں سے ہے۔ لیکن ابو ہریرہ کی یہ حدیث ان خاص الخاص حدیثوں میں سے ہے جنھیں ابو ہریرہ نے بنی امیہ کے لوگوں اور ان کے حالی موالی عوام الناس جو عثمان کی قمیص اور نائلہ زوجہ عثمان کی کٹی ہوئی انگلیوں پر صف ماتم بچھائے مصروف نالہ و فریاد تھے کو خوش کرنے کے لیے اور ان سے پیسہ کمانے، ان کی بخششوں سے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے گڑھی تھیں۔ بنی امیہ کی خوشامد انکی چاپلوسی اور ان سے جلب منفعت کرنے کے لیے ابو ہریرہ نے نئے نئے ڈھنگ اختیار کیے تھے۔ انھیں میں سے اس قسم کی حدیث سازی بھی تھی۔ اس حدیث کے من گڑھت ہونے کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث کے بیان کرنے میں گرگٹ کی طرح رنگ بدلے ہیں کہیں کچھ بیان کیا ہے کہیں کچھ جیسا کہ اس حدیث مزدود کے طرق و اسناد کی تلاش و جستجو سے بآسانی پتہ چل جائے گا کہیں کسی اور طرح آپ کو یہ حدیث ملے گی اور کہیں کسی اور طرح

ابو ہریرہ کے پاس حدیثوں کا ایک پٹارہ تھا ان کے اس مذکورہ بالا توشہ دان سے بھی بڑا جو ان کی لیاقت و ہمہ دانی کا صندوق تھا جب چاہا اس پٹارہ سے طرح طرح کی حدیثیں حسب خواہش و تمنا نکال کر پیش کر دیں۔ اکثر لوگوں نے ان کے حدیث بیان کرتے وقت ان سے پوچھا بھی کہ ابو ہریرہ تم نے اس حدیث کو پیغمبرؐ سے سنا ہے؟ تو وہ کہتے، نہیں، یہ ہمارے پٹارے کی خاص چیز ہے۔

ابو ہریرہ کے عجائب و نوادر کہاں تک بیان کیے جائیں "سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے" یہ تو نمونہ کے طور پر چند حدیثیں بیان کی گئیں۔

۱۲

ابو ہریرہ کی حدیثیں مرسل کا حکم رکھتی ہیں

ابو ہریرہ کا طریقہ پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کرنے میں یہ تھا کہ جو حدیثیں انھوں نے خود پیغمبرؐ سے نہ سُنی ہوتیں بلکہ کسی اور ذریعہ سے انھیں معلوم ہوئی ہوتیں ان حدیثوں کو بھی وہ یوں بیان کرتے جیسے انھوں نے پیغمبرؐ ہی سے سُنا ہو۔ اور غضب یہ کرتے کہ کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں قائم کرتے تھے جس سے سمجھنے والے سمجھ سکیں کہ یہ حدیث انھوں نے پیغمبرؐ سے براہ راست سنی ہے یا کسی اور کے واسطہ سے جو حدیثیں انھوں نے خود پیغمبر کی زبانی سنی تھیں اور دوسروں کی زبانی دونوں کو ایک ہی طرح بیان کرتے اور براہ راست پیغمبرؐ کی طرف نسبت دے کر کہتے تھے حدثنی رسول اللہ اخبرنی رسول اللہ مجھ سے پیغمبر نے حدیث بیان فرمائی۔ مجھے پیغمبر نے خبر دی" اسی خلط ملط نے اُن کی تمام حدیثوں کو مرسل کے حکم میں کر دیا جو نہ حجت بن سکتی ہیں نہ کسی مطلب پر بطور دلیل پیش کیے جانے کے قابل ہیں۔

اگر آپ کو کوئی شبہ ہو تو میں مثال کے طور پر اُن کی وہ حدیثیں پیش کرتا ہوں جو انھوں نے جناب ابو طالب کے متعلق بیان کیں جس میں ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے کہا کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کہیے تاکہ میں بروز قیامت آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں۔ ابو طالب نے کہا کہ اگر قریش والے مجھے عیب نہ لگاتے الخ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد اول ص۲۱ ہم اس پر تبصرہ کر چکے ہیں)

دنیا جانتی ہے کہ جناب ابوطالب کی وفات ابوہریرہ کے حجاز آنے کے کم سے کم دس برس پہلے ہوئی لہٰذا بفرض محال پیغمبرؐ و ابوطالب میں اگر یہ باتیں ہوئیں بھی تو ابوہریرہ اس موقع پر موجود کب تھے کہ انھوں نے یہ حدیث پیغمبر و ابوطالب کی طرف نسبت دے کر بے تکلف بیان کر دی جیسے معلوم ہوتا ہے یہ اس موقع پر موجود تھے اور ابوطالبؑ پیغمبر کو باہم باتیں کرتے ہوئے اپنے کانوں سے سُن رہے تھے۔

اسی طرح ان کی وہ حدیث جس میں انھوں نے دعوت عشیرہ کے واقعہ کو بیان کیا ہے کہ "جب آیہ وانذر عشیرتك الاقربین نازل ہوئی تو پیغمبرؐ نے کھڑے ہو کر کہا اے معشر قریش میں تم لوگوں کو خدا کے عذاب سے ذرہ برابر بھی بچا نہیں سکتا"[1]

صاحبانِ علم جانتے ہیں اور سب کا باہمی اتفاق و اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت مکہ میں اسلام پھیلنے کے بہت قبل ابتدائے دعوتِ اسلام میں نازل ہوئی اور ابوہریرہ اس وقت کافر و مشرک تھے وہ اس آیت کے اترنے کے بیس برس بعد سرزمین حجاز پر وارد ہوئے مگر وہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے سارا واقعہ ان کا چشم دید واقعہ ہو جیسے

اسی طرح انھوں نے یہ حدیث[2] بیان کی ہے کہ پیغمبر قنوت میں دعا فرماتے "خداوندا سلمہ ابن ہشام کو نجات دے ولید بن ولید کو نجات دے، عیاش ابن ابی ربیعہ کو نجات دے جو کمزور مومنین ہیں انھیں نجات دے"! (جنھیں مشرکین مکہ نے ہجرت کرنے اور مکہ سے مدینہ جانے سے روک رکھا تھا) ظاہر ہے کہ یہ اشخاص ہجرت سے روکے گئے تھے اسی لیے پیغمبرؐ نے اُن کے متعلق دعا فرمائی اور یہ واقعہ ابوہریرہ کے اسلام لانے کے سات سال قبل کا ہے وہ اس موقع پر موجود تھے ہی نہیں

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۸۶ مسلم و مسند امام احمد - ہم اس حدیث پر بھی گذشتہ صفحات میں تبصرہ کر چکے ہیں [2] بخاری پارہ ۲ ص ۱۰۵ باب الدعا علی المشرکین

جو بچشم دید واقعہ کی طرح اس واقعہ کو بیان کرنے کے عادی ہوئے -

ایک اور حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ " ابو جہل نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا محمدؐ تمہاری موجودگی میں اپنی پیشانی خاک پر رکھتے ہیں ؟ انھوں نے کہا ہاں [1]"

اگر واقعتاً ابو جہل نے یہ بات کہی تو ابو ہریرہ کے اسلام لانے اور یمن سے مدینہ آنے کے بیس برس پہلے کہی ہوگی ، انھوں نے ابو جہل کو دیکھا کب جو اس کی طرف منسوب کرکے یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے خود انھوں نے ابو جہل کو یہ فقرہ کہتے سنا ہو۔

نیز یہ واقعہ رجیع میں کب موجود تھے اور اس کے افسر عاصم بن ثابت انصاری کو جو اس واقعہ میں شہید ہوئے کب دیکھا تھا جو اس واقعہ کا وہ حدیث [2] میں یوں تذکرہ کرتے ہیں جیسے خود واقعہ رجیع میں رہے ہوں اور انھوں نے عاصم بن ثابت کو دیکھا بھی ہو حالانکہ یہ واقعہ رجیع ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے تین برس پہلے صفر ۴ھ میں پیش آیا تھا۔

ابو ہریرہ کے سوانح حیات کا مطالعہ کرنے والا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ حرکت ابو ہریرہ کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھی وہ ہر ایسے واقعہ کو جس میں ان کا وجود و نشان بھی نہ ہوتا، یوں بیان کرنے کے عادی ہیں جیسے وہ خود واقعہ میں موجود رہے ہوں -

احمد امین مصری جو ایک فاضل جید ہیں اُن کی اس روش کو جان گئے چنانچہ ابو ہریرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں [3] کہ " بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف انھیں حدیثوں پر اکتفا نہیں کی جسے انھوں نے خود پیغمبرؐ سے سنا تھا بلکہ انھوں نے پیغمبر کی طرف منسوب کرکے وہ حدیثیں بھی بیان کیں جسے انھوں نے پیغمبرؐ کے علاوہ دوسرے دوسرے اشخاص سے سُنا تھا "

میں کہتا ہوں کہ اس کا اعتراف خود ابو ہریرہ نے کیا ہے - ایک مرتبہ انھوں نے پیغمبرؐ کی یہ حدیث بیان کی " جو شخص حالت جنب میں صبح کرے وہ روزہ نہ رکھے اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا " ، جب جناب عائشہ و ام سلمہ ازواج پیغمبرؐ نے اُن کی اس حدیث کی

تردید کی اور کہا کہ یہ غلط ہے، پیغمبرؐ کا یہ حکم ہرگز نہیں، تو انھوں نے سارا الزام فضل بن عباس (جو غریب مر چکے تھے) کے سر تھوپ دیا اور کہا کہ میں نے اس حدیث کو فضل سے سُنا تھا پیغمبرؐ سے نہیں سنا۔ اُن کا عذر سچ ہو یا غلط بہر حال یہ بات روشن ہوگئی کہ واقعاً وہ ایسی حدیثوں کو بھی جنھیں پیغمبرؐ سے نہیں سُنے ہوتے پیغمبرؐ ہی کی طرف منسوب کرکے بیان کردیتے کہ "پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا" اگر آپ فرمائیے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے ابوہریرہ نے اگر کسی دوسرے صحابی سے پیغمبر کی حدیث سن کر پیغمبرؐ ہی کی طرف منسوب کرکے حدیث بیان بھی کردی تو اس سے خرابی کیا ہوئی۔ تو میں کہوں گا کہ خرابی تو کچھ نہیں البتہ اس صورت میں اُن کی حدیثیں نہ تو حجت ہوسکتی ہیں اور نہ صحیح مانے جانے کے قابل ہیں۔ اگرچہ اس حدیث کے راوی عادل ہی کیوں نہ ہوں بلکہ یہ حدیثیں مرسل ہوں گی جب تک سارے راوی اور سلسلہ روایت کی ایک ایک کڑی معلوم نہ ہوجائے اور یہ پتہ نہ چل جائے کہ سلسلہ اسناد کے تمام راوی ثقہ اور عادل ہیں۔ دوسری لفظوں میں یہ سمجھیے کہ راوی کا عادل ہونا حدیث کے صحیح ہونے کی پہلی شرط ہے لہذا سلسلہ اسناد کے ایک ایک راوی کا پتہ چلنا ضروری ہے تاکہ معلوم تو ہو کہ جن جن راویوں کے واسطہ سے یہ حدیث ہم تک پہنچی ہے وہ سب عادل تھے یا اُن میں کوئی غیر عادل بھی تھا۔ اور جب بیچ سے کسی راوی کا نام ہی غائب ہو تو پتہ کیسے چلے گا کہ وہ بیچ والا عادل تھا کہ غیر عادل۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ ایک حدیث کے متعلق زید بیان کرے کہ میں نے بکر سے سنا بکر نے خالد سے اور خالد نے عمرو سے اور عمرو نے پیغمبرؐ سے تو ایک راوی سے دوسرے راوی کا سلسلہ ملا ہوا ہے اب اگر زید بکر خالد عمرو عادل ہیں تو حدیث حجت ہوگی اس پر عمل ضروری ہوگا۔

---

[1] ابوہریرہ نے یہ حدیث اس زمانہ میں بیان کی تھی جب مروان حاکم مدینہ تھا معاویہ کی طرف سے جیسا کہ صحیح بخاری پارہ اول صفحہ ۲۲۵ باب الصائم یصبح جنبا میں صراحت بھی ہے اور شارحین بخاری نے بھی وضاحت کی ہے اور فضل خلافت ابی بکر میں یا خلافت عمر میں شہید ہوچکے تھے اور ابوہریرہ کے حدیث بیان کرنے کے وقت زندہ موجود ہی نہ تھے۔

لیکن اگر اسی حدیث کو زید یوں بیان کرے کہ میں نے بکر سے سنا اور بکر نے عمرو سے اور عمرو نے پیغمبر سے - اور یہ معلوم ہے کہ بکر نے عمرو کو دیکھا ہی نہیں، عمرو بکر کے پیدا ہونے یا سن شعور پر پہنچنے کے قبل ہی مرگیا تھا تو یہ حدیث مشتبہ ہو جائے گی کیونکہ بیچ کی ایک کڑی غائب ہو گئی ایک راوی کا نام معلوم نہ ہو سکا تو کیا پتہ کہ وہ بیچ والا عادل تھا کہ غیر عادل لہذا یہ حدیث درجہ اعتبار سے گر جائے گی - مختصر یہ کہ ابوہریرہ کی بہت حدیثیں مرسل ہیں جنھیں انھوں نے بغیر پیغمبر سے سنے یا اس موقع پر موجود ہونے کے پیغمبر کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیا ہے اس وجہ سے وہ حدیثیں بالکل ناکارہ ہیں اُن سے کام لیا ہی نہیں جا سکتا - اور چونکہ یہ پتہ نہیں کہ کون سی حدیث اُن کی مرسل ہے اور کون سی مستند - کس حدیث کو خود پیغمبر سے سن کر بیان کیا ہے اور کس حدیث کو بغیر پیغمبر سے سُنے ہوے - لہذا سبھی حدیثیں اُن کی ایک درجہ میں رکھی جائیں گی اور مسند بھی مرسل ہی سمجھی جائے گی - اور ساری حدیثیں اکارت جائیں گی کسی پر عمل درست نہ ہو گا جیسا کہ حدیث کے قواعد مقررہ کا منشا ہے -

۱۳
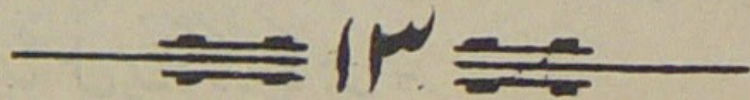
ابوہریرہ کا دعویٰ اُن واقعات میں موجود ہونے کا جن میں وہ موجود نہ تھے

ابوہریرہ نے جن جن واقعات میں اپنی موجودگی کو بیان کیا ہے سبھی کے متعلق یہ خیال کرنا حق بجانب ہے کہ وہ ان واقعات میں غالباً موجود ہی نہ ہوں - مثال کے طور پر ان کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے جس میں وہ بیان کرتے ہیں " میں رقیہ دختر پیغمبر زوجہ عثمان کے پاس گیا اُن کے ہاتھ میں کنگھی تھی رقیہ نے بیان کیا کہ ابھی ابھی پیغمبر میرے پاس سے تشریف لے گئے ہیں میں نے آں حضرت کے بالوں میں کنگھی کی، آں حضرت نے مجھ سے پوچھا

تم ابوعبداللہ یعنی عثمان کو کیسا پاتی ہو؟ میں نے عرض کیا اچھا پاتی ہوں۔ آں حضرت نے فرمایا اُن کی عزت و تکریم کرنا کہ وہ میرے خُلق میں تمام صحابہ سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہیں"۔

اس حدیث کو امام حاکم نے (مستدرک ج ۴ ص۴۸ میں) ذکر کیا ہے اور ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "یہ حدیث صحیح الاسناد ہے (یعنی معتمد و ثقہ افراد سلسلہ بسلسلہ ابوہریرہ سے روایت کرتے آئے ہیں) مگر مضمون حدیث مہمل و واہیات ہے کیونکہ رقیہ ۳ھ میں مرچکی تھیں اور ابوہریرہ فتح خیبر کے بعد (۷ھ میں) مسلمان ہوئے"۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کو باقی رکھا ہے اور اس حدیث کو درج کر کے لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث صحیح ہے مگر مضمون غلط ہے کیونکہ رقیہ جنگ بدر کے موقع پر فوت ہوئیں اور ابوہریرہ جنگ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے۔

ایک دوسری حدیث پیغمبرؐ کے سہو فرمانے کے متعلق ابوہریرہ نے بیان کی ہے کہ پیغمبرؐ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دوسری ہی رکعت میں سلام پھیر کر فارغ ہوگئے، اس پر ذوالیدین نے کہا حضور، نماز میں کمی کردی گئی یا آپ بھول گئے الخ"

یہ ذوالیدین جنگ بدر میں شہید ہوئے ابوہریرہ کے مسلمان ہونے کے بہت پہلے جیسا کہ ہم گیارھویں فصل میں ذکر کرچکے ہیں۔

ابوہریرہ اکثر خوش ہو ہو کر بیان کیا کرتے کہ "ہم نے خیبر فتح کیا مال غنیمت میں ہم نے نہ سونا پایا نہ چاندی البتہ اونٹ، گائے، مال و اسباب، مکان بہت کثرت سے مال غنیمت میں ہاتھ آئے"۔ [۱]

حالانکہ ابوہریرہ خیبر میں تھے ہی نہیں مورخین و محدثین بہ یک لفظ متفق ہیں کہ وہ فتح خیبر کے بعد آئے، اسی وجہ سے بخاری و مسلم کے شارحین اس حدیث کی

---

[۱] صحیح بخاری پارہ ۳ ص۳۷ باب غزوہ خیبر ۱۲

شرح میں عجب کشمکش میں پڑ گئے اور مجبوراً اس فقرے کا مطلب انھوں[1] نے یہ لیا کہ "ہم" سے مراد ابوہریرہ نہیں بلکہ مسلمان مقصود ہیں۔

کبھی یہ بیان کرتے کہ "ہم پیغمبرؐ کے ہمراہ خیبر میں تھے ایک شخص جو آپ کے ہمراہیوں میں تھا اور مدعی اسلام تھا اس کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے چنانچہ جب جنگ چھڑی تو اس شخص نے پیغمبرؐ کی طرف سے بڑی سخت جنگ لڑی یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو گیا قریب تھا کہ لوگ شک و شبہ میں پڑ جائیں (کیونکہ اس شخص نے پیغمبرؐ کی حمایت میں ایسی شدید جنگ کی تھی کہ قریب تھا درجۂ شہادت پر فائز ہو اور پیغمبرؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ وہ جہنمی ہے ظاہر ہے کہ یہ بات بڑے شک و شبہ کی تھی) پس ہوا یہ کہ وہ شخص زخموں کی تکلیف سے بے حد بےچین ہوا پس جھک کر اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور اپنے حلق میں بھونک کر اپنے کو حلال کر ڈالا[2]"

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث دو وجہوں سے محل نظر ہے ایک تو اس وجہ سے کہ ابوہریرہ مدعی ہیں کہ میں اس واقعہ میں موجود تھا پیغمبرؐ کے ہمراہ تھا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ اس واقعہ میں موجود ہی نہ تھے اسی وجہ سے شارحین اس حدیث کی شرح میں کشمکش میں پڑ گئے اور کہا کہ ابوہریرہ نے یہ جو کہا ہے کہ "ہم پیغمبرؐ کے ہمراہ خیبر میں تھے" تو یہ مجازاً کہا ہے "ہم" سے مراد ابوہریرہ نہیں بلکہ اُن کے اہل جنس مسلمان مراد ہیں کیونکہ یہ طے شدہ ہے کہ ابوہریرہ بعد فتح خیبر آئے۔ (قسطلانی شارح صحیح بخاری[3])

---

[1] صحیح بخاری کی دو شرحیں ارشاد الساری للقسطلانی اور تحفۃ الباری للانصاری جو ایک ساتھ چھپی ہیں ان کے جلد ۶ صفحہ ۱۵۴ پر بھی یہ تاویل موجود ہے ساتھ ساتھ یہ صراحت بھی کہ ابوہریرہ فتح خیبر میں تھے ہی نہیں۔ سندی نے بھی اپنے حاشیہ میں یہی اعتراف و تاویل کی ہے [2] صحیح بخاری پارہ ۳ صفحہ ۳۴

دوسری وجہ یہ کہ جس شخص نے اپنے کو حلال کر ڈالا تھا وہ قزمان بن حرث حلیف ظفر منافق ہے۔ ابو ہریرہ نے اس کے متعلق جس واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ کافی مشہور ہے یہ شخص جنگ احد میں مرا ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے بہت پہلے لیکن ابو ہریرہ نے اسے جنگ خیبر میں لا ڈالا اور کہیں کی بات کہیں چپکا دی۔

ایک اور حدیث میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ "میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا جن میں کسی کے تن پر ردا نہیں تھی۔" [۲]

میں کہتا ہوں کہ یہ ستر کے ستر اصحاب صفہ جنگ بئر معونہ میں شہید ہو گئے تھے۔ پیغمبرؐ اس واقعہ پر بے حد ملول بھی ہوئے اور پورے ایک ماہ تک نماز میں قنوت کے اندر ان اصحاب صفہ کے قاتلین پر لعنت فرمایا کیے۔ یہ واقعہ صفر ۴ھ کا ہے ابو ہریرہ کے اسلام لانے اور یمن سے مدینہ آنے کے بہت پہلے۔ لہذا یہ دعویٰ کیونکر صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔

علامہ قسطلانی[۳] نے اُن کے اس قول کی توجیہ یہ کی ہے کہ "یہ ستر جنھیں ابوہریرہ نے دیکھا یہ اُس ستر کے علاوہ ہوں گے۔ واللہ اعلم"

غرضکہ ابو ہریرہ کے حالات کی چھان بین اور اُن کی حدیثوں کو ایک ایک کر کے

---

[۱] واقدی و ابن اسحاق نے بھی ذکر کیا ہے اور ابن حجر اور دیگر ارباب سیر و تواریخ نے بھی۔ یہ قزمان وہی شخص ہے جس نے جنگ احد میں بے پناہ شمشیر زنی کی جس مشرک پر نظر پڑی ٹوٹ پڑا اور تہ تیغ کیا یہاں تک کہ پیغمبرؐ سے کہنے والوں نے کہا بھی کہ جیسی قزمان نے داد شجاعت دی ہے ویسی کسی نے بھی نہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا لیکن "ہے وہ جہنمی ہی" یہ قزمان زخموں سے چور چور ہو گیا جس کے سبب جلد سے جلد مرجانا چاہا نیزہ کھڑا کر کے دستہ زمین پر رکھا اور پھل اپنے سینہ کی طرف اور اس پر پوری طاقت سے اپنے کو گرا کر مار ڈالا۔ صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۰۱ باب لا یقول فلان شہید ۱۲ ہم شروع حالات ابو ہریرہ میں بھی اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں

[۲] صحیح بخاری پارہ ۲ صفحہ ۶۰

[۳] ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۲۲

دیکھنے سے ہم اس قطعی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ بہت سی حدیثیں پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے کے عادی تھے جن کو انھوں نے کبھی پیغمبرؐ سے نہیں سنا۔ اور اکثر ایسے واقعات چشم دید شاہد کی طرح بیان کرنے کے خوگر ہیں جن واقعات میں اُن کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

اکثر ایسا ہوا کہ انھوں نے کوئی بات کعب الاحبار یا اور کسی سے کوئی بات سنی، انھیں اچھی معلوم ہوئی انھوں نے پیغمبرؐ کی طرف نسبت دے کر بیان کر دیا جیسا کہ انھوں نے اس حدیث میں کیا ہے کہ خلق اللہ آدم علی صورتہ طولہ ستون ذراعا فی عرض سبعۃ[1] اذرع خداوند عالم نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اُن کا طول ۶۰ ہاتھ اور چوڑان سات ہاتھ تھی۔" ابو ہریرہ کی یہ ایسی حرکت تھی جس کی وجہ سے ہر با ایمان مجبور ہے کہ ان کی حدیثوں سے کوسوں بھاگے۔ حیرت تو ہوتی ہے ان صحاح ستہ کے جامعین پر جنھوں نے ابو ہریرہ کی حدیثوں سے اپنے صحیحوں کو بھر دیا لیکن اس کی طرف توجہ تک نہ کی کہ ان حدیثوں میں کیا مہملات و فضولیات موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کسی طرح صحیح ہو ہی نہیں سکتیں۔ نہ اس بات پر انھوں نے دھیان دیا کہ ان کی حدیثوں میں من گڑھت اور خود ساختہ ہونے کی کتنی واضح علامتیں موجود ہیں۔

صحیح مسلم و صحیح بخاری کی حدیثوں پر نظر کیجیے تو آسانی سے آپ اس حقیقت کو محسوس کر لیں کہ بخاری و مسلم نے کس طرح آنکھ بند کر کے ابو ہریرہ کی حدیثیں درج کر ڈالی ہیں۔ ایک نمونہ ہم پیش کرتے ہیں جس سے آپ خود ہی فیصلہ کر لیں۔

امام مسلم نے ابو سفیان کے فضائل میں عکرمہ بن عمار عجلی یمامی کے واسطہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ "مسلمان ابو سفیان کو خاطر میں بھی نہ لاتے تھے نہ اس کے پاس اُٹھتے بیٹھتے، ابو سفیان نے پیغمبرؐ سے کہا، حضور! تین سوال میرے پورے کر دیجیے۔

---

[1] گیارھویں فصل میں ہم اس حدیث پر تبصرہ کر چکے ہیں۔

آں حضرتؐ نے فرمایا اچھا کہو! ابوسفیان نے کہا میرے پاس عرب کی حسین و جمیل ترین خاتون میری بیٹی ام حبیبہ ہے میں اس کو آپ کی زوجیت میں دیتا ہوں آں حضرتؐ نے فرمایا میں نے قبول کیا۔ ابوسفیان نے کہا معاویہ کو آپ اپنا کاتب بنا لیجیے۔ پیغمبرؐ نے کہا اچھی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کی بیعت میں اسی طرح کافروں سے جنگ کروں جس طرح میں حالتِ کفر میں آپ سے جنگ کرتا تھا، پیغمبرؐ نے کہا تمھیں اجازت ہے۔" [1]

امام مسلم نے فضائل ابوسفیان میں بس یہی ایک حدیث درج کی ہے اور یہ حدیث بھی بالاتفاق باطل ہے اس لیے کہ دنیا جانتی ہے ابوسفیان بروز فتح مکہ مسلمان ہوا فتح مکہ سے پہلے وہ شدید ترین دشمنِ خدا و رسول تھا اور ہر لمحہ برسرِ پیکار تھا پیغمبر سے، لیکن اس کی بیٹی ام حبیبہ جن کا نام رملہ تھا یہ ہجرت سے بھی پہلے اسلام لا چکی تھیں اور اُن کا اسلام مستحسن بھی تھا اور جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اُن کے ساتھ انھوں نے بھی ہجرت کی تھی، اپنے باپ ابوسفیان اور اپنی قوم کے ڈر سے ـــــ اور پیغمبر

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۱ یہ حدیث عکرمہ یمامی کی خود ساختہ باطل حدیثوں میں سے ہے ابن حزم نے بھی اس کے باطل ہونے صراحت کی ہے جیسا کہ نووی شارح صحیح مسلم نے اس حدیث کی شرح میں نقل کیا ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں بسلسلہ حالات عکرمہ بن عمار لکھتے ہیں کہ "صحیح مسلم میں ایک بے سر و پا منکر حدیث اس کی بسلسلہ اسناد عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ ابوسفیان نے پیغمبرؐ سے تین باتوں کا سوال کیا۔ اس کے علاوہ اسی صحیح مسلم میں تین حدیثیں عکرمہ کی اور بھی ہیں دوسرے اسناد سے" میں کہتا ہوں کہ منجملہ اس کے دیگر منکرات و اباطیل کے ایک حدیث یہ بھی ان رسول اللہ قال ابو بکر خیر الناس پیغمبر نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر بہترین خلائق ہیں۔ ابن عدی نے اسے اپنی کتاب کامل میں روایت کیا ہے اس کتاب کامل کے متعلق علامہ ذہبی کا قول ہے اکمل الکتب واجلها فی معرفة الضعفا۔ یہ کامل ضعیفوں کی معرفت میں مکمل ترین جلیل القدر کتاب ہے۔"

بہت پہلے ہی انھیں اپنی زوجیت میں لے چکے تھے جبکہ ابوسفیان بحالت کفر پیغمبرؐ کا جانی دشمن اور ہر لمحہ برسر جنگ رہا کرتا تھا۔ جب اسے خبر ملی کہ اس کی بیٹی ام حبیبہ کو پیغمبرؐ نے زوجیت میں لے لیا ہے تو اس نے یہ فقرہ کہا تھا " ذالك الفحل لا يقدع انفه محمد تو ایسے نر ہیں جن کی ناک موڑی ہی نہیں جاسکتی "۔

اور اس کے بعد وہ صلحنامہ حدیبیہ کی مدت پیغمبرؐ سے بڑھوانے کی غرض سے مدینہ آیا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس پہنچا جب ابوسفیان نے ام حبیبہ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انھوں نے بستر سمیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا، مجھ سے اتنی بیزاری؟ ام حبیبہ نے کہا ہاں یہ پیغمبرؐ کا بستر ہے اور تم مرد نجس و مشرک ہو" اس واقعہ کو تمام علمائے اسلام نے لکھا ہے اور کسی کو بھی اس واقعہ میں شک و شبہ نہیں۔ ام حبیبہ کے حالات جس کتاب میں بھی دیکھیے یہ واقعہ آپ کو ملے گا۔ خود علامہ نووی شارح صحیح مسلم[1] بھی اس حدیث کی شرح میں اس واقعہ کو لکھ گئے۔

۱۴
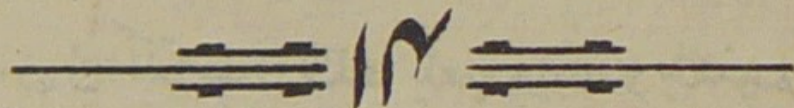
اگلے لوگوں کی ابوہریرہ سے بیزاری

خود ابوہریرہ کے زمانے میں لوگوں نے ابوہریرہ کو بُرا جانا اور اُن کی حدیثیں سن کر اپنے کانوں پر ہاتھ دھرے۔ کیونکہ انھوں نے حدیثوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگا دیے اور ایسے نرالے ڈھنگ سے حدیثیں بیان کیں جس کی وجہ سے اُن کی حدیثوں میں شک و شبہ واجب و لازم تھا اسی وجہ سے لوگوں نے بالمشافہ ان پر اعتراضات کیے اور اُن کی حدیثوں کی تعداد اور طرز بیان، کیفیت و کمیت دونوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی

---

[1] شرح نووی مطبوعہ برحاشیہ ارشاد الساری

ناپسندیدگی کا اظہار کیا، اس کا ثبوت خود ابوہریرہ کا قول ہے جو انھوں نے بڑے کرب و الم اور بڑی مظلومیت کے انداز میں کہا تھا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ خدا اُن سے سمجھے نیز لوگ کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے مہاجرین و انصار ابوہریرہ جیسی حدیث نہیں بیان کرتے"۔ خود ابوہریرہ نے صراحت کر دی کہ اُن کی حدیثوں کی تعداد اور کیفیت بیان، سبب انکار و ناپسندیدگی رہی۔ ابوہریرہ نے لوگوں کو خدا اور قیامت کے دن کی دھمکی بھی دی یہ کہہ کر کہ خدا اُن سے سمجھے۔ بڑے دردناک اور دُکھ بھرے انداز میں یہ فقرہ انھوں نے کہا تھا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ ابوہریرہ اگر شرعاً مکلف نہ ہوتے اور مذہبی حیثیت سے پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کرنا فرض نہ ہوتا تو کبھی وہ حدیث نہ بیان کرتے کیونکہ لوگ اُن کے متعلق اچھے خیالات رکھتے ہی نہیں۔ چنانچہ اسی حدیث کے آخر میں ابوہریرہ کا یہ جملہ بھی ہے کہ اگر کلام مجید میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں تم سے کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا خداوند عالم کا ارشاد ہے ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللاعنون[1] جو لوگ ہماری نازل کردہ روشن آیتوں اور ہدایت کی باتوں کو ہمارے کتاب میں بیان کر دینے کے بعد بھی چھپاتے ہیں وہ لوگ وہی ہیں جن پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں" غالباً اب اس کی صداقت میں کسی کو تامل باقی نہ رہے اُن کے اس قول ہی سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ لوگ ان کی حدیثوں کو ناپسند کرتے تھے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار ان کے مُنہ پر کر دیتے تھے۔

اس سے واضح دلیل لوگوں کی ناپسندیدگی کی ابو رزین[2] کی وہ حدیث ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ ہماری طرف ابوہریرہ آئے انھوں نے اپنی پیشانی پر

---

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع و صحیح مسلم [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ کتاب اللباس

ہاتھ مارا اور کہا تم لوگ کہتے ہو کہ میں پیغمبر پر اتہام رکھتا ہوں اور اُن کی طرف سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتا ہوں تاکہ تم لوگ ہدایت پاؤ اور میں دین سے بھٹکا رہوں؟

اور جب یہ معاویہ کے ہمراہ جماعت والے سال عراق آئے اور اپنے استقبال کرنے والوں کے جم غفیر پر نظر پڑی تو مسجد کوفہ کے اندر یہ دونوں گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور لگے اپنی کھوپڑی پر دوہتڑ مارنے تاکہ لوگ اُن کی اس حرکت پر متوجہ ہوں۔ جب لوگ ان کی طرف مڑے اور ارد گرد مجمع اکٹھا ہوگیا تو یہ برس پڑے اور کہا "اے عراق والو! کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ میں خدا و رسول پر جھوٹی تہمت دھرتا ہوں اور جھوٹی حدیثیں گڑھ کر بیان کرتا ہوں اور اپنے کو جہنم کا ایندھن بنا رہا ہوں" اور بھی بہت سی باتیں انھوں[1] نے کہیں اور بنی امیہ کی خوشامد و تملق میں امیر المومنینؑ کے خلاف جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

مختصراً یہ سمجھ لیجیے کہ اکثر صحابہ کبار انھیں جھوٹا سمجھتے تھے چنانچہ فاضل جلیل احمد امین مصری ابوہریرہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں[2]:-

"بعض صحابہ نے ابوہریرہ کے اتنی افراط سے حدیثیں بیان کرنے پر بہت کڑی تنقیدیں کی ہیں اور اُن کی حدیثوں کو بیحد مشکوک کہا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے" اس کے بعد احمد امین مصری نے صحیح مسلم کی دو حدیثیں ذکر کی ہیں جن سے ابوہریرہ پر لوگوں کا تنقید کرنا اور اُن کی حدیثوں میں شک کرنا مذکور ہے۔

فاضل جلیل القدر مصطفےٰ صادق رافعی مصری نے بھی ایک موقع پر ابوہریرہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "یہ تمام صحابہ سے زیادہ حدیثیں

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول ص ۳۵۹ طبع مصر [2] فجر الاسلام باب ۶

بیان کرنے والے ابوہریرہ ہیں۔ یہ صرف تین برس خدمتِ پیغمبرؐ میں رہے اور اسی وجہ سے عائشہ، عمر، عثمان، علیؓ ان پر اعتراض کرتے اور انھیں متہم گردانتے تھے اور یہ اسلام میں پہلے راوی ہیں جو متہم سمجھے گئے۔ عائشہ تو سب سے زیادہ شدت سے ان پر اعتراض کرتی تھیں[1]"۔

نظام[2] نے کہا ہے "عائشہ، عمر، عثمان اور علیؓ ان میں سے ہر ایک نے ابوہریرہ کو جھوٹا کہا"۔

ابن قتیبہ ابوہریرہ کی حمایت میں نظام کے اعتراضات کا جب جواب دینے لگے تو انھیں بھی اس حقیقت کا بہرحال اعتراف کرنا ہی پڑا۔ ہم ابن قتیبہ کی اصل عبارت (کا ترجمہ) ہی پیش کیے دیتے ہیں:-

ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ نظام[3] نے ابوہریرہ پر یہ جو طعن کیا ہے کہ عمر، عثمان، علی و عائشہ انھیں جھوٹا سمجھتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوہریرہ تقریباً ۳ برس پیغمبرؐ کی صحبت میں رہے اور آپ سے بکثرت حدیثیں انھوں نے روایت کیں۔ لہذا جب انھوں نے اتنی روایتیں بیان کیں جتنی بڑے بڑے صحابہ اور سابقین اولین کی مجموعی تعداد نہ روایت کر سکی تو ان کبار صحابہ[4] نے انھیں متہم قرار دیا اور ان سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کہا تم نے اتنی حدیثیں اکیلے کیسے سُن لیں، تمھارے ساتھ اور کس نے ان حدیثوں کو سُنا۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ عائشہ تو سب سے زیادہ اُن کی حدیثوں کی منکر تھیں کیونکہ عرصہ تک دونوں کا

---

[1] آداب العرب جلد اول ص ۲۸۲ مبحث الروایۃ بعد الاسلام [2] کتاب تاویل مختلف الحدیث ابن قتیبہ ص ۲۷ [3] کتاب تاویل مختلف الحدیث ص ۴۸ [4] ابن قتیبہ نظام کی رد کرنا چاہتے تھے مگر تائید کر گئے۔ نظام نے صرف عائشہ، عمر، عثمان، علی کا نام لیا تھا انھوں نے اقرار کر لیا کہ تمام کبار صحابہ نے انھیں متہم قرار دیا۔

حدیثیں روایت کیا کرتے یا کوئی ایسی حدیث بیان کرتے جس کا کوئی دوسرا شاہد ہوتا الخ

ابن قتیبہ نے ابوہریرہ کی حمایت کرتے ہوئے بھی اس بات کا اعتراف کرہی لیا کہ کبار صحابہ ابوہریرہ کی اس کثرت روایات پر برہم رہا کرتے اللہ کی شان کہ حق بات زبان پر آہی گئی۔ رہ گیا آگے چل کر ابن قتیبہ کا یہ کہنا کہ جب ان کبار صحابہ نے ابوہریرہ کی سرزنش کی تو ابوہریرہ نے ان لوگوں کو بتایا کہ پیغمبرؐ کی بارگاہ میں مجھے بہت تقرب حاصل تھا۔ اور پیغمبر مجھ سے ایسی باتیں بیان فرماتے جو کسی اور سے نہ کہتے اسی وجہ سے میں نے اتنی حدیثیں بیان کیں اور ابوہریرہ کی اس معذرت پر پھر کبار صحابہ نے اُن کے متعلق[1] لب کشائی نہیں کی" تو یہ ابن قتیبہ کی دھاندلی ہے کیونکہ کبار صحابہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ابوہریرہ کی کیا قدر و قیمت تھی پیغمبرؐ کی نگاہوں میں لہذا ابوہریرہ کا ان کبار صحابہ سے اپنی منزلت و تقرب جتانا فضول سی بات تھی اگر واقعًا ان کی کوئی منزلت پیغمبر کی نگاہوں میں ہوتی اور کبار صحابہ انھیں معزز و محترم جانتے ہوتے تو کبھی نہ انھیں جھٹلاتے نہ متہم کرتے خود ابوہریرہ کا بیان اوپر گذر چکا ہے کہ میں منبر و حجرہ عائشہ کے درمیان (عہد پیغمبر میں) غش کے عالم میں گر پڑتا تھا، آنے والے آتے اور میری گردن پر پیر رکھ کر چلے جاتے لوگ مجھے دیوانہ سمجھتے" جب اتنی ذلیل نوبت آگئی تھی بعہد پیغمبر تو پھر ان کے معزز و محترم ہونے کے کیا معنی؟

مختصر یہ کہ کبار صحابہ و تابعین کا انھیں ناپسند کرنا اور انھیں جھوٹا سمجھنا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں صحابہ و تابعین ہمیشہ ان سے بدگمان رہے اور انھیں جھوٹا کہنے میں کبھی ہرگز پرہیز نہیں کیا۔ یہ پرہیز تو بعد کی نسلوں نے کرنا شروع کیا

---

[1] کتاب تاویل مختلف الحدیث صـ۵

جب کہ انھوں نے یہ بات طے کرلی کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں اور اُن کے حالات و کردار کا جائزہ لینا مناسب نہیں۔ اس چیز کو ان لوگوں نے اصول دین میں سے قرار دے کر واجب التسلیم بنا لیا اور لوگوں کی عقلوں پہ پہرے بٹھا دیے، آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں اور گوش و ہوش پہ پردے ڈال دیے۔

ائمہ اہل بیتؑ اس مفروضہ سے کوسوں دُور رہے، انھوں نے صحابہ کو ویسا ہی سمجھا جیسا کہ خود صحابہ[1] ایک دوسرے کو سمجھتے تھے لہٰذا ابو ہریرہ کے متعلق جو رائے علی، عمر و عثمان و عائشہ کی تھی وہی رائے ان کی بھی رہی اور ان کی پیروی میں امیر المومنینؑ کے عہد کے شیعوں نے بھی انھیں ویسا ہی سمجھا اور امیر المومنینؑ کے بعد سے آج تک کے شیعیان اہل بیت ویسا ہی سمجھتے آ رہے ہیں اور غالباً فرقہ معتزلہ کے اکثر افراد بھی ابو ہریرہ کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں جو خود کبار صحابہ کی رائے

---

[1] فاضل جلیل احمد امین مصری فجر الاسلام صفحہ ۲۵۹ پر لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ خود صحابہ کا اپنے زمانے میں یہ دستور تھا کہ بعض صحابہ بعض کی نکتہ چینی کرتے تھے اور بعض کو بعض سے بہتر جانتے تھے بعضوں کی تو یہ کیفیت تھی کہ جب اُن سے کوئی حدیث بیان کی جاتی تو وہ حدیث بیان کرنے والے سے ثبوت کے طالب ہوتے بلکہ روایات سے تو اس سے زیادہ کا پتہ چلتا ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ ابو ہریرہ نے کوئی حدیث بیان کی مگر ابن عباس نے قابل قبول نہیں سمجھا بلکہ تردید کی اسی طرح انھوں نے کوئی حدیث بیان کی تو جناب عائشہ نے اس سے انکار کیا اور ابو ہریرہ کی تردید کی۔ فاطمہ بنت قیس صحابیہ نے کوئی حدیث اپنے اور اپنے شوہر کے متعلق بیان کی تو حضرت عمر نے یہ کہتے ہوئے اس کی تردید کی کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر خدا جانے وہ سچ کہتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے، حافظہ بھی اس کا ٹھیک ہے کہ بھول جایا کرتی ہے اپنے پروردگار کی کتاب اور پیغمبرؐ کی سنت کو چھوڑ نہیں سکتے۔ جناب عائشہ نے بھی فاطمہ بنت قیس کی تردید کی

ان کے متعلق تھی۔ امام ابوجعفر اسکافی فرقہ معتزلہ کے پیشوا کہتے ہیں" ابوھریرہ مدخول عند شیوخنا غیر مرضی الروایۃ۔ ابوہریرہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک خبطی آدمی ہیں ان کی روایتیں ناپسندیدہ ہیں انھیں حضرت عمر نے درّے مارے اور کہا کہ تم بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہو، میرا خیال ہے کہ تم پیغمبرؐ کی طرف جھوٹی حدیثیں منسوب کیا کرتے ہو" سفیان ثوری نے منصور سے، انھوں نے ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ علماء ابوہریرہ سے بس وہی حدیثیں لیا کرتے جو جنت وجہنم کے متعلق ہوتیں۔ ابواسامہ نے اعمش سے روایت کی ہے اعمش کہتے ہیں کہ ابراہیم حدیثوں کا صحیح علم رکھتے تھے۔ میں جب کوئی حدیث سنتا تو اُن کے پاس آتا اُن سے اس حدیث کو بیان کرتا چنانچہ ایک دن میں ان کے پاس ابوصالح کی چند حدیثیں لایا جنھیں ابوصالح نے ابوہریرہ سے سُن کر بیان کیا تھا۔ ابراہیم نے کہا ابوہریرہ کی بات مجھ سے نہ کرو لوگ اُن کی اکثر حدیثیں ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ تمام لوگوں سے زیادہ جھوٹا یا زندوں میں سب سے زیادہ پیغمبرؐ کی طرف جھوٹی حدیثیں منسوب کرکے بیان کرنے والا ابوہریرہ دوسی ہے۔[1]

ابویوسف کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ ہمیں بہت سی ایسی حدیثیں پیغمبرؐ کی معلوم ہوتی ہیں جو ہمارے قیاس کے مخالف ہوتی ہیں لہٰذا ایسے موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ امام ابوحنیفہ نے کہا جب ان حدیثوں کو ثقہ لوگ بیان کریں تو ایسے موقع پر قیاس چھوڑ کر انھیں حدیثوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ میں نے پوچھا ابوبکر وعمر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا کیا کہنا اُن کا۔ بے شک اُن کی حدیثوں پر عمل کیا جائے گا۔ میں نے پوچھا علیؑ اور عثمان؟

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۳۶۰

انھوں نے کہا یہ بھی اُسی طرح - جب امام ابو حنیفہ نے دیکھا کہ میں ایک ایک صحابی کا نام لے کر پوچھتا جا رہا ہوں تو انھوں نے بات مختصر کرنے کو کہا کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں سوا چند اشخاص کے انھیں چند اشخاص میں ابوہریرہ کا بھی نام لیا اور انس بن مالک کا۔"

میں کہتا ہوں کہ ہمیں تلاش سے خود بھی یہ نظر آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب ابو ہریرہ کی حدیثوں پر اس وقت کوئی توجہ ہی نہیں کرتے جب ابو ہریرہ کی حدیثیں اُن کے قیاس سے معارض ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ابو ہریرہ کی ایک حدیث ہے جس میں انھوں نے اس گائے، اونٹ یا بکری کے متعلق جس کا دودھ کئی دن تک نہ دوہا جائے تھنوں ہی میں چھوڑ دیا جائے تا کہ خریدار کو خیال ہو کہ یہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ایسا نہ کیا جائے اگر کوئی ایسا کرے اور خریدار دھوکہ میں آکر اس جانور کو خرید لے اور بعد میں پتہ چلے کہ اس جانور کا اتنا دودھ نہیں ہوتا جتنا خریدتے وقت معلوم ہوا تھا تو اس خریدار کو حق ہے کہ اس جانور کو اپنے پاس رکھے یا واپس کر دے اور جتنا دودھ دوہا ہے اس کے بدلہ میں ساڑھے تین سیر کھجور جانور کے مالک کو دیدے - اس حدیث پر امام ابو حنیفہ اور ان کے ہم خیال افراد نے ذرہ برابر اعتنا نہیں کی اور انھوں نے کہا کہ ابو ہریرہ کوئی فقیہ نہیں تھے اور اُن کی یہ حدیث تمام قیاسوں کے مخالف ہے اس لیے کہ دودھ دوہنا زیادتی ہے اور زیادتی کی تلافی یا تو اتنا ہی دودھ دے کر ہو سکتی ہے یا پھر اس کی قیمت کے ذریعہ، ساڑھے تین سیر کھجور نہ تو قیمت ہے نہ دودھ ہے[1]

اسی طرح امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی متفقہ رائے ہے کہ نماز مطلقاً کلام کرنے کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے چاہے وہ بھول کر کلام کرے یا ناواقفیت

---

[1] دیکھیے کتب فقہ حنفیہ و نیز فجر الاسلام ص ۱۶۳

کی وجہ سے یا یہ سمجھ کر کرے کہ میری نماز تمام ہو چکی ہے۔ فقہ حنفی کا یہ کھلا ہوا
مسئلہ ہے، سفیان ثوری بھی اسی مسلک پر تھے اور یہ ثبوت ہے اس کا کہ ان
حضرات کے نزدیک ابو ہریرہ کی حدیث کی کوئی وقعت نہیں کیونکہ ابو ہریرہ نے
روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے سہو فرمایا چو رکعتی نماز پڑھ رہے تھے مگر دوسری ہی
رکعت میں سلام پھیر کر فارغ ہو گئے اور اپنی جائے نماز سے اُٹھ کے حجرے میں
آ گئے پھر وہاں سے جب پلٹے تو لوگوں نے کہا نماز قصر ہو گئی یا آپ نے بھول کر
چار کے بجائے دو پر ختم کر دی؟ آں حضرتؐ نے فرمایا نماز نہ تو قصر ہوئی نہ میں
بھولا ہی ہوں۔ لوگوں نے کہا، نہیں، آپ بھول گئے ہیں آپ نے دو ہی رکعت
نماز پڑھی۔ اتنی بات چیت کے بعد پیغمبرؐ کو یقین ہوا کہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں
آپ نے طے کر کے کہ میں نے دو ہی رکعت نماز پڑھی ہے باقی دو رکعتیں آپ نے
تمام کیں، پھر سجدہ سہو کیا۔ اس حدیث کو امام شافعی و مالک و امام احمد و
اوزاعی وغیرہ نے اختیار کیا اور فتویٰ دیا کہ جو شخص نماز میں بھول کر کلام کرے
نیز وہ شخص جو یہ سمجھ کر کہ میں نماز تمام کر چکا ہوں کلام کرے تو اس کلام کی وجہ سے
اس کی نماز باطل نہیں ہو گی لیکن امام ابو حنیفہ نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کو
قبول نہیں کیا بلکہ انھوں نے فتویٰ دیا کہ محض کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے
چاہے وہ کلام بھول کر ہو یا غلط فہمی کی بنا پر۔[1]

ابو ہریرہ اور بعض صحابہ کے درمیان چند مزے دار جھڑپیں ذکر کر کے ہم اس
فصل کو ختم کرتے ہیں ان واقعات سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابۂ کبار کی

---

[1] امام نووی نے ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری سے اس صورت میں نماز
باطل ہو جانا نقل کیا ہے اور ان حضرات کے علاوہ دیگر حضرات سے صحت نماز نقل کی ہے
بنا بر حدیث ابو ہریرہ شرح نووی جلد ۴ صفحہ ۲۳۴ بر حاشیہ شرح بخاری

نظروں میں ابوہریرہ کی کیا قدروقیمت تھی۔

خود ابوہریرہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر کو میری حدیثوں کی خبر ملی تو انھوں نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ فلاں روز جب ہم لوگ فلاں کے گھر میں بیٹھے تھے تو تم بھی ہم لوگوں کے ساتھ تھے؟ میں نے کہا ہاں اور اسی دن پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر تہمت دھرے اور غلط بات میری طرف نسبت دے کر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔[1] یہ بیان ابوہریرہ کا ثبوت ہے کہ حضرت عمر کے سامنے ابوہریرہ حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے اور نہ یہ ان لوگوں میں تھے جنھیں حدیثیں بیان کرتے حضرت عمر نے دیکھا ہو۔ لوگوں کی زبانی انھیں ابوہریرہ کی حدیثوں کی خبریں ملیں اور حضرت عمر نے ان حدیثوں کی غرابت اور انوکھے پن کی وجہ سے انھیں جھوٹا سمجھا اور انھیں اپنے پاس ڈرانے دھمکانے کے لیے بلایا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر نے انھیں سرزنش کی اور کہا پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کرنا بند کرو نہیں تو میں تمھارے گھر تمھیں سرزمین دوس (ابوہریرہ کا وطن) یا بندروں والی زمین کی طرف نکال باہر کروں گا۔[2]

ایک مرتبہ حضرت عمر پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے بکثرت حدیثیں بیان کرنے پر بیحد غضبناک ہوئے اور دُرّے سے مارا بھی یہ کہتے ہوئے کہ تم بہت کثرت سے حدیثیں بیان کرتے ہو میرا خیال ہے کہ تم یقیناً پیغمبرؐ کی طرف جھوٹی حدیثیں منسوب کیا کرتے ہو۔

انھیں حضرت عمر نے انھیں بحرین کی حکومت سے معزول کیا اور اتنا مارا کہ ان کی پیٹھ لہولہان ہو گئی اور ان سے دس ہزار روپے چھین کر بیت المال میں داخل کر دیے اور بہت سخت و سست کہا جسے ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

---

[1] اصابہ حالات ابوہریرہ

[2] تاریخ ابن عساکر۔ کنزالعمال ج ۵ ص ۲۳۹ حدیث ۴۸۸۵

ایک مرتبہ عہد پیغمبر میں حضرت عمر نے انھیں اسا مارا کہ چاروں شانے چت گرپڑے۔

حضرت علیؑ کو جب ابوہریرہ کی حدیثیں معلوم ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں سب سے جھوٹا یا زندوں میں سب سے زیادہ پیغمبر پر جھوٹ بولنے والا ابوہریرہ دوسی ہے۔

ابوہریرہ حدیث بیان کرتے وقت کہا کرتے حدثنی خلیلی مجھ سے میرے دوست پیغمبر خدا نے بیان کیا رایت خلیلی میں نے اپنے دوست محمد مصطفٰےؐ کو دیکھا قال لی خلیلی مجھ سے میرے دوست محمد مصطفٰےؐ نے ارشاد فرمایا حضرت علیؑ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان سے پوچھا ابوہریرہ! پیغمبر تمہارے دوست کب ہوے؟ چونکہ حضرت علی ابوہریرہ کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے[2] اسی وجہ سے آپ کو ابوہریرہ کا یہ فقرہ ناگوار ہوا۔ علی کی ناگواری کوئی معمولی بات نہیں پیغمبرؐ کا ارشاد ہے علی کے متعلق علی مع القرآن والقران مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض[3]۔ علی مع الحق والحق مع علی یدور معہ کیف دار[4] ظاہر ہے کہ یہ ناگواری خالصۃً لوجہ اللہ ہی ہو گی۔

حضرت عائشہ کو ابوہریرہ کی حدیثوں کی جب خبر ملی تو آپ نے انھیں بلا کر پوچھا یہ کیسی حدیثیں ہیں جنھیں تم پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا کرتے ہو کیا تم نے ہم سے زیادہ پیغمبرؐ کو دیکھا؟ ابوہریرہ نے کہا، مادر گرامی آپ کو تو آئینہ کنگھی چوٹی[5] سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی آپ کہاں سے پیغمبرؐ کی حدیثیں سنتیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴ [2] تاویل مختلف الاحادیث ص ۵۲ [3] مستدرک امام حاکم اوسط طبرانی کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۳ حدیث نمبر ۲۵۲۸ [4] ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ پیغمبر نے فرمایا الحق مع ذا الحق مع ذا۔ حق ان کے ساتھ ہے حق ان کے ساتھ ہے پیغمبرؐ نے یہ کہتے ہوے علی کی طرف اشارہ فرمایا۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۷ [5] مستدرک جلد ۳ ص ۵۰۹ علامہ ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دے کر تلخیص مستدرک میں

ابو ہریرہ نے ایک حدیث بیان کی کہ کتا، عورت، گدھا نماز پڑھنے والے کے سامنے سے اگر گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ جناب عائشہ نے سختی سے تردید کی اور کہا بارہا ایسا ہوا کہ پیغمبر نماز پڑھا کرتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے بیچ میں لیٹی رہا کرتی۔

ایک مرتبہ انھوں نے ایک حدیث بیان کی کہ ایک موزہ پہن کر چلنا منع ہے عائشہ کو اس کی خبر ملی تو وہ ایک موزہ پہن چلیں اور کہا میں ابو ہریرہ کو جھٹلا کر رہوں گی[1]

ایک حدیث میں انھوں نے بیان کیا کہ جو شخص بحالت جنابت صبح کرے، اس کا روزہ اس دن کا نہ ہوگا۔ عائشہ و حفصہ نے ان کی تردید کی ان کو سختی سے جھٹلایا اس پر ابو ہریرہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اپنی بات واپس لے لی یہ عذر کرتے ہوئے کہ میں نے فضل سے سنا تھا۔

دو شخص جناب عائشہ کے پاس آئے اور کہا کہ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا "شگون عورت میں ہے اور چوپایہ میں"، جناب عائشہ بھڑ گئیں اور کہا خدا کی قسم ابو ہریرہ نے جھوٹ کہا۔

ایک مرتبہ حجرۂ عائشہ کے پہلو میں بیٹھ کر ابو ہریرہ حدیثیں بیان کرنے لگے عائشہ نماز میں مشغول تھیں فارغ ہونے پر جناب عائشہ نے کہا کیا یہ بات تعجب خیز نہیں کہ میرے پہلو میں بیٹھ کر اور مجھے سناتے ہوئے یہ شخص پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے حدیثیں بیان کرتا ہے اور میں نافلہ میں مشغول تھی بول نہیں سکتی تھی اگر میری فراغت کے وقت وہ اُٹھ نہ جاتا تو میں اس کی حدیثوں کی قلعی کھولتی۔

ابو ہریرہ نے یہ حدیث بیان کی کہ آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص سو کر اُٹھے وہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنا ہاتھ دھولے کیونکہ تھیں کیا پتہ کہ سونے میں

---

[1] یہ سب حدیثیں کتاب تاویل مختلف الاحادیث ص۲۶ میں ابن قتیبہ نے لکھی ہیں [2] تاویل مختلف الاحادیث ص۱۲۶

تھا را ہاتھ کہاں تھا جناب عائشہ نے اس حدیث سے انکار کیا اور قابل اعتنا نہ جانا۔

ایک حدیث میں انھوں نے بیان کیا کہ جو شخص جنازہ اٹھائے وہ بعد میں وضو کرلے۔ ابن عباس نے اُن کی علی الاعلان تردید کی اور کہا کہ خشک لکڑیوں کے اٹھانے سے ہم پر وضو واجب نہ ہوگا۔

ابن عمر پیغمبرؐ کی یہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ پیغمبرؐ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے سوا شکاری کتوں اور بکریوں، مویشیوں کی نگرانی کرنے والے کتوں کے۔ ابن عمر سے لوگوں نے کہا کہ ابوہریرہ تو کہتے ہیں کہ کھیت کی حفاظت کرنے والے کتے کو بھی پیغمبرؐ نے مستثنیٰ فرمایا ہے اسے بھی نہ مارنا چاہیے۔ ابن عمر نے ابوہریرہ کے اس قول کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور اُن کی تردید میں کہا کہ ابوہریرہ کا خود ایک کھیت تھا نہ؟ اسی لیے کھیتی والے کتے کا انھوں نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے تاکہ اُن کا کتا بھی محفوظ رہے اور کھیت بھی۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔

اسی صحیح مسلم میں ابوہریرہ کی یہ حدیث بھی ہے کہ جس شخص نے کتا پالا، سوا مویشی کی حفاظت کرنے والے کتے یا شکاری کتے یا کھیت کی رکھوالی کرنے والے کتے کے اس کے اجر میں سے ہر دن ایک قیراط کم ہو جائے گا۔ لوگوں نے ابن عمر سے اُن کا یہ قول دُہرایا انھوں نے کہا خدا بھلا کرے ابوہریرہ کا قصہ یہ ہے کہ وہ کھیت رکھتے تھے اپنے فائدہ کی خاطر انھوں نے کھیتی والے کتے کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ سالم بن عبداللہ بن عمر نے بھی ان کی ایک حدیث میں انھیں متہم قرار دیا ہے۔

ابوہریرہ نے قنفذ (ساہی) کے متعلق جو حدیث بیان کی ہے ابن عمر نے کبھی اسے سچ نہ جانا برابر انھیں اس کی صحت کے متعلق شک ہی رہا۔

ابن عمر نے ابوہریرہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سُنا کہ جس شخص نے

حدیثوں کی انتہا کر دی جب عائشہ سے دریافت کر کے تصدیق کر لی تب اس کی تحت اطمینان ہوا۔

اسی طرح عامر بن شریح نے جب ابوہریرہ کی یہ حدیث سنی کہ جو شخص لقائے الٰہی کا مشتاق ہوگا خدا بھی اس کا مشتاق ہوگا اور جو شخص لقائے الٰہی کو ناپسند کرے گا خدا بھی ناپسند کرے گا تو انھوں نے بھی جب تک جناب عائشہ سے اس کی تصدیق نہ کر لی اس حدیث کو سچ نہ سمجھا۔

اگر ہم ان واقعات و موارد کو ذکر کریں جہاں بزرگان سلف نے ابوہریرہ کی تردید کی تو "سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے" اتنے ہی پر ہم بس کرتے ہیں۔

مختصراً یہ سمجھ لیجیے کہ حضرت عمر، عثمان، علی، عائشہ سبھی نے انھیں جھوٹا جانا اور اتفاقی طور پر یہ امر طے شدہ ہے کہ جب جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو جرح ہی مقدم سمجھی جائے گی۔ مزید براں یہاں تو جرح و تعدیل کا تعارض بھی نہیں خالی جرح ہی جرح ہے۔

رہ گیا یہ کلیہ کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں تو اس کی کوئی دلیل نہیں۔ صحابہ اس قاعدے کو جانتے بھی نہ تھے اگر بفرض محال اس قاعدے کو صحیح سمجھ بھی لیں تو پھر یہ قاعدہ اس صحابی کے متعلق جاری کیا جا سکے گا جس کا حال ہمیں معلوم نہ ہو لہذا خیال کر لیں گے کہ وہ عادل ہی ہوگا لیکن جیتی مکھی تو نگلی نہیں جا سکتی جب ہمیں کسی کے کیریکٹر کا بخوبی علم ہو جس کے متعلق ہمیں معلوم ہو کہ عمر و عثمان، علی و عائشہ اسے جھوٹا سمجھتے تھے تو اسے کیسے ہم سچا سمجھ لیں گے۔

ہم شیعہ صحابہ کو نہ تو حد سے زیادہ اونچا کرتے ہیں نہ نیچے گراتے ہیں ہماری رائے ان کے متعلق بیچوں بیچ کی ہے جو اچھا ہے اسے اچھا کہیں گے جو برا ہے اُسے بُرا کہیں گے نہ یہ کہ محض صحابی ہونے کی وجہ سے بُرے سے بُرے کو بھی اچھا کہنے لگیں۔

۱۵

اپنے جھوٹا سمجھنے والوں پر ابو ہریرہ کا احتجاج

جو لوگ کہ ابو ہریرہ کو جھوٹا کہتے ہیں انھیں متہم سمجھتے، انھیں قائل کرنے کے لیے ابو ہریرہ کہا کرتے کہ "لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں حالانکہ خدا ہی سمجھنے والا ہے"۔ نیز لوگ یہ کہتے ہیں کہ مہاجرین و انصار آخر ابو ہریرہ جیسی حدیثیں کیوں نہیں بیان کرتے (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) میرے بھائی مہاجرین بازاروں میں خرید و فروخت میں مصروف رہا کرتے اور میرے بھائی انصار اپنی کھیتی گرہستی میں پھنسے رہا کرتے ہیں ایک مرد مفلس تھا ہر وقت پیغمبرؐ سے چپکا رہا کرتا تھا صرف پیٹ بھر کھانے کی طمع میں لہذا جب سب کے سب غائب ہوتے ہیں ہی حاضر رہتا اور جو چیزیں وہ لوگ سُن کر بھول جاتے ہیں یاد رکھا کرتا"۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۴ ۔ صحیح مسلم ۔ مسند احمد جلد ۲)

"ایک دن پیغمبرؐ نے فرمایا جو شخص میری اس گفتگو کے ختم ہونے تک اپنے لباس کو بچھائے رہے اور میرے فارغ ہونے پر پھر سمیٹ لے وہ کبھی میری زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی نہ بھولے گا میں نے اپنا کمبل جس کے سوا میرے بدن پر کچھ نہ تھا اُتار کر بچھا دیا اور اس وقت تک بچھائے رہا جب تک کہ پیغمبرؐ کی تقریر تمام نہ ہوئی پھر میں نے اٹھا کر اوڑھ لیا خدا کی قسم پھر میں آج تک پیغمبرؐ کی اس دن کی تقریر کا ایک حرف بھی نہیں بھولا خدا کی قسم اگر کتاب الٰہی کی یہ آیت نہ ہوتی ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ جو لوگ کہ ہماری نازل

کچھ نہ لکھتا نہ پیغمبر کی کوئی حدیث بیان کرتا۔

ابوہریرہ نے اپنے ان جملوں سے ان لوگوں کو چپ کرنا چاہا ہے جو اُن کی حدیثوں کی بہتات اور طرز بیان پر لب کشائی کرتے ہیں، اسی لیے انھوں نے لوگوں کو قائل کرنے اور اپنی پاکیزہ نفسی کو جتانے کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے مگر سچ پوچھیے تو خود ابوہریرہ نے اپنا مذاق اڑایا ہے اور اُلٹے مخالفین کو انھیں کے ذریعہ حربہ ہاتھ آگیا۔ بخدا حدیثیں گڑھنے والوں نے جتنی حدیثیں بنائی ہیں ابوہریرہ کی اس حدیث سے زیادہ پھیکی اور پھُس پھُسی کوئی حدیث نہ ملے گی۔ میں ان کی اس حدیث کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا اگر بخاری و مسلم وغیرہ ایسے جمہور اہلسنت کے ائمہ حدیث نے اسے اپنے صحاح میں درج نہ کیا ہوتا۔ وہ چونکہ ہر صحابی سے عقیدت رکھتے ہیں لہٰذا ابوہریرہ کی حدیثوں کو کیوں نہ سر آنکھوں پر رکھیں —— مگر یہ حدیث قطعاً باطل اور صراحۃً مہمل ہے کیونکہ

(۱) ابوہریرہ نے بیان کیا ہے کہ مہاجرین خدمت پیغمبر میں کم رہا کرتے کیونکہ خرید و فروخت کی مصروفیت رہا کرتی اور انصار اپنی کھیتی گرہستی میں پھنسے رہتے انھوں نے ایک ہی لاٹھی سے مہاجرین و انصار دونوں کو ہانکا ہے۔ انصاف فرمائیے خداوند عالم کا تو یہ ارشاد ہے رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ ایسے لوگ جنھیں خرید و فروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کرتی۔ جو صریحی نص ہے کہ پیغمبرؐ کے حلقہ بگوشوں میں ایک تعداد اُن خالص مومنین کی تھی جنھیں خرید و فروخت یاد خدا سے غافل نہ رکھتی تھی اور ابوہریرہ بلا استثنا سبھی پر خدمت پیغمبرؐ سے غیر حاضری کا الزام لگاتے ہیں۔ کتاب خدا سے معارض ہونے کی صورت میں ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے علاوہ اور کسی قابل اُن کی یہ حدیث ہو سکتی ہے؟ ابوہریرہ آخر تھے کون کہ خاص الخاص مومنین کے غائب ہونے پر بھی وہ حاضر رہا کریں اور جو چیز سب

بھول جائیں انھیں یہ یاد رکھیں اس کے بھلے سے وہ اتنا بڑا دعویٰ کرتے ہیں نہ کسی

ڈرتے ہیں نہ شرماتے ہیں، کیوں نہ ہو؟ اپنا راج تھا معاویہ کی حکومت تھی نہ عمر تھے

نہ عثمان نہ علیؑ نہ طلحہ نہ زبیر نہ سلمان نہ مقداد نہ ابوذر نہ انھیں جیسے بزرگان صحابہ

پھر ڈر کس کا تھا؟ ان کے اس دعوے کو صداقت سے دور کا بھی لگاؤ ہے؟ دنیا

جانتی ہے کہ علی کو پیغمبرؐ سے کتنی قربت و نزدیکی اور خصوصی منزلت حاصل تھی، علیؑ

بچے ہی تھے کہ پیغمبرؐ نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا، کلیجہ سے لگایا، ساتھ کھلاتے

ساتھ سُلاتے، انھیں اپنی خوشبو سونگھاتے، لقمہ مُنہ میں چبا کر کھلاتے کبھی انھیں

جھوٹ بولتے، مہمل کام کرتے پیغمبرؐ نے نہیں دیکھا۔ رسول اللہ کی دودھ بڑھائی کے

وقت سے خداوند عالم نے اپنے فرشتوں میں سے ایک جلیل القدر فرشتے کو آپؐ کا ہم نشین

جلیس بنا دیا تھا جس کے ساتھ آں حضرتؐ دن رات کل عالم کے اخلاق کریمہ و

محاسن عظیمہ پر چلتے تھے اور علی جملہ حالات میں پیغمبرؐ کی پیروی اس طرح کرتے جیسے

اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہوتا ہے۔ پیغمبر ہر روز اپنے پرچم اخلاق و علم مکارم کو

علیؑ کے لیے بلند فرماتے اور انھیں اس کی پیروی کا حکم دیتے اور جب پیغمبرؐ کوہ حرا

میں مقیم ہوتے تو صرف علی (اور خدیجہ) ہی آپ کے پاس ہوتے۔ وحی رسالت کے

نور کو دیکھتے اور خوشبوئے نبوت کو سونگھتے اور آگے چل کر مدینۂ علم پیغمبرؐ کے دروازے

تمام امت پیغمبرؐ میں سب سے بڑھ کر صحیح فیصلہ کرنے والے آپ کے رازوں کا خزینہ

آپ کے جانشین آپ کے حکمت کے وارث آپ کی پریشانیوں کے دور کرنے والے

اور "یاد رکھنے والے کان" ہوئے اور ومن عندہ علم الکتاب کے مصداق ٹھہرے۔

کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ علی پیغمبرؐ کی حدیثوں کو تو بھول جائیں

اور ابوہریرہ یاد رکھیں یا یہ کہ پیغمبرؐ ابوہریرہ کو رموز و اسرار سے آگاہ فرمائیں

اور علیؑ سے پوشیدہ رکھیں۔ علاوہ اس کے صرف گنتی کے مہاجرین تھے جن کا

مشغلہ تجارت رہا کرتا تھا در نہ ابوذر، مقداد، عمار اور ابوہریرہ کے رفقاء اصحاب صفہ

جو ستر کی تعداد میں تھے جن کی غربت کا عالم یہ تھا کہ خود ابوہریرہ کا بیان ہے کہ

کسی شخص کے پاس ردا تک نہ تھی صرف تہبند ہوا کرتا یا چادر ہوتی جسے وہ

گلے سے لٹکائے ہوتے۔ ان حضرات کا مشغلہ تو تجارت نہیں تھا۔ ان لوگوں نے

کیوں نہیں ابوہریرہ جیسی حدیثیں بیان کیں، حدیثوں کے ڈھیر لگانے میں یہ لوگ

کیوں ابوہریرہ سے پیچھے رہے کہ سب کی بیان کردہ حدیثوں کی مجموعی تعداد بھی ایک

اکیلے ابوہریرہ کی حدیثوں سے کہیں گھٹ کر ہے اسی طرح انصار بھی سب کے سب

کھیتی گرہستی والے نہ تھے جیسا کہ ابوہریرہ کا دعویٰ ہے مثلاً جناب سلمان فارسی ہی کو

لیجیے جن کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا ہے سلمان منا اھل البیت سلمان ہم اہلبیت

سے ہیں اگر دین ثریا پر بھی ہو تو سلمان پالیں (استیعاب) اور جناب عائشہ کا

بیان ہے کہ سلمان کی ایک نشست پیغمبرؐ کے ساتھ تنہائی میں ہوا کرتی کوئی وہاں

نہیں جا سکتا تھا ہم لوگوں سے بھی بڑھ گئے تھے۔ اسی استیعاب میں ہے کہ

حضرت علیؑ نے فرمایا "سلمان فارسی مثل لقمان حکیم کے ہیں جو اول و آخر کا علم رکھتے

ہیں اور علم کا وہ چڑھتا ہوا دریا ہیں جو کبھی اترتا نہیں" کعب الاحبار کہا کرتے کہ

"سلمان علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں"۔ اسی طرح ابوایوب انصاری کے متعلق بھی

دنیا جانتی ہے کہ ان کی گذر اوقات کا ذریعہ بہت مختصر تھا علم و عمل سے انھیں

کوئی چیز روکنے والی نہ تھی، اسی طرح ابوسعید خدری، ابوفضالہ انصاری اور

دیگر اجلہ انصار رضی اللہ عنہم۔

مزید براں حکیم اسلام خاتم النبیین پیغمبرؐ کے اوقات ایک جیسے نہ تھے بلکہ

رات و دن میں ہر کام کے لیے حکیمانہ حیثیت سے اوقات مقرر تھے چنانچہ اصحاب

کو تعلیم و تبلیغ ... کے لیے بھی وقت مقرر تھا جو خرید و فروخت کے اوقات ... یا

بھی گرہستی کے اوقات سے ٹکراتا نہیں تھا، اس مقررہ وقت میں تو مہاجرین
خدمت پیغمبرؐ سے غائب رہتے نہ انصار، ان سے بڑھ کر طلبگار علم کون ہو سکتا تھا۔

(۲) اگر ابو ہریرہ کا یہ کہنا کہ "پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ جو شخص
اپنا کپڑا اس وقت تک بچھائے رہے جب تک میری تقریر نہ ختم ہو پھر اس کو سمیٹ کر
سینہ سے لگا لے وہ میری تقریر کبھی بھولے گا نہیں" صحیح مان لیا جائے تو
یقیناً اصحاب پیغمبرؐ اس کی طرف دوڑ پڑتے سب کے سب اپنے کپڑے بچھا دیتے
بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی فضیلت ہاتھ آ رہی تھی اس سے چوکتا کون؟ آخر کیوں
نہیں اصحاب پیغمبرؐ نے اس فضیلت کو حاصل کیا کس چیز نے انھیں کپڑے
بچھانے سے روکے رکھا اتنی بڑی منزلت و فضیلت اور ایسی گراں قدر نعمت!!!
اور کسی نے بھی پروا نہ کی۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ تمام صحابہ علم سے اتنا پرہیز کرتے
تھے اور پیغمبرؐ جس چیز کی طرف دعوت دیں اس چیز سے اتنے متنفر و گریزاں
تھے؟ خدا کی پناہ یہ تو صحابہ کے ساتھ اچھا گمان نہیں اور نہ اُن کی اچھی تصویر ہے۔

(۳) اگر ابو ہریرہ کا یہ کہنا صحیح مان لیا جائے تو یقیناً صحابہ کی ندامت و
حسرت بہت زیادہ ہوتی سبھی زندگی بھر کف افسوس ملتے رہے ہوتے کہ اتنی
بڑی فضیلت، ایسی گراں قدر نعمت بیٹھے بٹھائے مل رہی تھی اور وہ موقع سے
چوک گئے اور اُن کی ندامت و حسرت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ ہوتی بلکہ دنیا
جانتی عالم کو خبر ہوتی وہ صحابہ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے چادر نہ بچھانے پر
ایک دوسرے کو ملامت کرتے اور ابو ہریرہ کی قسمت پر رشک کرتے کہ اُن بیچارے کے
پاس ایک کپڑا تھا اس ایک کپڑے کو انھوں نے بچھا دیا اور صحابہ جن میں سے
ہر ایک کے پاس کم سے کم دو کپڑے ہوا کرتے تھے انھیں اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ
ایک کپڑا ہی بچھا دیتے لیکن نہ تو صحابہ ہی کو پشیمانی ہوئی نہ انھیں رنج و افسوس ہوا

نہ انھوں نے ابوہریرہ کی حالت پر رشک کیا، کوئی بات ہی نہیں ہوئی لہذا ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ حدیث بھی ابوہریرہ کے پٹارے کی ایک حدیث ہے۔

(۴) اگر یہ بات سچ تھی تو یقیناً ابوہریرہ کے علاوہ دیگر اصحاب جن سے پیغمبرؐ نے کپڑا بچھانے کی فرمائش کی تھی وہ بھی اس حدیث کو بیان کرتے بلکہ صحابہ وتابعین اس واقعہ کو علامات نبوت وآیات اسلام اور ادلہ دین سے شمار کرتے اور ہر زمانے کے لوگ کثرت سے بیان کرتے آتے اور دوپہر کے آفتاب کی طرح یہ حدیث شائع وذائع ہوتی مگر ہائے افسوس کہ بیان کرنے والے صرف ابوہریرہ نکلے جس سے یہی سمجھنا پڑے گا کہ یہ بھی ان کے مزخرفات وہملات سے ہے۔

(۵) اس قصہ میں خود ابوہریرہ کے بیانات ایک دوسرے سے برعکس ہیں کسی موقع پر کچھ کہا کسی موقع پر کچھ ایک بیان تو آپ مذکورہ بالا حدیث میں سُن چکے کہ پیغمبرؐ نے کہا جو شخص میری تقریر ختم ہونے تک اپنے کپڑے بچھائے رہے گا اور بعد ختم تقریر اپنے سینے سے لگالے گا وہ میری تقریر کبھی نہ بھولے گا۔ میں نے اپنا کمبل جس کے علاوہ میرے پاس کوئی اور کپڑا نہ تھا بچھایا اور بعد ختم تقریر سمیٹ کر سینہ سے لگالیا۔ خدا کی قسم اس کی برکت سے پھر کوئی چیز آج تک نہ بھولا۔ اور کبھی یہ بیان کیا (جیسا کہ مقبری نے روایت کی ہے) کہ "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کی حدیثیں سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، میں نے چادر پھیلا دی۔ آپ نے مٹھیاں بھریں اُس چادر میں ڈال دیں (علم جیسے ستو شکر جیسی چیز تھی کہ دونوں ہاتھ سے آپ نے اُن کی چادر میں ڈال دیا) پھر آپ نے فرمایا کہ اب سمیٹ لو، میں نے سمیٹ لیا پھر میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا۔" (صحیح بخاری جلد ۱ صـ ۲۴ باب حفظ العلم کتاب العلم)

ملاحظہ فرمائیے دونوں بیانات کو، پہلے بیان کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ

یہ قصہ پیغمبرؐ اور اصحاب کے درمیان کا ہے اور پیغمبرؐ نے خود پہل فرمائی اور چادر بچھانے کی فرمائش کی اور دوسرے بیان سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ صرف پیغمبرؐ تھے اور ابوہریرہ اور یہاں ابوہریرہ نے ابتدا کی کہ پیغمبرؐ سے کہا کہ میں حدیثیں سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔

نیز پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص چادر بچھاتا وہ صرف اس وقت کی تقریر کو کبھی نہ بھولتا، پیغمبرؐ کی سب حدیثیں نہیں بلکہ مخصوص اُس وقت کی تقریر اور آخری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی بات فراموش نہ ہوگی چاہے وہ حدیث ہو یا حدیث کے علاوہ باتیں۔ کیونکہ خود ابوہریرہ مدعی ہیں کہ پھر میں کوئی بات نہیں بھولا۔ اس منزل پر آکر صحیح بخاری کے شارحین عجیب مصیبت میں پڑ گئے اور کوئی بات اُن کے بنائے نہ بن سکی۔ یہاں تک کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ کہہ دیا کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ایک مرتبہ اصحاب کے مجمع میں وہاں پیغمبرؐ نے صرف اس وقت کی تقریر کے متعلق نہ فراموش ہونے کا وعدہ کیا تھا اور دوسری مرتبہ تنہائی میں جب کہ کسی بھی چیز کے نہ فراموش ہونے کا وعدہ فرمایا۔ علامہ ابن حجر کی یہ تاویل جتنی بودی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ دو مرتبہ اس واقعہ کا پیش آنا تو بڑی بات ہے ایک مرتبہ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو ابوہریرہ کے علاوہ اور بھی صحابہ اس واقعہ کو بیان کیے ہوتے اور مسلمانوں کا بچہ بچہ اس واقعہ سے واقف ہوتا مگر ابوہریرہ کے سوا کسی بھی صحابی نے اس واقعہ کی روایت نہیں کی۔

مزید برآں امام مسلم نے یونس سے انھوں نے ابن مسیب سے اسی واقعہ کو تیسری طرح روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں ابوہریرہ روایت کرتے ہیں فما نسیت بعد ذالك شیئاً حدثنی بہ اس دن کے بعد پیغمبرؐ نے جو حدیث بھی مجھ سے ارشاد فرمائی میں بھولا نہیں"۔ اس حدیث کا مفہوم پہلی روایت سے عام دوسری روایت سے

خاص ہے تینوں روایتوں کی ترتیب اب یوں قرار پاتی ہے :-

(۱) اس خاص دن کی تقریر کبھی فراموش نہ ہوئی۔ (۲) کوئی بھی بات خواہ پیغمبرؐ کی حدیث ہو یا کچھ اور نہ فراموش ہوئی۔ (۳) پیغمبرؐ کی حدیثیں فراموش ہوئیں۔

اب اتنے اختلافات کے ہوتے اور اتنی روایتوں کی موجودگی میں آپ ہی انصاف فرمایئے کس کو صحیح مانا جائے اور کس کو غلط۔

ایک اور طرح سے حدیث ابن سعد کی ہے جو انھوں نے بسلسلہ اسناد عمرو بن مرداس ابن عبدالرحمان جندی سے انھوں نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے جس میں ابوہریرہ بیان کرتے ہیں قال رسول اللہ ابسط ثوبك فبسطته فحدثني النهار ثم ضممت ثوبي الی بطنی فما نسیت شیئاً مما حدثنی۔ پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنا کپڑا بچھاؤ، میں نے بچھا دیا، پیغمبرؐ نے اس پورے دن مجھ سے حدیث بیان فرمائی پھر میں نے کپڑا سمیٹ کر پیٹ سے لگا لیا اس دن جو کچھ پیغمبرؐ نے بیان کیا میں نہیں بھولا" اس میں فحدثنی النهار کا ٹکڑا نیا ہے یہ صرف جندی والی حدیث میں مذکور ہے اور جتنی حدیثیں اس مضمون کی ابوہریرہ سے مروی ہیں ان میں یہ ٹکڑا نہیں۔

ابو یعلی نے بطریق ابی سلمہ ایک اور انوکھے طریقہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے جو سب سے نرالا اور ہر ایک کے مخالف ہے انھوں نے روایت کی ہے کہ "پیغمبرؐ کی بیماری میں ابوہریرہ عیادت کو آئے کھڑے سلام کیا۔ پیغمبرؐ علیؑ کے سینے کا سہارا لیے ہوئے تھے اور علی کا ہاتھ پیغمبرؐ کے سینے پر تھا اور پیغمبرؐ اپنی ٹانگیں پھیلائے ہوئے تھے، آں حضرتؐ نے فرمایا ابوہریرہ قریب آؤ۔ وہ قریب گئے، آں حضرتؐ نے فرمایا اور قریب آؤ، وہ اور قریب گئے پھر آپ نے فرمایا کہ اور قریب آؤ، وہ اور قریب گئے یہاں تک کہ ابوہریرہ کی انگلیاں پیغمبرؐ کی

انگلیوں سے چھونے لگیں پھر آپ نے فرمایا بیٹھو وہ بیٹھ گئے آں حضرتؐ نے فرمایا اپنے کپڑے کا کنارہ میرے قریب کرو ابوہریرہ نے اپنے کپڑے کو کھولا اور پھیلا کر پیغمبرؐ کے قریب کیا۔ آں حضرتؐ نے فرمایا ابوہریرہ میں تمھیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں جب تک زندہ رہنا انھیں نہ چھوڑنا۔ ابوہریرہ نے کہا آپ فرمائیں آں حضرتؐ نے فرمایا ہر جمعہ کو غسل کرنا اور نماز جمعہ میں شرکت کے لیے سویرے ہی سے نکلنا اور کبھی لغویات اور لہو لعب کے کام نہ کرنا اور ہر مہینہ کے تین دن روزے رکھنا کہ وہ زمانہ بھر کے روزے رکھنے کے برابر ہے اور دو رکعت نافلہ صبح کبھی ترک نہ کرنا چاہے رات بھر بھی عبادت کرتے رہے ہو کیونکہ صبح ہی کی دو رکعت میں مرادیں ہیں۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا پھر کہا اپنے کپڑے سمیٹ لو انھوں نے کپڑا سمیٹ کر سینہ سے لگا لیا۔

انھیں ابویعلی نے (جیسا کہ اصابہ میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ مذکور ہے) بطریق ولید بن جمیع روایت کی ہے انھوں نے ابوہریرہ سے، ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی چادر کھولو، میں نے چادر کھولی، پھر فرمایا کہ اب اسے سینے سے لگا لو، میں نے سینے سے لگا لی پھر اس کے بعد میں کوئی حدیث نہیں بھولا۔

نیز ابویعلی نے (جیسا کہ اصابہ میں ہے) بطریق ابن علبید روایت کی ہے انھوں نے حسن بصری سے اور انھوں نے ابوہریرہ سے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کون ہے کہ مجھ سے ایک کلمہ یا دو کلمے یا تین کلمے لے اور اپنے کپڑے میں اس کی گرہ باندھ لے اور لوگوں کو سکھلائے۔ میں نے پیغمبرؐ کے سامنے جبکہ آپ حدیث ارشاد فرما رہے تھے اپنا کپڑا کھول کر پھیلایا پھر سمیٹ لیا میں امید کرتا ہوں کہ پیغمبرؐ نے جو بھی حدیث بیان کی ہے نہ بھولوں گا۔

امام احمد نے بھی بطریق مبارک ابن فضا حسن بصری سے اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔

ابو نعیم اصبہانی نے عبداللہ ابن ابی یحییٰ سے انھوں نے سعید بن ابی ہند سے انھوں نے ابو ہریرہ سے یہ روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ابو ہریرہ تم اس مال غنیمت کا سوال نہیں کرتے جیسا کہ تمھارے اصحاب سوال کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضور میرا سوال یہ ہے کہ خدا نے آپ کو جو علوم تعلیم کیے ہیں مجھے بھی تعلیم فرمائیں پھر میں نے اپنی پیٹھ سے کمبل اتارا اور اپنے اور پیغمبر کے درمیان بچھایا، میری نظروں میں وہ منظر آج تک ہے کہ جوئیں اس کمبل پر چل رہی تھیں آں حضرتؐ نے حدیث ارشاد فرمائی اور میں نے ایک ایک لفظ غور سے سُنا پھر آپ نے فرمایا اسے سمیٹ کر اپنے پاس باندھ رکھو چنانچہ پیغمبرؐ نے جو کچھ بھی بیان فرمایا اس کا ایک حرف بھی میرے ذہن سے کبھی نہ نکلا۔"

اس حدیث کو دیکھیے اور اوپر کی تمام حدیثوں سے ملائیے الفاظ بھی بدلے ہوے ہیں اور معانی بھی، کسی حدیث سے اس کا میل نہیں۔

(۶) ابو ہریرہ نے اس حدیث میں کہا ہے کہ میں نے اپنا کمبل اُتار کر بچھا دیا، اس کمبل کے علاوہ میرے پاس دوسرا کوئی کپڑا نہ تھا، ابو ہریرہ کے ظاہری الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ ننگے ہو گئے ہوں گے۔ مگر قسطلانی اور زکریا انصاری نے اپنی شرحوں میں اس فقرے کی تاویل یہ کی ہے کہ انھوں نے پورا کمبل اُتار کر نہیں بچھایا ہوگا کہ برہنہ ہو جاتے بلکہ تھوڑا بچھایا ہوگا اور تھوڑے سے اپنا جسم لپیٹے ہوں گے۔

(۷) ابو ہریرہ کی یہ حدیث خود اپنی جگہ پر من گڑھت کہانی قصوں کے مشابہ ہے اس میں اور یاوہ گویوں کی اختراعات میں کوئی خاص فرق نہیں، پیغمبر کے معجزات میں اس کو شمار کرنا پیغمبرؐ کی طرف اس کو نسبت دینا کسی طرح مناسب نہیں

کیونکہ آں حضرت کے معجزات تو ایسے روشن اور واضح ہوا کیے کہ ارباب عقل ششدر رہ گئے اور اس کے شان اعجاز کو دیکھ کر بڑے بڑے سرکشوں نے سرِ تسلیم خم کر دیے۔

جب پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے روانہ کیا ہے تو آپ نے علیؑ کے سینے پر ہاتھ مار کر دعا کی اللھم اھد قلبہ وسدد لسانہ خداوندا علی کے دل کی ہدایت کر اور ان کی زبان کو استواری دے"۔ اس دعا کا ایسا ہمہ گیر اثر ہوا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں فواللہ ما شککت بعدھا فی قضاء بین اثنین خدا کی قسم اس دعا کے بعد کسی دو شخص کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں مجھے تردد نہیں ہوا۔

جب خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی وتعیھا اذن واعیۃ یاد رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان تو آں حضرتؐ نے علیؑ سے کہا میں نے خدا سے دعا کی ہے وہ تمھارے کان کو ایسا بنائے۔' علی کہتے ہیں کہ "میں پھر کوئی بات نہ بھولا اور میں بھولتا بھی کیسے"۔

جب علیؑ نے بروز جنگ خیبر لشکر کا علم ہاتھ میں لیا تو پیغمبرؐ نے دعا فرمائی اللھم اکفہ الحر والبرد خداوندا اسے سردی و گرمی سے بچا۔ علیؑ کہتے ہیں فما اذانی بعدھا حر ولا برد پھر اس کے بعد نہ مجھے کبھی گرمی نے ستایا نہ سردی نے اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ آپ شدید سردی میں بھی ایک لنگ اور چادر اوڑھ کر نکلتے اور گرمی میں بھاری کپڑے اور روئی دار قبا پہن کر باہر نکلتے۔ پیغمبرؐ کے اس عظیم الشان معجزہ کو ظاہر کرنے کے لیے۔

جب جابر نے پیغمبرؐ سے اپنے باپ کے قرضے کی شکایت کی تو آں حضرتؐ جابر کے ساتھ اُن کے کھلیان میں گئے جہاں کھجور اکٹھا کر کے رکھی گئی تھی آپ اس ذخیرہ کے گرد گھومے اس میں برکت کے لیے دعا کی پھر وہیں بیٹھ گئے اور قرض خواہ سب آ گئے جس جس کا جتنا قرضہ تھا سب کے قرضے چکا دیے پھر بھی جابر اور

اُن کے گھر والوں کے لیے بقدر ضرورت بچ رہا۔ پیغمبر جس کی بھلائی چاہتے اس کے لیے اسی طرح دعا کرتے اور جب کوئی اور بات مطلوب ہوتی تو اس پر بد دعا فرماتے جیسا کہ آں حضرتؐ نے معاویہ کے لیے بد دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا لا اشبع الله بطنہا خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے اور جیسا کہ آپ نے حکم بن عاص کے ساتھ کیا۔

یہ انداز تھا پیغمبر کا اور یوں کیا کرتے تھے پیغمبر۔ ابوہریرہ جو باتیں بیان کرتے ہیں وہ تو دید نہ شنید۔ سمجھ میں آنے والی بات ہی نہیں۔

پیغمبرؐ کی وہ حکمت بالغہ جس سے گمراہ بصیرتیں کسب نور کرتی ہیں اور جس سے ہدایت کے راستے واضح ہوتے ہیں اور مشکلات کی گتھیاں سلجھتی ہیں گمراہی و ضلالت کی تاریکیاں پارہ پارہ ہو جاتی ہیں۔ اس حکمت کو ابوہریرہ کے خرافات سے کیا واسطہ؟

۱۶

ایک نظر ابوہریرہ کے فضائل پر

ابوہریرہ کے فضائل میں جتنی حدیثیں وارد ہوئیں ہم نے ان تمام حدیثوں کے سلسلہ اسناد کی جانچ پڑتال کی مگر نظر یہ آیا کہ جتنی بھی حدیثیں ہیں سب کا سلسلہ خود ابوہریرہؓ ہی پر جا کر ختم ہوتا ہے بالفاظ دیگر ابوہریرہ کی فضیلت کی کل حدیثیں خود ابوہریرہ ہی کی زبانی مروی ہیں کسی دوسرے سے نہیں۔ ہم ایک نمونہ پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت آپ پر بخوبی واضح ہو جائے گی۔

علامہ ابن عبد البر استیعاب میں بسلسلہ حالات ابوہریرہ لکھتے ہیں "ابوہریرہ خیبر کے سال مسلمان ہوئے اور اس جنگ میں پیغمبر کے ساتھ موجود رہے پھر ہر وقت

وابستہ رہے۔ علم کی خاطر کبھی پیغمبرؐ سے جُدا نہ ہوئے اور پیٹ بھر کھانا مل جائے اسی پر خوش رہے، اُن کا ہاتھ پیغمبرؐ کے ہاتھ میں ہوا کرتا جہاں پیغمبر جاتے وہاں ابوہریرہ جاتے، تمام اصحاب پیغمبرؐ میں سب سے زیادہ حافظہ والے تھے، یہ اُن مقامات میں پیغمبرؐ کے پاس موجود رہا کرتے جن اوقات میں تمام مہاجرین و انصار غائب ہوتے کیونکہ مہاجرین کو تجارت کی اور انصار کو کھیتی گرہستی کی مشغولیت رہا کرتی، پیغمبرؐ نے خود ان کے متعلق گواہی دی کہ انھیں علم و حدیث کی بڑی لالچ ہے اور ابوہریرہ نے پیغمبرؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنیں ڈرتا ہوں کہ کہیں بھول نہ جاؤں آں حضرتؐ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے چادر پھیلا دی، رسول اللہ نے اس میں ڈال دیا (یعنی علم) پھر فرمایا اسے سمیٹ لو، میں نے سمیٹ لیا۔ پھر میں کوئی چیز نہیں بھولا"

ملاحظہ فرمایئے علامہ ابن عبدالبر نے کوئی بھی بات نئی کہی ہے؟ ابوہریرہ نے جو حدیثیں اپنے متعلق بیان کی ہیں انھیں سب کا خلاصہ ہے۔ ابوہریرہ کے علاوہ یہ سب باتیں کسی اور سے معلوم ہی نہ ہوئیں۔ اسی طرح ان کے جتنے خصوصی فضائل ہیں سب ابوہریرہ ہی کے اقوال اور بیان کردہ حدیثوں سے استنباط کیے گئے ہیں جیسا کہ بآسانی پتہ چلایا جا سکتا ہے۔

ہم مختصر التشریح بھی گیے دیتے ہیں خیبرؐ کے سال اُن کا مسلمان ہونا تو خیر مسلم ہے دوسروں کے بیانات سے بھی ثابت ہوتا ہے لیکن جنگ خیبرؐ میں اُن کا پیغمبرؐ کے ساتھ ہونا اسے خود ابوہریرہ نے بیان کیا ہے اور انھیں سے لوگوں نے سُن کر روایت کیا اور کسی نے نہیں بیان کیا۔ اہل علم حضرات تو جنگ خیبرؐ میں ابوہریرہ کے دعوائے موجودگی کی تاویلیں کرتے ہیں جیسا کہ ہم سابقاً بیان کر چکے ہیں رہ گیا ان کا پیغمبرؐ سے وابستہ و پیوستہ ہونا، ہر وقت ساتھ رہنا، علم کی لالچ،

پیٹ بھر کھانے پر خوش رہتا، ان کے ہاتھ کا پیغمبر کے ہاتھ میں ہوتا اور پیغمبر کے ساتھ ساتھ ہر جگہ جانا یہ ایسی باتیں ہیں جن کے خود ابوہریرہ مدعی ہیں اور اسکے ثبوت کے وہی ذمہ دار ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں[1] "میں مدینہ پہنچا، پیغمبرؐ اس وقت خیبر میں تھے میری عمر ۳۰ سے تجاوز کر چکی تھی میں پیغمبرؐ کے پاس ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ نے رحلت کی اور آپ کے ساتھ ازواج پیغمبرؐ کے گھروں[2] پر جاتا، آپ کی خدمت بجالاتا، آپ کی معیت میں جنگ کرتا اور حج کرتا[3] اور میں آپ کی حدیثوں کا سب سے بڑھ کر عالم تھا اور خدا کی قسم بہت سے لوگ میرے بہت پہلے سے صحبت پیغمبرؐ میں رہتے آرہے تھے لیکن وہ جانتے تھے کہ میں ہر وقت پیغمبرؐ سے چپکا رہتا ہوں وہ مجھ ہی سے حدیث پیغمبرؐ دریافت کرتے انھیں میں سے عمر ہیں، عثمان ہیں، علیؑ ہیں، طلحہ ہیں، زبیر ہیں۔"

غالباً ارباب عقل ابوہریرہ کی اس جسارت وجرأت پر حیرت کریں کہ انھوں نے ایسی بات بیان کی ہے جو واقع کے مخالف اور سچائی سے کوسوں دور ہے لیکن جو حضرات اصل حقیقت سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ ابوہریرہ اس قسم کے دعوے اکابر صحابہ کے زمانے میں کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اس قسم کی حدیثیں بیان کرنے کی جرأت تو انھیں جب ہوئی جب اکثر صحابہ ہو چکے تھے، شام وعراق، مصر وافریقہ، فارس اور دیگر ممالک مفتوح ہو چکے تھے صحابہ کی تعداد مختصر سے مختصر تر رہ گئی تھی اور نئے مسلمانوں کی کثرت تھی جن غریبوں کو عہد نبوت کے حالات کچھ معلوم ہی نہ تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد واصابہ حالات ابوہریرہ [2] پیغمبرؐ کی غیرت وحمیت کو دیکھتے ہوئے اس قول کی تصدیق ناممکن ہے [3] یہ جملہ بتاتا ہے کہ ابوہریرہ نے پیغمبرؐ کی معیت میں پے در پے حج کیے حالانکہ پیغمبرؐ ہجرت کے بعد صرف ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے یعنی حجۃ الوداع اگر ابوہریرہ یہ کہتے کہ میں نے پیغمبرؐ کے ساتھ حج کیا تو کسی حد تک صحیح بھی سمجھا جاسکتا تھا مگر انکے جملے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کے ہمراہ انھوں نے متواتر حج کیے۔ ۱۲

ابو ہریرہ اور سارے جھوٹے اس وقت اپنے کو اور ہی دنیا میں پاتے تھے جس دنیا میں دور اول کی کوئی بات ہی پائی نہیں جاتی تھی اُن کی آج کی دُنیا ایسی تھی کہ اُن کی زبان سے نکلا ہوا ہر حرف سچا سمجھا جاتا، اُن سے ہر سُنی ہوئی بات پر خوشی خوشی عمل کیا جاتا تھا کیونکہ یہ لوگ اس نئی دنیا والوں کی نظر میں اصحاب پیغمبرؐ کے باقیات الصالحات میں سے تھے پیغمبرؐ کی سنتوں کے امین اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے ذمہ دار، اموی قہر و غلبہ نے بھی ان لوگوں کی تائید میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر ڈالیں اور انھیں اسباب سے اب ابو ہریرہ اور انھیں جیسے لوگوں کے لیے کھل کر موقع ملا کہ واہیات سے واہیات عجیب سے عجیب تر حدیثیں بیان کریں اور ہر ایسی بات کو قول و عمل پیغمبر ظاہر کریں جو نہ شرعاً جائز نہ عقلاً ممکن۔ غرضکہ ہر بیہودہ و مہمل بات جس سے اُن کے کام نکلیں یا ظالم و جابر ارباب حکومت کے مقاصد کی تکمیل ہو ان لوگوں نے پیغمبرؐ کی طرف نسبت دے کر بیان کرنے میں کمی نہیں کی۔ یہ جھوٹے اور مفتری افراد غاصب و ظالم ارباب حکومت کے متوسلین میں سے تھے تقرب و خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے میں انھوں نے ذلت و دنائت کی حد کر دی اور ارباب حکومت نے اس کے صلہ میں ایک طرف تو انھیں اپنی بخششوں سے مالا مال کر دیا دوسری طرف اُن کی تائید و حمایت میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں اس لیے کہ یہ جھوٹے لوگ ان غاصبین و ظالمین کے لیے بہترین آلہ کار بلکہ اُن کی زبان اور آنکھوں کے درجے پر تھے۔

مجھے تو خدا کی قسم بخاری و مسلم اور امام احمد جیسے اشخاص پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اتنی سمجھ بوجھ والے ہو کر بھی اندھے، بہرے اور عقل سے کورے ہو کر ابو ہریرہ اور ان کے ہم رنگ اشخاص کی تقلید کرتے ہیں۔ کیا کسی صورت سے ابو ہریرہ کے اس قول کی تصدیق ہو سکتی ہے؟ "کبار صحابہ ان سے احادیث پیغمبر پوچھا کرتے تھے"

کوئی بتا سکتا ہے کہ علیؑ و عمر، عثمان و طلحہ و زبیر وغیرہ نے کب ان سے پیغمبرؐ کی حدیث پوچھی، سوتے میں پوچھا، جاگتے میں پوچھا، یا عالم خیال میں پوچھا، کون سی حدیث پوچھی، اور اُن کے پوچھنے کا کوئی شاہد بھی ہے، ابوہریرہ کے علاوہ اور بھی کسی سے منقول ہے، کون سے مورخ نے کس عالم نے ان کبار صحابہ میں سے کسی ایک کے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس نے ابوہریرہ سے ایک بھی حدیث پوچھی تھی؟[1] یہ حضرات ابوہریرہ کی حدیثوں پر کان کب دھرتے تھے؟ ہم نے تو کہیں نہیں دیکھا کہ ابوہریرہ نے ان کبار صحابہ میں سے کسی صحابی کے سامنے کوئی روایت بیان کی ہو کوئی حدیث بیان کی ہو ان کے سامنے ابوہریرہ کو حدیث بیان کرنے کی ہمت ہوتی بھی کیسے جبکہ وہ انھیں انتہائی ذلیل سمجھتے، انتہائی جھوٹا جانتے تھے جیسا کہ ہم مفصلاً اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

اب ہم پھر استیعاب ابن عبدالبر کی عبارت کی طرف پلٹتے ہیں۔ ابن عبدالبر کا یہ فقرہ کہ ابوہریرہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے" یہ بھی ابوہریرہ ہی کی حدیث سے ماخوذ ہے جس میں انھوں نے کہا ہے وکنت اعلم الناس بحدیثہ میں احادیث پیغمبرؐ کا سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔

یہ فقرہ کان یحضر مالا یحضر سائر المہاجرین والانصار ابوہریرہ پیغمبر کی خدمت میں اس وقت بھی حاضر رہا کرتے جس وقت مہاجرین و انصار غائب رہا کرتے" یہ ابوہریرہ کی اس حدیث سے ماخوذ ہے جس میں انھوں نے

---

[1] امام حاکم نے حالات ابوہریرہ کے سلسلہ میں اُن تمام صحابہ کے نام ذکر کیے ہیں جنھوں نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے وہ کل ۲۸ کی تعداد میں ہیں ان میں نہ حضرت امیرالمومنین ہیں نہ عمر نہ عثمان نہ طلحہ نہ زبیر دوسرے صحابہ نے اُن سے جو روایتیں کیں بھی تو شرعی مسائل کے متعلق نہیں بلکہ جنت و نار و اخلاق و فضیلت علم وغیرہ کے متعلق۔

لمبل بچھانے کا تذکرہ کیا ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

یہ فقرہ کہ پیغمبر نے ان کے متعلق گواہی دی ہے کہ وہ علم حدیث کے حریص تھے یہ انھیں ابوہریرہ کے اس قول سے مستنبط ہے قلت یا رسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتك قال لقد ظننت ان لا یسالنی عن ھذا الحدیث احدا ولی منك لما رایت من حرصك علی الحدیث میں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ حضور آپ کی شفاعت سے مستفید ہونے میں سب سے نیک بخت کون ہے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا میرا پہلے ہی سے گمان تھا کہ تم سے بہتر کوئی شخص اس بات کو مجھ سے نہیں پوچھے گا کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم حدیث کے کتنے حریص ہو" (صحیح بخاری اصابہ حالات ابوہریرہؓ)

ابوہریرہ کے دیگر فضائل جنھیں حالات صحابہ لکھنے والوں میں سے سبھی نے لکھا ہے "مزود" (توشہ دان) ہے جس سے ابوہریرہ نے دوسو وسق کھجوریں کھائی تھیں، اُن کا بھاگا ہوا غلام جسے ابوہریرہ نے راہِ خدا میں آزاد کیا ان کا دو ظرف بھر حدیثیں یاد رکھنا جس میں ایک ظرف تو انھوں نے لوگوں پر ظاہر کیا دوسرا مخفی رکھا، پیغمبرؐ کا ان کے اور ان کی ماں کے لیے دعا کرنا، ان کا پانی کی سطح پر اتنی دور تک چلنا کہ ایک پوری خلیج طے کر گئے اور ان کا پیر تر نہ ہوا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کی مہملات و مزخرفات ہیں جو بہ یک وقت ہنساتے بھی ہیں اور رُلاتے بھی۔

۱۷

ابوہریرہ کے عجیب عجیب لطیفے

امام احمد نے ابوہریرہ کی ایک حدیث محمد بن زیاد سے روایت کی ہے ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ مروان جن دنوں عہد حکومت معاویہ میں مدینہ کا حاکم تھا وہ جب کبھی مدینہ سے باہر جاتا تو انھیں اپنا قائم مقام بنا کے جاتا پس ابوہریرہ اپنے

دونوں پیر مار کر کہتے کہ راستہ صاف کرو امیر آرہے ہیں، امیر آرہے ہیں!! یعنی میں ابو ہریرہ آرہا ہوں۔ (مسند احمد ج ۲ صفحہ ۴۳۰)

ابن قتیبہ دینوری نے معارف صفحہ ۹۴ میں بسلسلہ حالات ابو ہریرہ ابو رافع سے روایت کی ہے کہ مروان ابو ہریرہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا کرتا تھا یہ ابو ہریرہ گدھے پر سوار ہو کر نکلتے، اپنے دونوں پیر نیچے لٹکا دیتے اور کہتے (راستہ صاف کرو) امیر آرہے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بچے کھیل رہے ہوتے اور وہ اُن کی باتوں پر دھیان بھی نہ دیتے تو یہ خود اُن کے بیچ میں پہنچ جاتے اور اپنے پیر مارتے۔ (علامہ ابن سعد نے بھی طبقات جلد ۴ قسم ثانی میں بسلسلہ حالات ابو ہریرہ متعدد اسناد سے یہ حدیث درج کی ہے)

ابو نعیم اصبہانی نے ثعلبہ بن ابی مالک قرظی سے روایت کی ہے کہ "ابو ہریرہ بازار میں لکڑی کا گٹھر اُٹھائے آتے نظر پڑے وہ ان دنوں مروان کے قائم مقام تھے انھوں نے کہا اے ابن ابی مالک امیر کے لیے راستہ کو کشادہ کرو۔ میں نے کہا اتنا راستہ کافی ہے، تو انھوں نے کہا امیر کے لیے راستہ کشادہ کرو کہ لکڑیوں کا گٹھر بھی اس پر ہے۔" (حلیۃ الاولیا ج ۱ صفحہ ۳۸۲)

انھیں ابو نعیم نے بطریق احمد بن حنبل یہ بھی روایت کی ہے کہ "ابو ہریرہ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور کہتے جاتے بُرا ہو میرے اس پیٹ کا جب میں اسے بھر لیتا ہوں تو دَم لینا دوبھر ہو جاتا ہے اور اگر بھوکا رہتا ہوں تو مجھے گالیاں دیتا ہے۔" (حلیۃ الاولیا ج ۱ صفحہ ۳۸۲)

زمخشری کی ربیع الابرار میں ہے کہ ابو ہریرہ یہ دعا مانگا کرتے کہ خداوندا مجھے چبانے اور پیسنے والا دانت، خوب ہضم کرنے والا معدہ اور پاخانہ پھرنے والا

میز عنایت کرے"[1]

اسی ربیع الابرار میں یہ بھی ہے کہ ابوہریرہ کو مضیرہ (ایک قسم کی غذا جو پھٹے ہوئے دودھ سے بنائی جاتی ہے) بہت پسند تھا چنانچہ معاویہ کے دسترخوان پر یہ مضیرہ بھی کھانے کو ملتا تھا اور جب نماز کا وقت آتا تو بڑے شوق سے علیؑ کے پیچھے نماز پڑھنے آتے اگر کوئی پوچھتا کہ یہ کیا؟ تو کہتے کہ معاویہ کا مضیرہ زیادہ روغن دار ہوتا ہے اور علی کے پیچھے نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے اسی وجہ سے لوگ انھیں شیخ المضیرہ کہا کرتے"[2]

ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ ابوہریرہ کچھ لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے جب کسی جگہ لوگوں نے قیام کیا تو کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا اور لوگوں نے ابوہریرہ کو جو نماز پڑھ رہے تھے بلانے کو آدمی بھیجا تو انھوں نے کہلا بھیجا میں روزے سے ہوں۔ لوگ کھانے لگے کھانا جب قریب ختم ہوا تو ابوہریرہ پہنچے اور دسترخوان پر بیٹھ کر یہ بھی کھانے لگے، لوگوں نے اس

---

[1] ربیع الابرار سے اس واقعہ کو بہت سے علماء مصنفین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے منجملہ اُن کے شیخ قمی دام مجدہ ہیں جنھوں نے اپنی کتاب الکنی والالقاب میں حالات ابوہریرہ میں نقل کیا ہے [2] مضیرہ ایک قسم کی غذا ہے جو پھٹے ہوئے دودھ سے بنائی جاتی ہے۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوہریرہ جنگ صفین میں موجود تھے جہاں ان کی دورنگی شان تھی کبھی ادھر کبھی اُدھر۔ شام و عراق کے درمیان صفین سے قریب ایک جگہ مقام ابی ہریرہ کے نام سے مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ جنگ صفین کے دنوں میں ابوہریرہ نماز جماعت حضرت امیرالمومنینؑ کے ساتھ پڑھتے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے اور لڑائی جب گھمسان کی ہوتی تو قیام پہاڑ پر فرماتے۔ اور جب اُن سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو کہتے علی سب سے بڑھ کر عالم ہیں اور معاویہ کا کھانا سب سے زیادہ روغن دار ہوتا ہے اور جان بچانے کیلئے سب سے محفوظ جگہ

آدمی کی طرف دیکھا جو بلانے گیا تھا۔ ابوہریرہ نے کہا اس آدمی کی طرف کیا دیکھتے ہو لوگوں نے کہا کہ اس آدمی نے تو آکر ہم لوگوں کو بتایا کہ آپ روزے سے ہیں۔ ابوہریرہ نے کہا ہاں اس نے سچ کہا تھا۔ میں نے پیغمبر سے سُنا ہے کہ رمضان کا روزہ اور ہر مہینہ تین دن روزہ رکھنا یہ گویا سال بھر روزہ رکھنا ہے اور میں مہینہ کے تین روزے شروع ہی میں رکھ چکا ہوں لہذا میں روزہ دار بھی ہوں اور بے روزہ بھی" (حلیۃ الاولیا ج ۱ ص ۳۸۵)

بخاری نے محمد بن سیرین سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابوہریرہ کے پاس تھے وہ خز (ایک قیمتی کپڑے) کا لباس پہنے ہوئے تھے، ناک صاف کرنے کی ضرورت ہوئی تو انھوں نے انھیں خز کے کپڑوں سے ناک صاف کی اس کے بعد خود اپنے سے مخاطب ہو کر کہا کیا کہنا تمہارا ابوہریرہ آج تم خز کے کپڑے میں ناک صاف کرتے ہو اور کل تمہارا یہ حال تھا کہ منبر رسولؐ اور حجرۂ عائشہ کے درمیان غش کے عالم میں پڑے رہتے تھے، آنے والے آتے اور تمہاری گردن پر پیر رکھ کر چلے جاتے اور سمجھتے تھے کہ دیوانہ ہو حالانکہ میں دیوانہ نہیں تھا، میرا تو بھوک کے مارے یہی حال رہا کرتا تھا" (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۷۵ آخر کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ و حلیۃ الاولیا ج ۱ ص ۳۷۹)

ان کے عادات و خصائل میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سِدّ سے کھیلا کرتے علامہ ابن اثیر نہایہ میں لفظ سدر کی تحقیق میں لکھتے ہیں اُن کی عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے "بعض راویوں کا بیان ہے کہ میں نے ابوہریرہ کو سدر کھیلتے ہوئے دیکھا سدر ایک کھیلنے کا آلہ ہے جس سے جوا کھیلا جاتا ہے اس کی سین کو زیر بھی بولتے ہیں اور پیش بھی یہ لفظ فارسی ہے اور معرب بنایا گیا ہے" اسی سدر کے متعلق لسان العرب میں بھی بعینہ وہی عبارت ہے جو نہایہ کی ہے البتہ اتنی زیادتی لسان العرب میں ہے

"ومنه حدیث یحیی ابن کثیر السدر هی الشیطانة الصغری اسی سدر کے متعلق یحییٰ بن کثیر کی ایک حدیث ہے کہ سدر چھوٹا شیطان ہے یعنی شیطان کے حکم سے ہوتا ہے"۔

علامہ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں بسلسلہ لفظ عقرب شطرنج کے کھیل کا ذکر کیا ہے۔ علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ صعلوکی نے عمر بن خطاب، ابی الیسر اور ابوہریرہ سے شطرنج کا جائز ہونا روایت کیا ہے" پھر دمیری لکھتے ہیں کہ ابوہریرہ کا شطرنج کھیلنا کافی مشہور اور فقہ کی ہر کتاب میں مذکور ہے۔ علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ اُجری نے انھیں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کی طرف سے گذرو جو چوسر اور شطرنج کھیلتے ہوں ان پر سلام نہ کرنا"۔

۱۸

ابوہریرہ کا انتقال اور اُن کے پسماندگان

ابوہریرہ اپنے عقیق والے مکان میں مرے،[1] وہاں سے اُن کی میت مدینہ لائی گئی، چونکہ ابوہریرہ حضرت عثمان سے خاص عقیدت[2] رکھنے والوں میں سے تھے اس لیے عثمان کے لڑکے اُن کے جنازے کو عقیق سے کاندھا دیتے ہوئے قبرستان بقیع تک لے گئے۔ ان کی نماز جنازہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان معاویہ کے بھتیجے نے پڑھائی۔ مروان ان دنوں معتوب[3] بارگاہ تھا، اس کی جگہ ولید حاکم مدینہ تھا۔ ولید نے ابوہریرہ کی عظمت بڑھانے کے لیے لوگوں کو عصر کی

---

[1] اصابہ، استیعاب، مستدرک حالات ابوہریرہ [2] طبقات ابن سعد ج ۴ قسم ۲ ص ۶۳
[3] اصابہ، استیعاب، طبقات، مستدرک حالات ابوہریرہ۔

نماز پڑھانے کے بعد اُن کی نماز جنازہ پڑھی حالانکہ اور جلیل القدر مقدس اصحاب پیغمبر موجود تھے جیسے ابوسعید خدری، ابن عمر وغیرہ۔

ولید نے اپنے چچا معاویہ کو ابوہریرہ کے انتقال کی خبر لکھ بھیجی معاویہ نے جواب میں لکھا "ابوہریرہ کے پسماندگان کا خاص خیال رکھو اور اُن کے ورثہ کو دس ہزار درہم پہنچا دو اور اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ اور نیکی و احسان سے کام لو کہ یہ عثمان کے مددگاروں میں سے تھے اور وقت محاصرہ اُن کے ساتھ گھر میں تھے۔" (مستدرک امام حاکم طبقات ابن سعد، اصابہ ابن حجر وغیرہ)

ان کا انتقال ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ ہجری میں ہوا جبکہ ان کی عمر ۷۸ برس کی تھی۔

ان کے پسماندگان میں صرف ان کے لڑکے محرر ابن ابی ہریرہ اور اُن کی لڑکی کا پتہ ہمیں ملتا ہے جس سے ابوہریرہ کہا کرتے کہ "قولوا ابی ابی ان یحلینی الذھب یخشی علی حرا اللھب کہو کہ میرے باپ انکار کرتے ہیں اس سے کہ مجھے سونے کا زیور پہنائیں: وہ آتش جہنم کی حرارت سے ڈرتے ہیں"
محرر کے ایک لڑکے نعیم کا بھی پتہ ملتا ہے۔ اسی نعیم نے اپنے دادا ابوہریرہ کے متعلق روایت کی ہے کہ "ابوہریرہ کے پاس ایک دھاگا تھا جس میں دو ہزار گرہیں تھیں وہ جب تک دو ہزار گرہوں پر تسبیح نہ پڑھ لیتے سوتے نہیں۔"
(حلیۃ الاولیا ج ۱ ص ۳۸۰ و ص ۳۸۳)

نعیم نے ابوہریرہ ہی سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ ایک شخص نے پیغمبرؐ سے پوچھا میں کس چیز کی تجارت کروں؟ آپ نے فرمایا کہ کپڑے کی تجارت کرو کہ بزاز کو یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے کہ لوگ اچھی حالت میں رہیں اور نئے لباس میں رہیں۔

محرز کے حالات ابن سعد نے طبقات ج ۵ ص۱۰۰ میں لکھے ہیں اور سلسلۂ نسب بھی جو دوس سے جا کر ملتا ہے ذکر کیا ہے۔ نیز یہ کہ محرز عمر ابن عبدالعزیز کے زمانۂ حکومت میں فوت ہوا اور یہ قلیل الروایۃ تھا۔

خاتمہ کتاب

ہم اس کتاب کو پیغمبرؐ کے دو فقرے ذکر کر کے ختم کرتے ہیں جو ابوہریرہ سے متعلق ہیں جنھیں پیغمبرِ خداؐ نے اپنے عجیب انداز میں جو بعض کج رو افراد کی کج روی ظاہر کرنے کے لیے آپ اختیار فرمایا کرتے تھے ارشاد کیا ہے :-

پہلا فقرہ وہ ہے جس میں ابوہریرہ، رجال بن عنفوہ اور فرات بن حیان تین شخص شریک ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایک دن آپ کے پاس سے اُٹھ کر باہر چلے تو حضرت نے اُن کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا کہ لضرس احدکم فی النار اعظم من احد و ان معہ لقفا غادر "تم میں سے ایک کی ڈاڑھ آتشِ جہنم میں کوہ احد سے بزرگ تر ہے اور اُس کی پشت ایک غدار شخص کی ایسی ہے۔" ابوہریرہ اور فرات اس کے بعد کہتے تھے کہ اس[۲] حدیث کے بعد ہم اُس وقت تک مطمئن نہیں ہوئے جب تک کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا کہ رجال مرتد ہو گیا اور مسیلمہ کذاب کے ساتھ قتل ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں نے اس طرح حدیث کے معنی یہ قرار دیے کہ یہ حکم اُن تین میں سے صرف ایک کے بارے میں تھا جس کی تعیین نہ کی گئی تھی اور جب رجال بعد وفاتِ رسولؐ جا کر مسیلمہ سے مل گیا اور بحالت ارتداد

---

[۱] و [۲] استیعاب ص۵، اصابہ حالات فرات۔

قتل ہوگیا تو اُس ایک کی تعیین ہوگئی کہ اُس ایک سے رجال ہی مراد تھا۔ حالانکہ حدیث میں جو احدکم کی لفظ ہے اُس کی نظیریں ہمارے سامنے ہیں اور اُن نظائر کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ کے ساتھ جو حکم ہوتا ہے وہ بہت افراد میں سے صرف کسی ایک شخص کے متعلق نہیں ہوتا بلکہ اُن متعدد افراد میں سے ہر ایک کے لیے ثابت ہوتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے یود احدکم ان تکون لہ جنۃ تم میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کے پاس ایک گھنا ہوا باغ ہو" یود احدھم لو یعمر الف سنۃ ان میں ہر ایک کی یہ تمنا ہے کہ کاش وہ ہزار برس کی عمر پائے" واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلا جب اُن میں کسی ایک کو خبر دی جاتی ہے اُس کی جو اُس نے اللہ کے لیے تجویز کی ہیں (یعنی لڑکیاں) واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودًا وھو کظیم جب اُن میں سے کسی ایک کو لڑکی کے پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے تو چہرہ کا رنگ رنج و غم سے سیاہ ہو جاتا ہے"۔ قرآن اور حدیث اور کلام عرب میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ روزمرہ کی گفتگو میں عرب کی مقام مدح میں کہا جاتا ہے کف احدھم تمطر ذھبا اُن میں سے ایک کا ہاتھ سیم و زر کی بارش کرتا ہے" اور قلب احدھم یفیض حنانا اُن میں سے ایک کا دل مہر و محبت سے لبریز ہے" اور مذمت میں کہا جاتا ہے وجہ احدھم عنوان الوقاحۃ اُن میں سے ایک کا چہرہ بے حیائی کا سائن بورڈ ہے" اور قلب احدھم اقسیٰ من الصلد اُن میں سے ایک کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے" ان تمام جملوں میں کہیں پر "ایک" سے مراد کوئی خاص ایک شخص نہیں ہوتا بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اُن میں کا ہر ایک ایسا ہی ہے۔ لہذا حدیث میں بھی یہی معنی مراد ہوں گے اور یہی معنی اس سے ذہن میں آتے ہیں کہ اُن تین آدمیوں میں ہر ایک کی

یہ صفت ہے نہ یہ کہ کسی ایک کی جس کا اظہار نہیں کیا گیا۔

اور اگر حضرت کا مقصود کوئی ایک ہی شخص ہوتا تو اُسے کسی نہ کسی قرینہ کے ذریعہ سے متعین فرما دیتے اس لیے کہ ایسے مقام پر توضیح و اظہار کا ترک کر دینا انبیاء کی شان کے شایاں نہیں اس لیے کہ اس میں عقلاً خرابی ہے اور وہ یہ کہ جو بے گناہ ہیں اُن کے لیے بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مشکوک بن جاتے ہیں کیونکہ جب معلوم ہو گیا کہ ان میں کا کوئی ایک یقیناً غدار اور جہنمی ہے اور وہ ایک معلوم ہے نہیں تو نتیجہ یہ ہے کہ تینوں درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائیں اور کسی ایک پر بھی اُن میں سے بھروسا نہ کیا جائے اور اصول اور فروع کے کسی شعبہ میں بھی اُن کے قول کی پرواہ نہ کی جائے اور اُن کی حدیث حجت میں نہ پیش کیا جا سکے اور کسی مقدمہ میں اُن کی گواہی قابل قبول نہیں اور مسلمانوں کا کوئی عہدہ اُن کے سپرد نہ کیا جائے اور کوئی ایسی چیز جس میں وثاقت و اعتبار کی ضرورت ہے اُن کے حوالہ نہ ہو اور اسی طرح وہ اسلام کے تمام تمدنی حقوق سے محروم ہو جائیں اور امت پر لازم ہو کہ وہ اُن سے تمام ایسے امور میں جہاں عدالت کی ضرورت ہے پرہیز ضروری سمجھے اس لیے کہ شبہ محصورہ میں کہ جہاں کسی چیز کا وجود چند چیزوں کے اندر یقینی ہو اور وہ یقینی طور پر معلوم نہ ہو عقل کا قطعی فیصلہ یہی ہے کہ سب ہی پھر پرہیز کے قابل ہو جاتے ہیں اور احتیاط ان سب ہی کے بارے میں لازم ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ اس مقام پر یہی ہے کہ تینوں میں ہر شخص درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے۔ اب اگر واقعاً وہ غدار اور جہنمی بس ایک تھا تو اُن دو بیچاروں نے کیا قصور کیا تھا کہ وہ اس طرح ہمیشہ کے لیے مشکوک اور ناقابل اعتبار بنا دیے جائیں۔

بھلا حضرت خاتم الانبیاء کے ایسے محل شناس اور فرض شناس کیلئے کیونکر صحیح ہوسکتا ہے
کہ آپ دو ناکردہ گناہوں کو ذلیل کردیں اور اُن کو زندگی بھر کے لیے غدار اور جہنمی
شخص کے حکم میں چھوڑ دینے اور پھر بغیر اس کی توضیح کے آپ دنیا سے تشریف لے جائیں
آخر اس میں کیا امر مانع تھا کہ آپ اُس خاص شخص ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
فرما دیتے کہ اس شخص کی ڈاڑھ جہنم میں کوہ احد سے بڑی ہوگی ۔

غیر متعین طور پر فرمانا اُسی وقت میں درست ہوسکتا ہے کہ جب وہ تینوں
آپ کی نظر میں یکساں حیثیت رکھتے ہوں ۔

اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر نے صرف فرد واحد کے جہنمی ہونے کی صراحت
فرمائی تھی اور وہ فرد واحد ابتداءً مجمل تھی تفصیلی طور پر معلوم نہ تھا کہ ابوہریرہ مقصود
ہیں کہ فرات یا رحال لیکن جب رحال مرتد ہوگیا تو اس فرد واحد کی بھی تعیین
ہوگئی اس صورت میں نہ کوئی اجمال باقی رہتا ہے نہ کوئی اشکال ہی ۔

تو ہم کہیں گے کہ جس طرح ارشاد الٰہی واذا بشر احدھم بالانثی
ظل وجھہ مسودا وھو کظیم (جب اُن میں سے کسی ایک کو لڑکی کے پیدا ہونے
کی اطلاع دی جاتی ہے تو چہرے کا رنگ سیاہ ہوجاتا ہے) میں کوئی فرد خاص
مقصود نہیں بلکہ ایک ایک فرد مراد ہے اسی طرح ارشاد پیغمبر ضرس احدکم
فی النار بھی ابوہریرہ ، فرات اور رحال تینوں کو شامل ہے کوئی خاص فرد
مقصود نہیں بلکہ یہ مذمت تینوں کے تینوں کے لیے ہے لہذا شخص جہنمی کے غیر معین
ہونے اور رحال کے مرتد ہونے کے بعد اس کے معین ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں
پیدا ہوتا کیونکہ پیغمبر نے تینوں ہی کے متعلق فرمایا تھا ضرس احدکم
فی النار اعظم من احد ۔

دوسرے یہ کہ جس طرح انبیاء کرام کے لیے یہ ممکن نہیں کہ توضیح وصراحت کی

احتیاج ہونے پر بھی توجیہ نہ کریں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ جس وقت صراحت کی احتیاج ہو اُس وقت صراحت نہ فرمائیں اور یہ آپ جانتے ہیں کہ جس وقت پیغمبرؐ نے ان تینوں میں سے کسی کے جہنمی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تھی اُسی وقت فوری ضرورت تھی کہ آپ وضاحت بھی فرما دیتے کہ تینوں میں سے کون جہنمی ہے تاکہ رحال کے مرتد ہونے کے وقت تک یہ جس خلجان میں مبتلا رہے جتنی سراسیمگی ان کو لاحق رہی اس سے محفوظ رہتے اور مسلمانوں کو ان کے متہم و مشتبہ ہونے کی وجہ سے جو بیزاری ان سے تھی وہ بیزاری نہ رہتی مگر قیامت یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے مرتے مرتے بھی وضاحت نہ فرمائی حتیٰ کہ رحال کے مرتد ہونے کے بعد بھی تینوں کو اسی حکم میں باقی رکھا اور اُن کے جہنمی ہونے کا جو اعلان فرمایا تھا اس میں فرد واحد کی تعیین کر کے دو کی گلو خلاصی کی سبیل نہیں پیدا کی۔

سوم یہ کہ فرات بن حیان مشرکین کا جاسوس اور رسول اللہ اور مسلمانوں کے درمیان ابو سفیان کا خفیہ رپورٹر تھا پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ فرات کو قتل کر ڈالیں تو جان بچانے کے لیے اس نے اسلام قبول کر لیا چنانچہ اسی موقع پر پیغمبرؐ نے فرمایا[1] کہ "تم لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کی تالیف قلب

---

[1] استیعاب و اصابہ حالات فرات، امام حاکم نے مستدرک ج ۴ ص ۳۶۶ کتاب الحدود میں یہ حدیث درج کی ہے جس میں فرات کا تذکرہ ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ ابو سفیان کا حلیف اور جاسوس تھا۔ رسالتمآبؐ نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا اس کا گذر انصار کی ایک جماعت کی طرف سے ہوا اس نے ان لوگوں سے کہا کہ میں مسلمان ہوں بعض انصار نے پیغمبرؐ سے جا کر یہ خبر پہنچائی کہ حضور وہ اپنے کو مسلمان بتاتا ہے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں میں اُنھیں کے ایمان کے حوالے کرتا ہوں انھیں میں سے فرات بن حیان بھی ہے،، امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اسے باقی رکھا ہے۔

کی جارہی ہے تاکہ اسلام کو وہ کوئی گزند نہ پہنچا سکیں انھیں میں سے فرات بن حیان
بھی ہے۔" (اصابہ و استیعاب حالات فرات)

لہذا یہ فرات ابن حیان اپنی بدکیشی کی وجہ سے رحال کے سر بسر مشابہ تھا۔
جس طرح رحال مرتد ہو کر جہنمی ٹھہرا اسی طرح فرات بھی اپنی منافقت کی وجہ سے
مستوجب جہنم تھا لہذا جب دونوں کا حال یکساں تھا دونوں کے کردار برابر کے
تھے تو رحال کا مرتد ہو جانا کیونکر قرینہ اس امر کا قرار پا سکتا ہے کہ پیغمبرؐ نے
جس کے جہنمی ہونے کی خبر دی تھی وہ یہی رحال تھا نہ کہ کوئی اور کیونکہ جس طرح
رحال کا مرتد ہونا قرینہ قرار پا سکتا ہے جہنمی ہونے کا اسی طرح فرات کی منافقت
بھی تو قرینہ ہو سکتی ہے، اس کے جہنمی ہونے کی۔ نیز ابوہریرہ کے لیے بھی تو
اسی قسم کا قرینہ موجود ہے از روے حدیث پیغمبرؐ کہ من کذب علی متعمداً
فلیتبوء مقعدہ من النار جو شخص میری طرف جھوٹی حدیث منسوب کر کے
بیان کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

دوسرا فقرہ وہ ہے جس میں ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب فزاری اور
ابو محذورہ جمحی مشترک ہیں ایک دن پیغمبرِ خدا نے انھیں متنبہ
کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آخرکم موتاً فی النار تمہارا آخری شخص آگ کی
موت مرے گا۔ (استیعاب و اصابہ حالات سمرہ)

شریعت اسلام اور عامہ مسلمین کے امور کو منافقین کی دخل اندازیوں سے
محفوظ رکھنے کے لیے حکیم اسلام نے انتہائی حکیمانہ انداز میں یہ فقرہ ارشاد فرمایا تھا
چونکہ عالم و خبیر پیغمبرؐ ان تینوں کی باطنی کیفیتوں سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے
آپ نے یہ جملہ فرما کر چاہا کہ امت والوں کو ان سے ہوشیار و متنبہ فرما دیں تاکہ
مبادا کوئی ان کی صحابیت سے مرعوب ہو کر انھیں نگاہ عقیدت سے نہ دیکھے

اسی لیے آپ نے صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا کہ ان تین شخصوں میں سے آخری مرنے والا آگ میں دم توڑے گا۔ لیکن اس موقع پر بھی سابق کی طرح آپ نے نام لے کر نہیں فرمایا بلکہ اپنے جملہ کو تینوں کے متعلق مجمل رکھا تاکہ یہ پیشین گوئی تینوں میں دائر رہے، زندگی کی آخری سانسوں تک بھی آں حضرتؐ نے اس اجمال کی کوئی تصریح نہیں کی نام لے کر اس شخص کا نہیں بتادیا جس کے نصیب میں آگ کی موت مقدر تھی یہ اسی لیے تاکہ امت اسلام کے ارباب عقل ان تینوں ہی سے بیزاری و کنارہ کشی اختیار کریں۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں بسلسلہ حالات سمرہ لکھتے ہیں کہ "اس کی وفات بزمانہ خلافت معاویہ ۵۸ھ ہجری میں بصرہ میں ہوئی اس طرح کہ وہ ایک کھولتے ہوئے پانی کی دیگ میں گر پڑا اور جل کر مرگیا اسے کوئی بیماری ہوئی تھی جس کے علاج کے طور پر وہ گرم پانی میں بیٹھا کرتا تھا اسی غرض سے ایک دن پانی گرم کیا گیا اتفاقاً اس میں وہ گر پڑا اور مرگیا، اس طرح آں حضرتؐ کی پیشین گوئی صحیح نکلی جو آپ نے سمرہ، ابوہریرہ اور ایک شخص کے متعلق فرمادیا تھا آخرکم موتا فی النار، تم میں سے آخری شخص آگ میں مرے گا۔"

علامہ ابن عبدالبر نے محض حمایت ابوہریرہ میں یہ بات بنائی ہے اور پیغمبرؐ کی پیشین گوئی کو صرف سمرہ کے سر منڈھنے کی کوشش کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرؐ کا ارشاد تینوں ہی کے متعلق تھا نہ کہ صرف سمرہ کے متعلق یہی وجہ تھی کہ یہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر یقین رکھتے تھے کہ پیغمبرؐ نے ہمارے ہی بارے میں پیشینگوئی فرمائی ہے ہمیں مراد و مقصود پیغمبرؐ ہیں۔ اسی وجہ سے ان تینوں میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ اپنے باقی دو ساتھیوں سے پہلے مرجاؤں تاکہ آخر میں بچ کر آگ کی موت نہ نصیب ہو جیسا کہ ان تینوں کے اقوال و اعترافات مظہر ہیں۔

مزید براں سمرہ کا اپنے دونوں ساتھیوں کے بعد مرنا بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔
خود علامہ ابن عبدالبر کی تحقیق کے بنا پر سمرہ کا آخر میں مرنا تو اور غلط ہے کیونکہ
وہ کہتے ہیں کہ سمرہ ۵۸ھ میں مرا اور ابو ہریرہ کے متعلق بے شمار مورخین و
محدثین مثلاً واقدی، ابن نمیر، ابن عبید، ابن اثیر، ابن جریر وغیرہ کا
بیان ہے کہ وہ ۵۹ھ میں مرے اسی ۵۹ھ میں ابو محذورہ بھی مرا۔ لہذا
علامہ ابن عبدالبر کی یہ موشگافی کہ سمرہ ۵۸ھ میں گرم پانی سے جل کر مرا اور
اس کے مرنے پر پیغمبر کی پیشین گوئی پوری ہوئی جتنی مہمل ہے وہ ظاہر ہے۔
پیغمبرؐ کی پیشین گوئی کسی ایک کے متعلق نہ تھی بلکہ تینوں مخاطب تھے اور
تینوں ہی کے سوء عاقبت کی پیغمبرؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

فہرست مضامین

عنوان | صفحہ

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ
(۲۷) ابوہریرہ کو لوگوں نے جھٹلایا تو انھوں نے عذر پیش کیا کہ ہم نے فضل سے سنا تھا	۲۰۷
(۲۸) دو متناقض حدیثیں	۲۰۹
(۲۹) دو شیر خوار جو غیب کی خبریں بتاتے تھے	۲۱۰
(۳۰) پیغمبرؐ کا زکوۃ فطرہ کی حفاظت پر انھیں معین کرنا اور شیطان کا متواتر تین راتیں اُن کے پاس آنا زکوۃ کی رقم چرانے کے لیے	۲۱۳
(۳۱) پیغمبرؐ کی دعا سے مادر ابوہریرہ کا اسلام لانا۔ پیغمبرؐ کی دعا ابوہریرہ اور مادر ابوہریرہ کے لیے	۲۱۶
(۳۲) غلام ابوہریرہ	۲۲۳
(۳۳) خیر و خیرات کے اچھے انجام کے متعلق ایک خیالی قصہ	۲۲۵
(۳۴) ایک فرضی قصہ جس میں وفاے عہد کے حسن انجام کا تذکرہ ہے	۲۲۶
(۳۵) تیسرا فرضی قصہ کفران نعمت و شکر نعمت کے متعلق	۲۲۹
(۳۶) چوتھا فرضی قصہ جس میں ظلم کا انجام بُرا ہونا ذکر کیا ہے	۲۳۲
(۳۷) پانچواں فرضی قصہ مہربانی کا انجام اچھا ہونے کے متعلق	۲۳۳
(۳۸) ایک اور ایسا ہی فرضی قصہ	۲۳۳
(۳۹) خداوند عالم نے ایک کافر زیاں کار کو بخش دیا	۲۳۴
(۴۰) ایک گناہگار بار بار توبہ کرتا اور بار بار گناہ، خداوند عالم کا اس سے کہنا کہ میں تو تجھے بخش چکا جو تیرا جی چاہے کر	۲۳۷
خیالی قصے جابر و ظالم لوگوں کے گناہوں کو سُبک دکھانے کے لیے	۲۳۹
پیغمبرؐ پر تہمتیں	۲۳۹

صفحہ	عنوان
۲۴۰	جناب ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ و جناب آدم پر اتہامات
۲۴۲	قوانین فطرت کی دھجیاں اڑانا
۲۴۲	ابوہریرہ کا علاء حضرمی اور چار ہزار فوجیوں کے ہمراہ پانی پر یوں چلنا کہ تلوے تک نہ بھیگے
۲۴۳	ابوہریرہ کا توشہ دان
۲۴۵	ابوہریرہ کی حدیثیں مرسل کا حکم رکھتی ہیں
۲۴۹	ابوہریرہ کا دعویٰ ان واقعات میں موجود ہونے کا جن میں وہ موجود نہ تھے
۲۵۵	اگلے لوگوں کی ابوہریرہ سے بیزاری
۲۶۹	اپنے جھوٹا سمجھنے والوں پر ابوہریرہ کا احتجاج
	ابوہریرہ کے فضائل پر ایک نظر
	ابوہریرہ کے عجیب عجیب لطیفے
۲۸۹	ابوہریرہ کا انتقال اور ان کے پسماندگان
۲۹۱	خاتمہ کتاب، پیغمبر کے دو جملے ابوہریرہ کے متعلق

ابوہریرہ

اور

دفتر اصلاح کی دیگر مطبوعات

حسب ذیل پتوں سے مل سکتی ہیں :-

(۱) دفتر اصلاح کھجوا (بہار)

(۲) مذہبی کتب خانہ مسجد دیوان ناصر علی صاحب مرحوم باغ قاضی لکھنؤ

(۳) سید محمد حسین صاحب بی اے، ۲۸۷ جی آر، ڈبلیو لائنس روڈ کراچی

دینِ حق

عصر حاضر کے دو روشن دماغ نکتہ رس و صاحب علم و فضل حضرات میں اسلام کے
صحیح راستہ کے متعلق لطیف و پاکیزہ بحث ہوئی ایک بزرگ عراق کے جلیل القدر عالم علامہ
سید عبد الحسین شرف الدین موسوی عاملی ہیں اور دوسرے مصر کے جناب فضیلت و شرف عالم اہلسنت
ہیں۔ آپس میں دوستانہ خطوط کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہر ایک نے دوسرے کیساتھ انتہائی رواداری و
لطف کیساتھ حکیمانہ مباحثہ جاری کیا اور مذہب کے متعلق ان تمام مسائل پر گفتگو کی اور کرید کرید کر
سوالات کئے جس پر جاہل عوام اور غبی و تنگدل علماء صف آرائی کرتے ہیں اور ایکدوسرے کی توہین پر اتر
آتے ہیں اور جنگ و فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ آخر تک یہ علمی و دینی مباحثہ نہایت خوش دلی و
بشاشت کیساتھ جاری رہا۔ مصر کے سنی عالم نے اپنے شکوک مذہب شیعہ کے متعلق دریافت کئے تھے اور
عراق کے شیعہ عالم نے ان کے شکوک نہایت حسن و خوبی سے زائل کئے۔ بجائے ایکدوسرے کے مکدر
ہونے کے ہر ایک دوسرے کے خطوط کا منتظر و مشتاق رہتا تھا اور ہر ایک دوسرے کا شکرگذار
ہوتا تھا۔ یہ نایاب گنجینۂ علم، بےنظیر سرمایۂ ہدایت عربی میں تھا اردو داں اسکے فیض سے
محروم تھے دفتر اصلاح نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اردو زبان میں شائع
کیا ہے اس کتاب کی اشاعت نے ہندوستان و پاکستان میں ہلچل
مچا دی ہے۔ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا دوسرا
ایڈیشن قیمت

چار روپے (للعہ)

منیجر "اصلاح" کھجوا (بہار) انڈیا
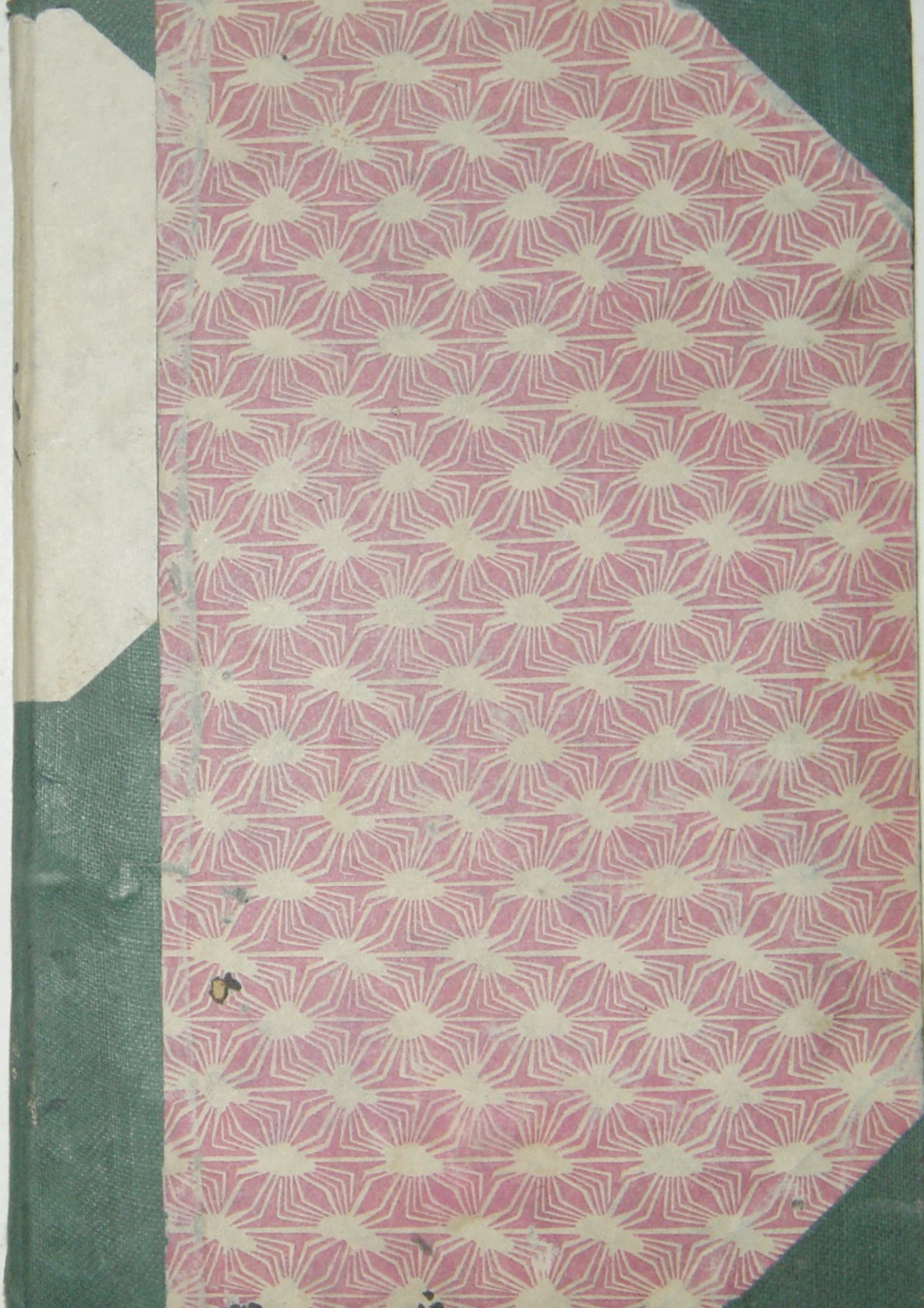
مترجمۂ

محمد باقر نقوی

مولوی فاضل، صدر الافاضل

از افادات

حضرت حجۃ الاسلام آقا عبد الحسین شرف الدین موسوی دام ظلہ العالی

ابوہریرہ

ابوہریرہ نے پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کیں اور حدیثوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگا دیے، اور اُن سے صحاح ستہ اور تمام سنن و مسانید اہلسنت نے روایتیں کیں! بے حد و حساب!! اس بہتات کو دیکھتے ہوئے ضروری ہوا کہ ان احادیث کے مصدر و مرکز خود ابوہریرہ کی ذات و صفات پر روشنی ڈالی جائے کیونکہ اُن کی حدیثیں ہماری دینی و شعوری زندگی سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں اور اُن سے چشم پوشی کریں تو یہ دین و عقل سے غفلت اور کورانہ تقلید کے مرادف ہوگی۔

ابوہریرہ کی حدیثوں کی یہ بہتات اصول دین و فروع دین دونوں ہی کو چھائے ہوئے ہے اسی وجہ سے مذاہب اربعہ والے یعنی حنفی و شافعی و حنبلی و مالکی اور ان کے متکلمین اشاعرہ وغیرہ بیشتر احکام الٰہی و شرائع دینی میں ابوہریرہ کی حدیثوں کے محتاج اور اُن کے سامنے نظر و فکر کے ہتھیار ڈالے نظر آتے ہیں، اس لیے ہم پر فرض ہوا کہ ہم ابوہریرہ کا جائزہ لیں اور اُن کی حدیثوں کی کمیت و کیفیت سے بحث کریں تاکہ اُن کی روایت کردہ حدیثوں سے جو احکام الٰہی مستنبط ہوتے ہیں اُن کی حقیقت اُجاگر ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱
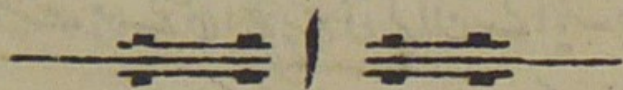
ابوہریرہ کا نام و نسب

ابوہریرہ بہت معمولی حیثیت اور گمنام نام و نسب کے آدمی ہیں۔ ان کے اور ان کے باپ کے نام کے متعلق اسلام سے پیشتر اور زمانۂ اسلام دونوں عہد[1] میں لوگوں نے بیشمار مختلف باتیں کہی ہیں، اصل نام کیا تھا یہ آج تک طے نہ ہو سکا یہ اپنی کنیت کے ساتھ پہچانے جاتے اور قبیلہ دوس سے نسبت رکھتے ہیں۔

دوس یمن کا ایک خاندان ہے جو دوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب بن حارث بن کعب بن مالک بن نضر بن ازد بن غوث کی نسل سے ہے۔ ان کے باپ کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کا نام عمیر[2] تھا اور وہ عامر

ے[1] علامہ ابن عبدالبر نے اپنی استیعاب میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ بعینہٖ یہی لفظیں لکھی ہیں، استیعاب کے علاوہ دیگر کتابیں اصابہ، اسدالغابہ، طبقات ابن سعد وغیرہ سبھی میں ان کی معمولی حیثیت اور ذلیل نسب کا تذکرہ ہے ے[2] یہ قول محمد بن ہشام بن سائب کلبی کا ہے جسے بسلسلہ تذکرہ ابی ہریرہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں نقل کیا ہے ابواحمد دمیاطی نے بھی اس کی تائید کی ہے دیکھو اصابہ حالات ابوہریرہ۔

بن عبد ذی الشری بن طریف بن غیاث بن ابی صعب بن ہنیہ بن سعد بن ثعلبہ
بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس کے بیٹے تھے۔

ان کی ماں امیمہ[1] بنت صفیح بن حارث بن شابی بن ابی صعب بن ہنیہ بن سعد
بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس ہیں۔

ابوہریرہ کنیت ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے ایک ہرّہ (بلی) تھی جسے
یہ بہت چاہتے[2] تھے اسی وجہ سے اُن کی کنیت ابوہریرہ رکھ دی گئی، غالباً اپنی بلی
پر حد سے زیادہ فریفتہ ہی ہونے کی وجہ سے انھوں نے پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر کے
یہ حدیث روایت کی ہے کہ

---

[1] طبقات بن سعد جلد ۴ قسم ثانی ص۵۲ [2] علامہ ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب "معارف"
میں بسلسلہ حالات ابی ہریرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ کہا کرتے تھے کہ میری کنیت "ابوہریرہ"
ایک چھوٹی بلی کی وجہ سے پڑی جس سے میں کھیلا کرتا تھا۔ اور ابن سعد نے انھیں ابوہریرہ سے
منسوب کر کے ان کا قول اپنے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور میری ایک
چھوٹی سی بلی تھی جب رات آتی تو میں اسے درخت پر رکھ دیا کرتا اور جب صبح ہوتی تو وہاں سے
اُتار لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، اس پر لوگوں نے میری کنیت ابوہریرہ رکھ دی۔ جس جس نے
ابوہریرہ کے حالات لکھے ہیں سبھی نے کنیت کی یہی وجہ بیان کی ہے، مسلمان ہونے کے بعد
بھی بلی کے ساتھ ان کا یہی شغف رہا، یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے بھی انھیں اسی حال میں دیکھا
کہ یہ اپنی آستین میں اپنی بلی چھپائے ہوئے ہیں جیسا کہ علامہ فیروز آبادی نے اپنی لغت
قاموس میں لفظ ہرہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

ان[1] امراءة دخلت النار فی هرة ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاکل من خشاش الارض۔

ایک عورت محض اس وجہ سے جہنم میں ڈالی گئی کہ اس نے ایک بلی کی گردن میں رسی باندھ دی نہ اسے کھانے کو دیا نہ اسے آزاد چھوڑا کہ وہ زمین پر پڑی ہوئی چیزوں سے پیٹ بھر سکے۔

جناب عائشہ کو جب ان کی اس حدیث کی خبر ملی تو انھوں نے سختی کے ساتھ اس حدیث کی تردید کی جیسا کہ آپ آگے چل کر اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے۔

۲

ابوہریرہ کی نشو و نما، اسلام لانا اور صحبت پیغمبرؐ

یمن ہی میں پیدا ہوئے اور یمن ہی میں پلے بڑھے یہاں تک کہ تیس[2] برس تک کی عمر ہو گئی، بالکل کافر اور زمانہ جاہلیت کا ایک نمونہ، نہ دماغ میں علمی روشنی تھی نہ کچھ نیک و بد کی تمیز، ایسے مفلس و قلاش جیسے زمانے نے بالکل گمنام رکھا ہو، اور ایسے یتیم جیسے فقر و ناداری نے ذلیل و خوار بنا رکھا ہو، کبھی کسی کی خدمت کرتے

---

[1] امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۴۹ کتاب بدء الخلق میں اور امام احمد نے مسند جلد ۲ ص ۲۶۱ میں درج کیا ہے [2] خود ابوہریرہ کا قول اصابہ وغیرہ میں ایک حدیث کے ضمن میں موجود ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر جب خیبر میں تشریف فرما تھے تو میں حاضر خدمت ہوا اور اس وقت میرا سن ۳۰ برس سے زائد تھا

کبھی کسی کی چاکری، پیٹ بھر کھانے سے غرض تھی جو دے دے اور کام لے لے۔
ننگے پیر، برہنہ جسم، ہر ذلت پر راضی اور ہر حال میں مطمئن۔

لیکن جب خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی رسالت کو مدینہ منورہ میں فروغ دیا اور جنگ بدر و احد، خیبر و خندق کے بعد ہر طرف اسلام کا علم لہرانے لگا تو اب اس نادار و محتاج انسان کے لیے آستانۂ نبوت کی جبہ سائی کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی باقی نہ رہا۔ فتح خیبر کے بعد انھوں نے وطن کو خیرباد کہا اور اسلام لا کر حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے یہ باتفاق مورخین ۷ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

رہ گئی ان کی صحابیت اور صحبتِ پیغمبرؐ میں ان کی باریابی تو خود ابوہریرہ نے ایک حدیث میں جسے امام بخاری نے صحیح بخاری[2] میں روایت کیا ہے صراحت کی ہے کہ صرف تین برس تک رہی۔

---

[1] ابوہریرہ اپنے حالات میں بیان کیا کرتے (جیسا کہ طبقات، ابن سعد اصابہ اور حلیۃ الاولیا میں بسلسلہ حالات ابوہریرہ مذکور ہے) میں ابن عفان اور دختر غزوان کی خدمت کیا کرتا تھا پیٹ بھر کھانے کے عوض، جب وہ دونوں سوار ہو کر جاتے تو میں اونٹ ہنکاتا اور جب وہ گھر میں رہتے تو اُن کی خدمت بجا لاتا اس کے متعلق ابوہریرہ کی بہت سی باتیں ہیں جن کو ہم اُن کے مواقع پر ذکر کریں گے [2] صحیح بخاری جزثانی صـ۱۸۲ باب علامات النبوۃ، اصابہ ابن حجر عسقلانی، طبقات ابن سعد حالات ابوہریرہ۔

ابو ہریرہ عہدِ پیغمبرؐ میں

ابو ہریرہ اسلام لانے کے بعد مساکین صفہ[1] میں داخل ہو گئے۔ اہل صفہ جیساکہ علامہ ابوالفدا اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں "مفلس و نادار مسلمان تھے جن کے نہ کوئی گھر تھا نہ قوم و قبیلہ، عہدِ پیغمبرؐ میں وہ لوگ مسجد نبوی میں شب کو سوتے اور دن میں رہتے مسجد کا سائبان ان کا جائے قیام تھا اسی کی طرف وہ منسوب ہو گئے۔ جب پیغمبرؐ شب کو کھانا نوش فرماتے تو اُن میں سے کچھ لوگوں کو اپنے کھانے میں شریک کر لیتے اور باقی دیگر اصحاب کے پاس بٹ جاتے تاکہ اُن کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں، ان اہل صفہ کے مشہور لوگوں میں ابو ہریرہ تھے[2]۔ (تاریخ ابوالفداء)

یہ ابو ہریرہ جیسا کہ ابو نعیم اصبہانی نے حلیۃ الاولیا[3] میں صراحت کی ہے صفہ کے رہنے والوں میں مشہور تر تھے جو پیغمبرؐ کی زندگی تک صفہ ہی میں رہے وہاں سے ہٹے ہی نہیں۔ خود ابو ہریرہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں وکنت امرأً مسکینا من مساکین الصفۃ" میں فقراء صفہ میں سے ایک نادار و فقیر شخص تھا[4]۔

---

[1] علامہ ابن کثیر اپنی لغت نہایۃ میں لکھتے ہیں کہ اہل صفہ سے مراد فقراء مہاجرین ہیں جن کے پاس رہنے کا کوئی مکان نہیں تھا وہ مسجد نبوی کے سائبان میں رہتے تھے [2] تاریخ ابوالفداء پیغمبرؐ کے آخر زندگی کے حالات جہاں اصحاب پیغمبرؐ کا ذکر کیا ہے [3] حلیۃ الاولیاء جلد اول ص۳۷۶ [4] صحیح بخاری جزء ثانی ص۱ کتاب البیوع

ایک اور موقع پر کہا:-

رایت سبعین من[1] اصحاب[2] الصفة ما منهم رجل علیه رداء وانما علیه اما ازار واما کساء ربطوه فی اعناقهم فمنها ما یبلغ نصف الساقین ومنها ما یبلغ الکعبین فیجمعه بیده کراهیة ان تری عورته۔

میں نے اصحاب صفہ میں سے ستّر اشخاص کو دیکھا کہ کسی کے جسم پر ردا نہ تھی ہر ایک کے بدن پر لنگ تھی یا چادر جسے گردن سے باندھے رہتے بعض کی لنگ یا چادریں آدھی پنڈلی تک ہوتیں بعض کی ٹخنے تک اور وہ اپنے ہاتھوں سے پکڑے رہتا تاکہ شرمگاہ نہ کھل جاوے

صحیح بخاری کی ایک طولانی حدیث[3] میں ابوہریرہ سے روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں وان اباھریرہ کان یلزم رسول اللہ بشبع بطنه ابوہریرہ صرف پیٹ بھر کھانے کے لیے پیغمبرؐ سے چپکے رہتے تھے۔

اسی صحیح بخاری میں ابن مسیب اور ابو مسلم کے طریق سے ابوہریرہ سے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ صنہ کتاب الصلوۃ باب نوم الرجال فی المسجد [2] ستّر اصحاب صفہ جن کا ابوہریرہ نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے جنگ بئر معونہ میں سب کے سب درجہ شہادت پر فائز ہوئے اس وقت ابوہریرہ اسلام بھی نہ لائے تھے اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے کیسے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے ستّر اصحاب صفہ کو دیکھا۔ یہ حدیث ان کی اسی حدیث جیسی ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں رقیہ دختر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے ہاتھ میں کنگھی تھی" حالانکہ رقیہ ابوہریرہ کے آنے کے مدتوں پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ ایک دو نہیں ایسے بہت سے نوادر آپ کو ان کی حدیثوں میں نظر آئیں گے جن کا آگے چل کر ہم تذکرہ کریں گے [3] صحیح بخاری ج ۱ صــ۲۴ کتاب العلم، حلیۃ الاولیاء وغیرہ

روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں وکنت الزم رسول اللہ علی ملء بطنے

میں ہر وقت پیغمبرؐ کی خدمت میں موجود رہتا تھا پیٹ بھر کھانے کے عوض۔

دوسری جگہ اسی صحیح بخاری میں ابوہریرہ کی ایک اور روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ "میں اصحاب صفہ سے تھا[2] ایک دن روزہ رکھا، شام ہوگئی، اس دن پیٹ میں کچھ تکلیف بھی تھی میں رفع حاجت کے لیے گیا، واپس آیا تو کھانا کھایا جا چکا تھا، قریش کے مالدار افراد اہل صفہ کو کچھ کھانا بھیج دیا کرتے تھے، میں نے کہا میں کس کے پاس جاؤں۔ لوگوں نے کہا عمر ابن خطاب کے پاس جاؤ۔ میں ان کے پاس پہنچا وہ نماز پڑھ کر تسبیح میں مشغول تھے، میں رکا رہا جب وہ جانے لگے تو میں قریب گیا، کہا اقرئنی (اس لفظ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مجھے کچھ پڑھ کر سنائیے، دوسرے یہ کہ میری ضیافت کیجیے، میرا مطلب یہ تھا کہ کھانا کھلائیے) انھوں نے سورہ آل عمران کی چند آیتیں پڑھ کر سنا دیں جب وہ دروازے پر پہنچے تو گھر میں چلے گئے اور مجھے دروازے پر چھوڑ دیا، بہت دیر ہوگئی، میں نے جی میں کہا، کپڑے اتارتے ہوں گے کپڑے اتار کر پھر میرے لیے کھانا بھجوائیں گے مگر گھنٹوں ہوگئے اندر سے کوئی آتا نظر نہ آیا۔ جب کافی تاخیر ہوگئی تو میں واپس پلٹا، راستہ میں پیغمبرؐ مل گئے میں آپ کے ساتھ چلا یہاں تک کہ درِ دولت پر پہنچا، آپ نے ایک حبشی کنیز[3] کو پکارا اور فرمایا وہ پیالہ لے کر آنا وہ ایک پیالہ لے کر آئی جس میں کسی کھانے کی چکنائی لگی ہوئی تھی میرا خیال ہے کہ جو کا ستو اس میں تھا جو کھایا جا چکا تھا کنارے کنارے ذرا ذرا

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۱ کتاب البیوع [2] حلیۃ الاولیا جلد ا ص ۳۷۶ [3] ہم نے نہ تو کسی کتاب میں دیکھا نہ کسی سے سنا کہ پیغمبرؐ کے گھر میں کوئی حبشی کنیز بھی تھی

لگا ہوا تھا بہت ہی کم، میں نے اسی کو کھایا اور اس سے میرا پیٹ بھر گیا۔

ابوہریرہ اکثر[1] اپنے متعلق کہا کرتے "خدائے وحدہٗ لاشریک کی سوگند، میں بھوک کے مارے زمین پر پڑا رہتا، اپنے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا، ایک دن میں مسجد کے راستہ میں بیٹھ گیا جس راستہ سے ہو کر لوگ مسجد سے نکلا کرتے کہ ابوبکر گذرے۔ میں نے قرآن مجید کی ایک آیت کے معنی اُن سے پوچھے، مطلب یہ تھا کہ وہ مجھے کھانے کو پوچھیں مگر انھوں نے نہیں پوچھا اپنی راہ چلے گئے، پھر عمر گذرے اُن سے بھی میں نے قرآن مجید کی آیت کا مطلب دریافت کیا اس مرتبہ بھی میری غرض یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ لے چلیں اور کھانا کھلائیں وہ بھی اپنی راہ گئے اور کھانے کی دعوت نہ دی، پھر پیغمبرِ خدا تشریف لائے آپ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح بخاری کے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ علامات نبوت میں سے شمار کیا جاتا ہے، اگر یہ حدیث اور ابوہریرہ کا یہ بیان صحیح ہے تو سمجھ میں نہیں آتا پھر اس واقعہ کی دوسرے ہزاروں اصحاب نے کیوں نہیں روایت کی، کم سے کم وہی صحابہ اس واقعہ کو بیان کرتے جو دودھ میں ابوہریرہ کے حصہ دار بنے، یہ بھی قابل غور ہے کہ اس موقع پر پیغمبرؐ کو معجزہ ظاہر فرمانے کی ضرورت کیا تھی؟ کیونکہ اس قسم کے محیر العقول خارق عادات افعال شدید ضرورت پیش آنے ہی پر عمل میں لائے جاتے ہیں، آیات الٰہی اور معجزات انبیاء پر ہم پورا پورا ایمان رکھتے ہیں پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ ابوہریرہ نے یہ حدیث جو بیان کی وہ محض جاہل اور ان پڑھ عوام میں اپنی شان جتانے کے لیے اور اس وقت بیان کی جب بڑے بڑے صحابہ انتقال کر چکے تھے کوئی ایسا رہ نہیں گیا تھا جس کے جھٹلانے کا خوف ہوتا ابوہریرہ کو۔

اور میرے دل میں اور چہرے پر جو بات نمایاں تھی پہچان گئے، آپ نے فرمایا ابوہریرہؓ!
میں نے عرض کی حاضر ہوں یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو، میں
ساتھ ہو گیا، آپ گھر میں آئے اور مجھے اندر بلایا، میں اندر گیا۔ ہم لوگوں نے
دیکھا کہ ایک پیالہ میں دودھ ہے آں حضرتؐ نے دریافت کیا یہ دودھ کہاں سے
آیا، بتایا گیا کہ فلاں شخص نے تحفۃً آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا
ابوہریرہ جاؤ اور اہل صفہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اہل صفہ اسلام کے مہمان
تھے نہ کوئی گھر بار تھا نہ عزیز و اقارب، جب پیغمبرؐ کے پاس کوئی صدقہ کی چیز
آتی تو آپ اُن کے پاس بھیج دیا کرتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے اور جب کوئی
تحفہ و ہدیہ آتا تو خود بھی نوش فرماتے اور اہل صفہ کو بھی شریک کر لیتے۔ ابوہریرہ
کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کا یہ ارشاد مجھے بہت ناگوار گذرا جی میں کہا کہ اہل صفہ کے لیے
یہ دودھ کیا کام دے گا، میں زیادہ حقدار ہوں کہ اسے پی کر بھوک کی اذیت دور
کروں۔ اہل صفہ جب آئیں گے تو پیغمبرؐ حکم دیں گے کہ میں یہ پیالہ انھیں دوں
ایک ایک کے پاس پیالہ لے جانا پڑے گا اس میں سے بچے گا کیا جو میں پیوں گا۔
مگر پیغمبرؐ کی بات ماننے کے علاوہ چارہ کار رہی کیا تھا میں ان لوگوں کو جا کر بلا لایا
اُن لوگوں نے حاضر ہو کر اجازت چاہی پیغمبرؐ نے اجازت دی وہ سب آ کر اپنی
اپنی جگہ بیٹھ گئے، پیغمبرؐ نے فرمایا ابوہریرہ یہ پیالہ ان لوگوں کو دو۔ میں نے
پیالہ ہاتھ میں لے کر ایک کو بڑھایا اس نے پیٹ بھر کے پیا پھر پیالہ مجھے پلٹا دیا
میں نے دوسرے کو بڑھایا اس نے بھی جی بھر کے پیا اور سیراب ہو گیا اسی طرح
یکے بعد دیگرے ہر ایک کو میں پیالہ دیتا گیا اور وہ پیٹ بھر کے پینے کے بعد

مجھے واپس دیتا گیا، جتنے تھے سب نے پیا اور سبھی سیراب ہوے پھر آں حضرتؐ
نے وہ پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور مجھے دیکھ کر مسکرائے ارشاد فرمایا ابوہریرہ بس
ہم تم باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کی جی ہاں! آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا بیٹھو
اور پیو، میں نے بیٹھ کر پیا۔ آپ نے فرمایا اور پیو، میں نے اور پیا۔ اسی طرح
آپ فرماتے گئے اور پیو اور میں اور پیتا گیا یہاں تک کہ میں نے عرض کی اب
نہیں یا رسول اللہ اب پیٹ میں گنجائش نہیں رہی۔ آپ نے فرمایا اچھا مجھے
پیالہ دکھاؤ، میں نے پیالہ آپ کے ہاتھوں میں دے دیا، آپ حمد وثنائے الٰہی
بجالائے اور بسم اللہ کہہ کر بقیہ دودھ نوش فرمالیا۔

اور صحیح بخاری میں ابوہریرہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے، ابوہریرہ
کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں[1] منبر اور حجرہ عائشہ کے بیچوں بیچ غش میں پڑا رہتا
لوگ آتے اور میری گردن پر پیر رکھ دیتے اور میں بالکل دیوانہ دکھائی دیتا
حالانکہ میں دیوانہ نہیں تھا۔ بھوک بدحواس بنائے رہتی۔

جناب جعفر طیار نادار مسلمانوں پر بے حد مہربان تھے برابر اُن کے ساتھ
احسان و خیر و خیرات کرتے رہتے اکثر ابوہریرہ کو کھانا کھلایا کرتے جس کی
وجہ سے ابوہریرہ جناب جعفر طیار کے بے حد گرویدہ تھے اور انھیں پیغمبرؐ کے بعد
ہر ایک سے افضل قرار دیتے (جیسا کہ اصابہ میں بسلسلہ حالات جعفر طیار مذکور ہے)
امام بخاری نے بسلسلہ اسناد ابوہریرہ سے روایت کی ہے ابوہریرہ نے کہا

---

[1] صحیح بخاری جلد ج ص۱۶۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ